شرح صحیح مسلم
تصنیف
علامہ غلام رسول سعیدی

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اللہ کا رسول تم کو جو (احکام) دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو

شرح صحیح مُسلم

جلد رابع

عتاق، بیوع، مساقات، مزارعت، وصیت، نذر، ایمان

قسامت، قصاص، دیات، حدود

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

Nafse Islam

WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشر:

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۲

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : شرح صحیح مسلم (الجزء الرابع)

تصنیف : علامہ مفتی غلام رسول سعیدی

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی، فاضل علوم شرقیہ

کتابت : دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ، گوجرانوالہ

مطبع : ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

ہدیہ : -/295 روپے

الطبع الثامن : صفر ۱۴۲۱ھ / مئی ۲۰۰۰ء

الطبع العاشر : جمادی الاول ۱۴۲۳ھ / جولائی ۲۰۰۲ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

ناشرین

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر Email:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

فہرست مضامین شرح صحیح مسلم جلد رابع

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان اور بے انتہاء کرم ہے کہ شرح صحیح مسلم کی چار جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس شرح کو عوام و خواص میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی، بہت سے احباب نے مجھے یہ بتایا کہ وہ ایک بار پڑھنے کے بعد اس شرح کو دوسری بار پڑھ رہے ہیں، کسی مصنف کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو گی کہ اس کی تصانیف اس کی زندگی میں چھپیں، پڑھی جائیں اور قبولیت پائیں اولله الحمد علی ذلك۔

شرح صحیح مسلم جلد رابع میں جن موضوعات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں: اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق، مفہوم مخالف کی تحقیق، اسلام، اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظاموں کا تقابلی مطالعہ، اور باہمی موازنہ اور اسلام کے اقتصادی نظام کی حقانیت اور بالادستی، سوشلزم اور اسلامی مساوات کا موازنہ اور اسلامی مساوات کی ترجیح اور برتری، انعامی بانڈز کی تحقیق، دستاویز اور ہنڈی کی بیع کا حکم، حقوق کی بیع کا حکم، امپورٹ لائسنس، روٹ پرمٹ اور پگڑی وغیرہ کی بیع پر بحث، باغات کے پھلوں کی مروجہ بیع کا شرعی حکم، کیا زمین کو کرایہ پر دینا سود ہے؟ زمین کو بٹائی پر دینے کی بحث، زمین کی شخصی ملکیت پر بحث، انجکشن کے ذریعہ نر کا نطفہ مادہ کے رحم میں پہنچانے کا حکم، امام ابوحنیفہ پر نشہ آور شرابوں کو حلال کرنے کے اعتراض کا جواب، الکوحل اور اسپرٹ کے مرکبات کا حکم، بینک کے سود کی تحقیق، افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل، کرنسی نوٹ کی تحقیق، بیع عینہ کی تحقیق، دارالحرب کے سود کا حکم، عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟ زمین کے تیل یا گیس کا حکم، سات زمینوں کے متعلق اثر ابن عباس کی تحقیق، ایصال ثواب کی تحقیق، اولیاء اللہ کی مروجہ نذر پر بحث، قتل مرتد کی بحث، آلۂ قصاص کیا صرف تلوار کے ساتھ خاص ہے؟ عورت کی نصف دیت کی تحقیق، حدود میں عورتوں کی گواہی پر بحث، اسلامی حدود پر اعتراضات کے جوابات، چور کا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد کیا اس کو پیوند کرا کر دوبارہ لگایا جا سکتا ہے؟ رجم کی تحقیق، اسلام میں بیعت کا تصور اور معدنیات کے احکام وغیرہا۔

شرح صحیح مسلم جلد خامس میں جن مسائل پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں: قضاء اور اجتہاد کے مباحث، عوام اور فقہاء کی تقلید کا فرق، رشوت کی تفصیل اور تحقیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نور ہونے کی تحقیق، نبی کی خصوصیات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کی بحث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی بحث، سرکاری خزانے سے اپنا حق وصول کرنے کی تحقیق، لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنے کی بحث، گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی بحث، شہادت کی بحث، عورت کی شہادت کی تحقیق، آیا عورت کی شہادت نصف ہے یا کامل؟ مسائل جہاد، ہجرت کی تحقیق، دارالکفر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم، حدیث رد شمس کی تحقیق، جنگی قیدیوں کے تبادلہ یا ان کو بلا عوض احساناً چھوڑنے کی تحقیق، فدک کی تحقیق اور علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات، مسئلہ خلافت، حضرت ابوبکر کی خلافت پر اعتراضات کے جوابات، غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کی بحث، قیام تعظیمی کی بحث، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کا معنی اور آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مفصل بحث، سجدہ شکر اور عورت کے ستر اور حجاب کی تحقیق، خلافتِ اسلامیہ اور موجودہ دور کی اسلامی حکومتوں پر بحث اور دیگر بہت سے مباحث۔

عصری اور مجتہد فیہ مسائل کو وسعت نظر سے دیکھنا چاہیے جب کوئی شخص صدہا فقہی مسائل پر غور و فکر کرکے لکھتا ہے تو بعض مسائل میں دیگر علماء سے اختلاف ناگزیر ہے، یہ بہت مشکل ہے کہ فروعی مسائل میں تمام علماء سے سو فیصد اتفاق ہو جائے، کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی فکر و نظر کا اختلاف ضرور ہوگا۔ سو ایسے مسائل میں علمی اور فروعی اختلاف کو وسعت ظرف سے لینا چاہیے۔

موجودہ دور کے علماء اہل سنت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی شخصیت غیر نزاعی اور اتفاقی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے بعض مسائل میں نہ صرف یہ کہ اپنے زمانہ کے معاصرین علماء سے اختلاف کیا ہے، بلکہ انھوں نے متقدمین علماء سے بھی اختلاف کیا ہے اور ان کے نظریات کو دلائل سے رد کیا ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی مجتہد فی المذہب ہیں اور فقہاء احناف میں ان کا بہت بلند مقام ہے لیکن ایک مسئلہ میں جہاں اعلیٰ حضرت کا ان سے اختلاف ہوا اعلیٰ حضرت نے ان کا بھی رد کیا ہے، اور ان کے ساتھ ساتھ علامہ بدر الدین عینی کا بھی رد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اقول وھذہ الاحادیث تؤید ما اخترنا وتؤذن ان تاویل ابی جعفر رحمہ اللہ تعالٰی لیس فی محلہ فیما فی عامۃ الکتب تأخذ لاعتضادھا بنصوص الاحادیث ولانہ علیہ الاکثر وقد نصوا ان العمل بما علیہ الاکثر وانہ لایعدل عن روایۃ ما وافقتھا درایۃ فکیف اذا کان ھو الاشہر الاظہر الاکثر الازہر وبھذا یضعف مازعم العلامۃ البدر فی العمدۃ فتبصر۔

(اہلاک الوہابیین ص ۲۲ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

میں کہتا ہوں کہ یہ احادیث ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں اور یہ اعلان کرتی ہیں کہ امام ابو جعفر رحمہ اللہ کی تاویل عام کتابوں کے موافق نہیں ہے۔ ہمارا موقف احادیث کی تصریحات سے مؤید ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ اسی پر اکثر کا عمل ہے اور جب تک احادیث درایت کے موافق رہیں ان کے ظاہری مفہوم سے عدول نہیں کیا جاتا یہی قاعدہ مشہور اور ظاہر ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں جو امام طحاوی کی موافقت کی ہے اس بیان سے اس کا ضعف ظاہر ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن ہمام کا بھی بہت اونچا مقام ہے اور وہ مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہیں۔ اس کے باوجود اعلیٰ حضرت کا جہاں ان سے اختلاف ہوا اعلیٰ حضرت نے ان کا بھی رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

مگر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اپنی بحث سے وضو کے لیے بسم اللہ و ذکر الٰہی سے ابتداء کرنا برخلاف مذہب واجب ٹھہرایا اور مسئلہ متفق علیہا کے جواب میں فرمایا:

ما قیل انہ مدخل للوجوب فی الوضوء لانہ شرط تابع فلو قلنا بالوجوب فیہ لساوی التبع الاصل غیر لازم اذ اشتراکھما بثبوت الواجب فیھما لا تقتضیہ للثبوت عدم المساوات بوجہ اخر نحو انہ لا یلزم بالنذر بخلاف الصلوۃ مع انہ لا مانع من الحکم بان واجبہ احط رتبۃ من واجب الصلوۃ کفرضہ بالنسبۃ الی فرضھا اھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو وضو میں واجب قرار دینے پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وضو تو نماز کے تابع ہے اگر بسم اللہ کو واجب کہیں تو تابع اصل کے برابر ہو جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس جہت سے وضو نماز کے مساوی ہوگا لیکن ایک اور جہت سے ان میں مساوات نہیں ہے۔ کیونکہ نذر سے وضو لازم نہیں ہوتا لیکن نذر سے نماز لازم ہو جاتی ہے اور وضو کا واجب نماز کے واجب سے کم ہے جیسے وضو کا فرض

کلامہ الشریف ۔

اقول لم یات المستدل الشیء حتی سمع ما سمع و اذا لم یمنع تبعیۃ الوضوء ثبوت الفرائض فیہ فلم یمنع ثبوت الواجبات والرواتب توابع للفرائض انما شرعت مکملات للخللات لہا فلیست فی مرتبۃ الوضوء ایضا ثم لم یقعدھا ذلک عن یکون لہا کل من الفروض والواجبات والسنن والمستحبات کما للاصول ولم تعن ان الوضوء لایستاھل فی نفسہ ان یکون لہ واجب حتی نحتاج الی ما ذکر المستدل وانما عنینا ان لیس فی مذھبنا واجب فی الوضوء لایجوز ترکہ ویصح بدونہ وھذا ظاھر لایفتاق الی اظہار وثابت لایصلح للانکار ۔

نماز کے فرض سے کم ہے۔ یہ امام ابن ہمام کا کلام تھا۔
اعلیٰ حضرت اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں معترض نے کوئی ایسا اعتراض نہیں کیا جو لائق التفات ہو، کیونکہ جب وضوء میں فرائض کا ہونا اس کے تابع ہونے کے منافی نہیں ہے تو وضوء میں واجب ہونا کیسے اس کے تابع ہونے کے منافی ہوگا۔ اور نوافل فرائض کے تابع اور ان کو مکمل کرنے والے ہوتے ہیں نہ کہ ان کو ساقط کرنے والے اور ان کا مرتبہ وضوء سے بھی کم ہے، اس کے باوجود ان میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات ہیں، اور یہ بات نہیں ہے کہ وضوء فی نفسہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس میں کوئی واجب نہ ہو، حتیٰ کہ اس کے جواب کی ضرورت ہو، ہماری مراد تو صرف یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں وضوء میں کوئی واجب نہیں ہے جس کا ترک کرنا ناجائز ہو، اور یہ بالکل ظاہر ہے اور اس پر دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور مسئلہ تسمیہ اولاً تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول نہ محققین مابعد میں مقبول۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱ ص ۲۵ - ۲۴، مطبوعہ سُنّی دارالاشاعت لائل پور)

شرح عقائد کے محشی علامہ شمس الدین خیالی نے متکلمین پر یہ اعتراض کیا ہے کہ برہان تطبیق جس سے متکلمین حدوث عالم ثابت کرتے ہیں یہ برہان اللہ تعالیٰ کے علوم میں بھی جاری ہو جائے گی جس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا متناہی ہونا لازم آئے گا۔ علامہ عبدالحکیم نے اس کے حاشیہ میں لکھا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا جہل لازم نہیں آتا کیونکہ امور غیر متناہیہ بالفعل کے ساتھ علم کا تعلق ممکن نہیں ہے اور جہل اس وقت ہوتا جب کسی چیز کے ساتھ علم کا تعلق ممکن ہوتا اور پھر اس کا علم نہ ہوتا پس جیسا کہ قدرت کا محال کے ساتھ متعلق ہونا عجز کو مستلزم نہیں ہے، اسی طرح امور غیر متناہیہ بالفعل کے ساتھ علم کا متعلق ہونا جہل کا مستلزم نہیں ہے۔ اس کے بعد علامہ سیالکوٹی نے تامل کہا ہے اور ہمارا خیال ہے تامل میں اس کے رد کی طرف اشارہ ہے، بہرحال اعلیٰ حضرت نے علامہ سیالکوٹی اور علامہ خیالی دونوں کا رد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی کی سُنیے، منہیہ خیالی سے منقول ہوا کہ اس میں باری عزوجل کے علم کا امور غیر متناہیہ سے تفصیلاً متعلق ہونا ممنوع کہہ دیا، ملّا نے خیالی کا خیال خیالی نقل کر کے اس پر رجسٹری کر دی۔

حیث قال قولہ فتامل نقل عنہ وجہ التامل ان علمہ تعالی الشامل انما یشتمل مالایمتنع العلم بہ کما ان قدرۃ الشاملۃ انما تشتمل مالایمتنع وجودہ وامکان تعلق العلم بالمراتب الغیر

علامہ خیالی سے وجہ تامل یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف امور متناہیہ کو شامل ہے، جیسا کہ اس کی قدرت صرف ان امور کو شامل ہے جو امور غیر ممتنع ہوں، اور یہ کہنا کہ امور غیر متناہیہ بالفعل کے ساتھ علم ممکن ہے ممنوع ہے اگر یہ کہا جائے کہ

المتناهية مفصلة ممنوع انتهى فان قيل فيلزم الجهل على الله تعالى قلت الجهل عدم العلم بما يصح تعلق العلم به كما ان العجز عدم تعلق القدرة بما يصح ان تتعلق به فتامل ۔ اھ

اس سے اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آئے گا تو میں کہوں گا کہ جہل اس وقت ہوتا جب کسی چیز کے ساتھ علم کا تعلق ممکن ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہوتا۔ تامل (اس میں غور کرو۔)

ممنوع کہتے تو کہہ گئے، لیکن اگر نظر کرتے کہ یہ وسوسہ باطلہ جو عدو مبین اعاذنا اللہ تعالیٰ من شر اللعین نے القا کیا اس کی تہہ میں کیا کیا آفات قاہرہ ہیں تو ہرگز خامہ و نامہ کو اس سے آلودگی نہ روا رکھتے فاقول اولاً دو ہی ملا صاحب فرمائیں تو کہ سلسلۂ اعداد سے کس قدر پر ہونے عزوجل کا علم جاکر رک گیا کہ اس سے آگے کا عدد خدا کو معلوم نہیں۔ سلسلۂ ایام آخرت سے کتنے دن خدا کو معلوم ہیں آگے نعیم جنان وعذاب نیران سے کتنی مقدار علم الٰہی میں ہے، زیادہ کی اسے خبر نہیں، کیا کوئی عاقل مسلم سوچ سمجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔

(سبحان السبوح ص ۱۵۶، مطبوعہ دار الاشاعت جامع گنج بخش لاہور)

اسی طرح اعلیٰ حضرت نے علامہ نووی سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے متعلق کہے لیس لہ نیۃ (اللہ کی نیت نہیں ہے) علامہ نووی نے اس کلمہ کی تاویل کی ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس کو الفاظ کفر سے قرار دیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۳۳، مطبوعہ کراچی)

اسی طرح اعلیٰ حضرت نے علامہ فضل حق خیر آبادی سے ایک مسئلہ میں اختلاف کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ اسماعیل دہلوی نے اللہ تعالیٰ کے کذب کو ممکن قرار دیا، اسی طرح مسئلہ شفاعت کا انکار کیا، اس پر علامہ فضل حق خیر آبادی نے شیخ اسماعیل دہلوی کی قطعی تکفیر کر دی اور فرمایا یہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے گو اس کا کفر کہ ہے اور اعلیٰ حضرت نے شیخ اسماعیل دہلوی کی تکفیر نہیں کی ہر چند کہ یہ کہا کہ اس کے اقوال پر بوجوہ کثیر کفر لازم ہے۔ لیکن کہا ہم اس کو کافر نہیں کہتے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی، شیخ اسماعیل دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

اس بیہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے اور ہرگز مسلمان نہیں ہے اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے۔ جو شخص اس کے کفر میں شک لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے کافر بے دین اور نامسلمان ولعین ہے مگر کفر اور بے دینی میں اس شخص سے کم ہے۔

(تحقیق الفتویٰ ص ۲۴۰، مطبوعہ بندیال)

اور اعلیٰ حضرت شیخ اسماعیل دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

ان کے امام اسماعیل دہلوی کا یہ قول (اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے) صریح ضلالت وگمراہی و بد دینی ہے جس میں بلا مبالغہ ہزارہا وجہ سے کفر لزومی ہے، جمہور فقہاء کرام کے طور پر ایسی ضلالت کا قائل صریح کافر ہو جاتا ہے اگرچہ ہم باتباع جمہور متکلمین کرام صرف لزوم پر بے التزام کافر کہنا نہیں چاہتے اور ضال مضل بد دین کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۷۵، مطبوعہ کراچی)

نیز اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مرضی و مناسب۔

(الکوکبۃ الشہابیہ ص ۵۴، مطبوعہ بریلی۔)

اور اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے۔

عرض: اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہیے۔؟

ارشاد: میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے اگر کوئی کافر کہے ہم منع نہیں کریں گے اور خود کہیں گے نہیں۔

(الملفوظ ج ۱ ص ۳۴، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

بہرحال ان تمام حوالوں کے بیان کرنے سے ہمارا صرف اتنا مقصد ہے کہ متقدمین علماء یا معاصرین سے علمی اختلاف کرنا علماء کا حق ہے اور یہ اعلیٰ حضرت کے طریقہ اور اسلوب کے عین مطابق ہے اس لیے جس عالم یا فقیہ سے اختلاف کیا جائے اس کو صرف علمی اختلاف کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اس سے خدانخواستہ کسی عالم یا فقیہ کی توہین اور تخفیف مقصود نہیں ہوتی، اعلیٰ حضرت اور ہمارے دوسرے فقہاء نے بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ اور بعض صحابہ سے بھی اختلاف کیا ہے؟ اور جب امام ابوحنیفہ اور بعض صحابہ کرام سے بھی اختلاف کرنا جائز ہے تو اعلیٰ حضرت یا متقدمین فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی رائے یا فقہی نظریہ سے علمی اختلاف کرنا کیونکر ناجائز ہوگا؟ کیونکہ اعلیٰ حضرت اور متقدمین فقہاء اپنے تمام امتیازات و اکرامات کے باوجود صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے کسی طرح بھی برتر اور بالاتر نہیں ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے کہ ان کے کسی قول سے اختلاف کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ کفر ہے اور پھر اجماع قطعی کا یہ مرتبہ ہے کہ اس سے اختلاف جائز نہیں ہے اور اس کے بعد ادب کے دائرہ میں رہ کر دلائل کے ساتھ ہر شخص کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ متقدمین فقہاء سے علمی اختلاف کرنا اعلیٰ حضرت کا طریقہ ہے اور ان کے اسلوب کے عین مطابق ہے۔ اس لیے اگر میں نے شرح صحیح مسلم میں کسی مقام پر بعض علماء سے علمی اختلاف کیا ہے تو اس سے کسی تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کو اعلیٰ حضرت کی اتباع پر محمول کرنا چاہیے اور اس علمی اختلاف کو وسعت نظر سے دیکھنا چاہیے۔

ہم مخالفین سے یہ کہتے ہیں کہ تم اکابر پرستی کا شکار ہو اور اگر تمہارے اکابر کی کوئی تحریر غلط ہو تو تم اس کو غلط نہیں مانتے، سو ہم کو بھی فرط عقیدت اور جذبات سے مغلوب ہو کر ایسا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے اور جو چیز قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا دیگر قوی دلائل سے ثابت ہو اور حق واضح ہو جائے تو کسی تامل اور ہچکچاہٹ کے بغیر اس کو شرح صدر کے ساتھ قبول کر لینا چاہیے، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ (توبہ: ۳۱) کا مصداق قرار پائیں۔

میں اس کتاب کو گوناگوں بیماریوں اور جسمانی اور ذہنی تکالیف اور بعض لوگوں کی دل آزار باتوں کے باوجود محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کے لیے لکھ رہا ہوں۔ اور صرف یہ خواہش ہے کہ مرنے کے بعد اس کتاب کے ذریعہ میرے نامہ اعمال میں حسنات لکھے جانے کا سلسلہ جاری رہے، اسی خواہش کے پیش نظر میں پہلے مسجد بنانا چاہتا تھا لیکن جس اثاثہ کی بنیاد پر مسجد بنانے کا منصوبہ بنایا تھا وہ سب لاہور میں بیماری کے دوران ختم ہو گیا، اس لیے میں نے اب صدقہ جاریہ کے لیے یہ راستہ منتخب کر لیا اور مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نیت کے خلوص کی وجہ سے اس کتاب کو ان شاء اللہ باقی رکھے گا۔

میں جن مسائل پر لکھتا ہوں حسب غور و خوض کے بعد حق اور صواب کو تلاش کر کے لکھتا ہوں، اول قرآن مجید، پھر احادیث اس کے بعد آثار صحابہ اور پھر بعد کے فقہاء اور ائمہ مجتہدین اس ترتیب کو میں ہر جگہ پیش نظر رکھتا ہوں۔ اگر کسی شخص کو مجھ سے کسی مسئلہ میں

؎: اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بیع عینہ ناجائز اور حرام ہے اور اعلیٰ حضرت نے کفل الفقیہ میں بیع عینہ کو جائز لکھا ہے۔ اس کی باحوالہ بحث اسی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ - منہ -

علمی اختلاف ہو تو وہ علمی دائرہ میں قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور ائمہ مجتہدین کی ترتیب سے اپنی رائے بیان کرے۔ وہ انشاء اللہ حق اور صواب کو قبول کرنے میں مجھے کبھی پس و پیش کرتا ہوا نہیں پائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رائے کو مستحکم پا کر رجوع کر لیا۔ بعض معاملات میں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کی رائے کی طرف رجوع کیا۔ حضرت ابن عباس نے متعہ اور ربا الفضل کے جواز کے قول سے اخیر عمر میں رجوع کر لیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسائل میں رجوع کر لیا۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے تقریباً ہر مسئلہ میں اپنے قول سابق سے رجوع کیا ہے۔ حق بات کی طرف رجوع کرنا للہیت کی علامت ہے اور دلائل واضح ہونے کے بعد ضد اور انانیت سے اپنے قول پر ڈٹے رہنا نفسانیت اور ابلیس لعین کا طریقہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ الحمد للہ میں حق واضح ہونے کے بعد حق کو قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتا۔ ہر چند کہ میں بے حد غور و فکر اور اہل علم سے بحث و تمحیص کے بعد کوئی موقف قائم کرتا ہوں، اس کے باوجود مجھے اپنی علمی بے بضاعتی اور فہم نارسا کا اعتراف ہے، مجھ سے سہو اور ذہول بھی ہو سکتا ہے اور غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں، سو صاحبان علم سے بصد ادب و احترام التماس ہے کہ وہ مجھے دلائل کی اس ترتیب سے میری غلطی پر متنبہ کریں وہ انشاء اللہ مجھے ہمیشہ ممنون اور حق کی اتباع کرنے والا پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ مجھے حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری زید مجدہ اللطیف اور پروفیسر مولانا منیب الرحمان زید مجدہ کی رفاقت میسر ہے، میں نظری مسائل میں اکثر و بیشتر ان حضرات سے تبادلہ خیال کرتا ہوں اور ان کے مشوروں سے مستفید ہوتا ہوں ان کے علاوہ ملک کے دیگر اہل علم حضرات کی آراء سے بھی استفادہ کرتا ہوں۔

مجھے پہلے ذیابیطس کی تکلیف تھی اب دماغی کام کی زیادتی کی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر بھی ہو گیا ہے، میں اپنے عزیز مولانا عبدالجبار نیازی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے ہائی بلڈ پریشر سے متعلق لٹریچر فراہم کیا جس کی وجہ سے میں احتیاطی تدابیر پر عمل کرتا ہوں۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت اور توانائی عطا فرمائے تاکہ میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب اکرم کے توسل سے اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کے مصنف ناشر، کاتب، مصحح معاونین اور قارئین کی مغفرت فرمائے اور دارین کی خیر اور برکات سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین خاتم النبیین وعلیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الف الف تحیات وصلوٰت۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ

بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل "بی" ایریا، کراچی نمبر ۳۸

۱۵-۱-۹۰

WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

از

حضرت علامہ مفتی اہلِ سُنّت ڈاکٹر سید شجاعت علی قادری (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ذوالمجد والکرم، حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی زیدت مکارمہم، جلیل القدر محدث، فقیہ، مدرس، خطیب اور صاحب طرز مصنف ومحقق ہیں، آپ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آپ کے فاضل تلامذہ جو پاکستان اور بیرونِ پاکستان اسلام کی خدمت میں مصروف ہیں، اور آپ کی گرانقدر تصانیف جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہیں، آپ کا بہترین تعارف ہیں۔

اور یہ شرف "دارالعلوم نعیمیہ دستگیر کالونی کراچی" کی یہ خوش قسمتی ہے کہ علامہ موصوف ایک عرصہ سے اس دارالعلوم میں حدیث، تفسیر اور فقہ اسلامی کی تعلیم دے رہے ہیں، اور ساتھ ہی "صحیح مسلم" کا اردو ترجمہ اور اس کی شرح کے کام میں مصروف ہیں۔

الحمد للہ علیٰ احسانہ علامہ کی شبانہ روز کوشش سے "صحیح مسلم" کی اس شرح کی اول، دوم اور سوم جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہیں اور اہلِ علم سے دادِ تحقیق پا چکی ہیں، جلد چہارم زیرِ طبع اور جلد پنجم مرحلہ تصنیف میں ہے۔

فقیر نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث اس شرح کو مکمل نہیں پڑھا ہے، مگر بقدرِ ضرورت اس کے اہم مقامات سے استفادہ کا شرف ضرور حاصل کیا ہے۔ دورانِ مطالعہ جو خوبیاں اس کی ابھر کر سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ احادیث کا بامحاورہ اردو ترجمہ۔

۲۔ ہر باب میں آنے والی احادیث کی مختصر تشریح، تاکہ پڑھنے والے کے ذہن میں متعلقہ باب کی احادیث کے بارے میں ایک اجمالی نقشہ آجائے اور مبحث یا موضوعِ بحث کی تعیین ہو جائے۔

۳۔ اصولِ حدیث سے متعلق نکات کی نشاندہی۔

۴۔ فقہ حنفی پر احادیث سے استدلال اور اس کی ترجیح کے دلائل۔

۵۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب کا بیان، اور ان مذاہب کے دلائل پر گفتگو۔

۶۔ اختلافی مسائل میں علمی اندازِ نگارش۔

۷۔ جدید مسائل کی تحقیق اور ان پر بھرپور علمی تبصرے۔

۸۔ پوری کتاب پیچیدہ خالص علمی اور تحقیقی مواد پر مشتمل ہونے کے باوجود سلاستِ بیان اور ادیبانہ طرزِ تحریر کے باعث انتہائی دلچسپ و دل آویز ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۹۔ ایک بالغ نظر محقق اپنے معاصرین کی تحریروں سے بے خبر نہیں رہ سکتا ہے، علامہ نے معاصرین کی متعلقہ تحریروں کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور ان پر بصیرت افروز تبصرے کیے ہیں، جس حدیث پر کلام کیا ہے سیر حاصل کیا ہے، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ دورانِ تصنیف میں علامہ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا ہوں اور بعض موضوعات پر مفید علمی تبادلۂ خیال رہا ہے، جو مسائل عصری اور اجتہادی ہیں ان میں کوئی رائے آخری اور حتمی نہیں کہلائی جا سکتی ہے اور نہ اس سے ہر شخص کا اتفاق کرنا ضروری ہے، میری اور علامہ کی رائے اکثر عصری مسائل میں متفق ہوتی ہے، تاہم یہ لازمی نہیں اختلاف بھی ہوتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل علامہ کو صحت وعافیت سے نوازے اور ان کی تدریس وتصنیف میں برکت ڈالے، اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام فرمائے اور مزید کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ناچیز

سید شجاعت علی قادری

خادم الحدیث ومہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی

۲۶ - ۱۱ - ۱۹۸۹

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر علامہ منیب الرحمٰن
صدر شعبہ معارف اسلامیہ
علامہ اقبال گورنمنٹ کالج، کراچی
جنرل سکریٹری دار العلوم نعیمیہ ٹرسٹ، کراچی۔

نظرے خوش گزرے

ہم جس علمی دور میں اپنی حیاتِ مستعار کے دن پورے کر رہے ہیں وہ من حیث المجموع دینی علوم، دینی مزاج، اسلامی فکر اور اخلاقی اقدار کے اعتبار سے ارتقاء کا نہیں بلکہ تنزل کا دور ہے۔ بادی النظر میں یہ وہ دور ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب علم اٹھا لیا جائے گا، وہ اس طرح کہ علماء ربانیین داصل بحق ہوتے چلے جائیں گے اور ان کی وراثت علمی کا کوئی جانشین پیدا نہیں ہوگا۔ گزشتہ ربع صدی کا آپ جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ وراثتِ علمِ نبوت کے کتنے جلیل القدر آفتاب و ماہتاب یکے بعد دیگرے ہمیں داغِ مفارقت دیتے چلے گئے، لیکن ہمیں دور دور تک ان کا نعم البدل تو کجا! بدلِ محض بھی نظر نہیں آتا۔ کچھ یہی صورتِ حال طریقت و سلوک اور دعوت و ارشاد کے سلاسل کی ہے۔ جبہ و دستار، مسند و خانقاہ اور درگاہ کے ورثاء تو بے شمار ہیں بلکہ ان وراثتوں پر باقاعدہ مقدمات ہو رہے ہیں لیکن زہد و قناعت، مجاہدہ و ریاضت، فقر و استغناء، صبر و توکل، تزکیۂ نفس، تواضع و انکسار، پابندیِ شریعت اور اطاعتِ رسالت کا وارث کوئی بھی نہیں۔ ائمہ و مشائخ طریقت کے قلب و نظر میں جو انوارِ نبوت کی شمع روشن تھی اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو متاعِ گراں مایہ سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتی چلی آرہی تھی، آج ایسا کوئی گنجینہ دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں جو ان انمول خزینوں کا سفینہ ہوتا۔

اس علمی، فکری، عملی اور اخلاقی استدبار و زوال کے اسباب و وجوہ متعدد ہیں۔ معاشرہ من حیث المجموع بھی اس کا ذمہ دار ہے، جس معاشرے میں تمام تر دواعی و محرکات اور تحریصات و ترغیبات نفس امارہ کی تسکین اور اس کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے موجود ہوں وہاں علمی و روحانی ارتقاء اور زہد و اتقاء کے خال خال مناظر و مظاہر کا نظر آنا بھی خرقِ عادت میں شمار ہونا چاہیے۔

اس مجموعی ابتری میں سونے پر سہاگہ یہ کہ ہماری معاشرتی زندگی کے بعض شعبے ایسے ہیں جن کے بارے میں تقریباً تواتر کی حد تک یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ لوگ اس جانب اپنے اختیارِ تمیزی، ترجیحات، خواہشِ نفس اور جذبۂ باطن کے تحت مائل نہیں ہوتے، بلکہ اضطرار، حالات کے جبر اور ناگزیر مجبوریوں کے پیشِ نظر انھیں ایسے شعبوں کی طرف آنا پڑتا ہے۔ ان شعبوں میں شعبۂ تدریس بالعموم اور تعلیم و تعلم علوم دینیہ بالخصوص سرِ فہرست ہیں۔ جب تک کوئی مشغلۂ زندگی صرف ذریعہ معاش بنا رہے مشن نہ بن سکے، اور

عقیدت و عبادت کا مقام دل میں نہ پا سکے تو اس کے ذریعے نہ کرامات کا ظہور ہوتا ہے نہ شاہکار تخلیق ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کی علمی درس گاہوں اور جامعات کے بانجھ پن اور علمی دیوالیہ پن کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ کسی معاشرے میں کوئی شعبہ زندگی اتنا ہی پرکشش و لائقِ توجہ اور مرکزِ توجہ قرار پاتا ہے جتنی قدر و منزلت اور رفعت و توقیر وہ معاشرہ اسے عطا کرتا ہے۔ اگر دولت کی جھنکار معیارِ توقیر قرار پائے گی تو معاشرے میں رشوت، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، چوری، ڈاکہ زنی، جوا و سٹہ اور ہر قسم کا استحصال فروغ پائے گا اور اگر انوارِ علم کی تنظیم و توقیر ہوگی تو اہلِ صُفہ، ایسی مجالسِ درس و تدریس سجیں گی، علم اور انسانی اقدار کا فروغ ہوگا۔

یہ سیاق و سباق میں نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ ہمیں اندازہ ہو سکے اور ہمارے اندر یہ جرأتِ اعتراف پیدا ہو کہ ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ ایسے ماحول میں علامہ غلام رسول سعیدی کی شخصیت اس اعتبار سے منفرد و ممتاز ہے کہ انھوں نے حصولِ علمِ دین کا سفر کسی اضطرار یا حالات کی مجبوری کے تحت اختیار نہیں کیا بلکہ عین عالمِ شباب میں جب کسبِ معاش کے لیے اپنی راہ متعین کر چکے تھے کہ ہاتفِ غیب کے "سازِ الست" سے ان کی "مضرابِ روح" کو چھیڑا، عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رو "تارِ روح" میں اچانک رواں ہو گئی اور اس نے ان کے خوابیدہ بخت کو جگا دیا، کسی مردِ خدامست کی مجلسِ وعظ میں شرکت کی اور ان کی تقریر سنتے ہی دل کی دنیا میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ روشنیوں، رنگینیوں اور رعنائیوں کے شہر کراچی کو خیرباد کہا اور سفرِ علمی کی منزلیں طے کرتے کرتے ضلع سرگودھا کے دُور افتادہ قصبے بندیال تک جا پہنچے۔ بقول کسے ؎

چھیڑ کے سازِ لا الٰہ تڑپا گیا کوئی
عالم تھا سارا محوِ خواب جگا گیا کوئی

علامہ اقبال نے شاید اسی موقع کے لیے کہا تھا ؎

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے — دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل — اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

چونکہ جذبۂ دروں، طلبِ صادق اور عشقِ حقیقی کی تڑپ انھیں اس وادیٔ خارزار میں لے آئی تھی، اس لیے انھوں نے اس راہ کے تمام کانٹوں کو پھول سمجھا اور ہر کلفت کو اُلفت کا پیش خیمہ جانا۔ مبداء فیاض نے بھی اپنا بابِ رحمت وا کر دیا اور اسی کا ثمرہ ہے کہ آج وہ علم کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی بلاشبہ ہمارے عہد کے عظیم مفسر، محدث، فقیہہ اور محقق ہیں اور شرح صحیح مسلم ان کی علمی رفعت و ارتقاء کا ایک بلند ترین روشن مینار ہے۔ اس عظیم علمی تحقیق کے حوالے سے ان شاء اللہ ان کا نام تا ابد زندہ و تابندہ رہے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

یلوح الخط فی القرطاس دھراً
وکاتبہ رمیم فی التراب

انسان کے بنائے ہوئے قوانین اس کے محدود علم، فکرِ نارسا اور محدود و معین ذاتی، گروہی، وقتی اور طبقاتی مفادات کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ کبھی بھی دائمی، دیرپا، انسانیت کے لیے بلا تفریقِ مذہب و رنگ و نسل منفعت بخش، نقائص سے مبرّا اور غیر متبدل قرار نہیں پا سکتے۔ چنانچہ موجودہ مہذب دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے جس کے مرتبہ و مروجہ قوانین و آئین میں آئے دن ترمیم و تنسیخ نہ ہوتی رہتی ہو۔ اس کے برعکس اسلام کے اساسی عقائد، عبادات، احکام

WWW.NAFSEISLAM.COM

اور اصول غیر متبدل اور ناقابل تنسیخ ہیں۔ انسانی ذہن کی تخلیق اور خالق کائنات کی وحی و تنزیل میں یہی بنیادی فرق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ناقابل تردید اور مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی تمدن ہر دم ارتقاء پذیر اور روبہ تغیر ہے، انسان کے احوال و کوائف آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے تغیر وارتقاء کی اس رفتار کو تیز سے تیز تر کر دیا ہے۔ آج سے پچاس سال قبل ہم جن باتوں کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے، آج وہ حقیقت ثابتہ کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس لیے اسلام کو ہر دور میں ایسے مایۂ ناز، نابغۂ روزگار اور عبقری وقت فقہاء و مجتہدین کی ضرورت رہی ہے جو دین کے غیر متبدل اصول کو اپنی اصل شکل میں قائم بھی رکھیں اور ان کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل بھی تجویز فرمائیں کیونکہ جمود و تحجر پر مبنی فقہی علم اور مذہبی ذہن علمی و عملی زندگی پر دین کی گرفت کو کمزور کرنے کا باعث بن جاتا ہے اور اسلام کو ایک ایسے دین کے روپ میں متعارف کراتا ہے جو جدید سائنسی حقائق کا سامنا کرنے کی اہلیت سے محروم ہے۔

ایسی فضا میں جب دینی اصولوں کا اطلاق صحیح طور پر نہ کیا جا رہا ہو، ایسا ذہنی و فکری بعد پیدا ہو جاتا ہے جسے ...... (Generation Gap) یعنی قدیم و جدید نسل کے درمیان ایک ذہنی خلیج اور فکری خلاء سے تعبیر کیا جاتا ہے اس خلاء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نام نہاد متجدد دین سامنے آتے ہیں جو اپنے آپ کو نجات دہندہ کے روپ میں پیش کر کے نئی نسل کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ درحقیقت فکری طور پر ملحد و لادین ہوتے ہیں لیکن ظاہراً دین کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور دین کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

مصنف نے اجتہادی بصیرت سے کام لیا ہے، جدید مسائل کا انہیں صحیح ادراک ہے۔ جدید نسل کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات اور ابھرنے والے پیچیدہ سوالات تک پہنچنے کا انہیں ملکہ حاصل ہے اور مسکت، عام فہم اور عام انسانی ذہن (Common Sense) کو قائل کرنے والے (Appealing) جوابات دینے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں عبور عطا کیا ہے گویا ایک ماہر طبیب کی طرح مرض کی صحیح تشخیص بھی کرتے ہیں، اس کا شافی علاج بھی تجویز کرتے ہیں۔ اور ان مسائل کا خالص دینی اور فقہی حل بھی پیش کرتے ہیں۔ میری رائے ہے کسی بھی تفسیر و حدیث اور فقہی کاوش کو اسی میزان پر پرکھ کر اس کا مقام متعین کرنا چاہیے کہ آیا اس میں سابق ائمہ و مجتہدین کی تحقیقات اور اجتہادی کاوشوں پر کیا اضافہ کیا گیا ہے؟ کون کون سے نئے مسائل کو مسلمہ اصولوں پر منطبق کر کے اجتہادی بصیرت سے کام لیا گیا ہے؟ در اصل ایسے علمی کام کو ہی تخلیقی کاوش قرار دیا جا سکتا ہے۔ علامہ سعیدی کی شرح صحیح مسلم کی ہر جلد میں اور ہر اہم مقام پر آپ کو ان کی محققانہ اور مجتہدانہ شان اپنے مرتبہ کمال پر نظر آئے گی۔

اس دوران اہل علم کے لیے ایک نیا تجربہ سامنے آیا۔ وفاقی شرعی عدالت پاکستان کی تشکیل ہوئی اور اس کو یہ اختیار دیا گیا کہ بعض مستثنیات کے علاوہ مروجہ قوانین کی اسلامی حیثیت کو اس میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اس تجربے سے فائدہ اٹھانے کے لیے پاکستان بھر کے تمام فکری ملحدین اور متجددین کمربستہ ہوتے اور "نیا جال لائے پرانے شکاری" کے مصداق وفاقی شرعی عدالت کی "شریعت پٹیشنز" میں اسلامی فقہی احکام کردہ ملاحیاں سنائیں اور دل کی بھڑاس نکال کہ شاید کسی اور فورم پر وہ ایسا کرنے کی جسارت نہ کر سکتے۔ تاہم اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ کہیے کہ ہمارے ادارے کے سربراہ ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری

فتمدطلٰہ اس دور میں بحیثیت جج وفاقی شرعی عدالت سے منسلک تھے اور راقم کے علاوہ بعض دیگر احباب بھی بحیثیت "فقہی مشیر" وفاقی شرعی عدالت کی خواہش پر بعض مسائل میں اپنی فقہی رائے دینے کے لیے پیش ہوتے رہے۔ لہٰذا اس میں خیر کا ایک پہلو یہ نکل آیا کہ ہمارے ملک کے فکری ملحدین اور متجددین کو اسلامی احکام و قوانین پر جو اعتراضات ہیں وہ منظر عام پر آ گئے اور اہل علم کے علاوہ عامۃ المسلمین کو بھی یہ معلوم ہو گیا ان سیکولر عناصر کو اسلام سے کیا کیا پرخاش ہے۔ چنانچہ احباب کے توسط سے یہ تمام اعتراضات علامہ سعیدی صاحب کے علم میں آتے رہے اور علامہ صاحب نے شرح و بسط کے ساتھ اپنی شرح میں متعلقہ مقامات پر ان کے مسکت جوابات تحریر فرما دیئے ہیں۔

جیسا کہ ذکر کر چکا ہوں، علامہ سعیدی صاحب مجتہدانہ بصیرت کے حامل ہیں اور فکری جمود کا شکار نہیں ہیں اور ایسے ہی اہل علم نے تفقہ اور تحقیق کی روش کے تسلسل کو نہ صرف یہ کہ ہر دور میں برقرار رکھا بلکہ اس کو آگے بڑھاتے رہے۔ لیکن اس شانِ حزم و احتیاط کے ساتھ کہ شریعت کے جادۂ مستقیم سے ذرہ بھر بھی نہیں ڈگمگائے اور افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوئے۔ اسی طرح مصنف نے بھی کتاب و سنت، اجماعِ امت، آثارِ صحابہ، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے استمساک کو نہایت ضبط و احتیاط کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی تحریر میں کمال توازن ہے۔ شریعت اسلامی کا اپنا ایک مزاج ہے، اس میں اگر صاحبانِ عزم و استقلال کے لیے رفعتِ کمال کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل ہیں تو عزم و ہمت کی دولت سے عاری حرماں نصیبوں کے لیے بھی اس کے دامانِ رحمت میں عافیت دامان کا وافر اہتمام موجود ہے۔ چنانچہ اس کی تعلیمات میں عزیمت کی کٹھن منازل بھی ہیں اور رخصت کی شاہراہیں بھی ہیں۔ کہیں اس میں رخصت کی گنجائش ہے لیکن عزیمت کو اولیٰ قرار دیا گیا ہے جیسے حالتِ اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کا مسئلہ اور کہیں رخصت کو عزیمت پر ترجیح دی گئی ہے جیسے حالتِ اضطرار میں حرام سے "قوتِ لایموت" کی حد تک غذا حاصل کرنے کا مسئلہ۔

زیرِ مطالعہ شرح صحیح مسلم میں بھی آپ اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے کہ "رویتِ ہلال"، "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" اور "ضبطِ تولید" ایسے مسائل ہیں کہ شارح نے توازن کو پوری شان کے ساتھ قائم رکھا ہے اور جہاں تک شریعت میں رخصت کی گنجائش ہے، مصنف نے اس کا اطلاق کیا ہے، جواز و اباحت کی تمام ممکنہ صورتوں کا احاطہ کر لیا ہے لیکن اس رخصت شرعی کو —— "حدود اللہ" کو توڑنے اور حدود شرع سے تجاوز کرنے کا —— حیلہ بنانے کی تمام راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اسی طرح موسیقی اور ویڈیو وغیرہ سے متعلق مسائل پر تحقیق کرتے وقت مصنف نے کمال احتیاط سے کام لیا ہے کیونکہ یہ فواحش و منکرات کا مُدخَل (Gate Way) ہیں۔ ان کا جہاں تک ممکن ہو سدِّباب کرنا ہی اولیٰ اور منشاءِ شریعت ہے۔ کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن پر قرآن مجید کا یہ ارشاد بطریقِ کمال صادق آتا ہے کہ "اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" یعنی ان کا شر ان کے خیر پر غالب ہے۔

"رجم" کے "حدِ شرعی" ہونے کو ملک کے فکری ملحدین گزشتہ چند برسوں سے ایک متنازعہ اور مختلف فیہ مسئلہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور انھوں نے اس پر اپنے تمام علمی، فکری اور پروپیگنڈے کے وسائل صرف کیے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب نے اپنی شرح میں اس موضوع پر معرکۃ الآراء تحقیق سپردِ قلم فرمائی ہے، جس میں مخالفین و منکرین کے تمام ادلّہ کے مسکت جوابات تحریر فرما دیے ہیں۔ اس عنوان پر اتنا مدلّل و جامع مواد آپ کو ان شاء اللہ پہلی مرتبہ مرتب و منضبط شکل میں ملے گا۔ اسی طرح "عورت کی شہادت" اور "حدود میں عورت کی گواہی" کے مسئلہ پر بھی ان تمام اعتراضات کا جامع اور تشفی بخش جواب قرآن و سنت کی روشنی میں علامہ صاحب نے رقم فرما دیا ہے۔ اب ان مسائل پر ہم بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ الحمد للہ "حجت شرعیہ" کو اس طور سے واضح کر دیا گیا ہے کہ جدید ذہن کے تمام شبہات رفع ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کی ضد، ہٹ اور انا قبولِ

حق میں مانع نہ ہو تو تسلیم خم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ گویا احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا حق علامہ صاحب نے ادا کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن کا یہ ارشاد حدِ فاصل اور معیارِ تمیزِ حق و باطل ہے،

لیهلك من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة۔ یعنی جسے ہلاک ہونا ہے تو واضح دلائل آنے کے بعد ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے تو دلائل حقہ واضح ہونے کے بعد زندہ رہے۔

اہلِ سُنّت کے تعلیمی اداروں اور نظامِ تعلیم میں ایک خامی جو مجھے نظر آرہی ہے اور جس کا اعتراف اور ازالہ از حد ضروری ہے، وہ یہ کہ "تقابلِ مذاہب" اور "تقابلِ ادیان" کا تحقیقی مطالعہ نہیں کرایا جاتا اور نہ ہی اس پر ہمارے طلبہ اور فارغ التحصیل علماء کو کماحقہ عبور حاصل ہوتا ہے، جو اس دور کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عنوان پر کافی و وافی کتب بھی دستیاب نہیں ہیں اسی بناء پر ہمارے طلبہ کو "اہلِ تشیع" کے معتقدات، ان کے اعتقادی و فقہی مراجع و مآخذ پر عبور حاصل نہیں ہوتا۔ علامہ سعیدی صاحب مدظلہ کے مختلف فیہ مسئلے پر تحقیق کے ضمن میں کافی دور تک اور بہت گہرائی میں گئے ہیں۔ کراچی کی تمام علمی لائبریریاں چھان ماری ہیں اور اہلسنت کے جدید علمی سرمایے میں پہلی مرتبہ ایک وقیع اور جامع اضافہ سامنے آیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا علمی سرمایہ (contribution) ہے۔ اس میں گہرائی و گیرائی بھی ہے اور استدلال کی قوت بھی ہے۔ اور اس مسئلے کے ضمن میں ایسے بہت سے دوسرے مسائل کا بھی احاطہ کر لیا گیا ہے جو اہلسنت و اہلِ تشیع کے مابین "مختلف فیہ" ہیں۔

آپ جلد ثانی و ثالث کی فہرست پر ایک نظر ڈالیے آپ کو بہت سے ایسے جدید مسائل ملیں گے جنہیں اس سے پہلے شروح حدیث میں یا تو چھیڑا ہی نہیں گیا یا ایسی جامع و مانع اور سیر حاصل بحث نہیں کی گئی کہ عام پڑھے لکھے قارئین کا ذہن مطمئن ہو جائے اس کی کامل تشفی ہو جائے اور صاحبانِ علم کے لیے تحقیق کی نئی راہیں کھل جائیں مثلاً اعضاء کی پیوندکاری اور پوسٹ مارٹم وغیرہ۔

ایک مجلس میں تین طلاق کے انشاء اور نفاذ کا مسئلہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ کے نزدیک اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے، لیکن اس کے باوجود عالیجناب جسٹس پیر کرم شاہ الازہری مدظلہ ایسے ثقہ عالم دین بھی اس مسئلہ میں متذبذب اور دعوتِ فکر دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ ہماری معلومات کی حد تک انہوں نے خود اپنی اس رائے یا تحقیق کے مطابق باقاعدہ فتویٰ جاری نہیں فرمایا ہے۔ ان کی "دعوتِ فکر" اہلسنت کے پائے ثبات کو تو متزلزل نہ کر سکی، لیکن چونکہ علماء اہلسنت نے اسے نظر انداز کیا اور دلائل حقہ سے اس کا جواب دینے کی زحمت گوارا نہ فرمائی یا انہوں نے اپنے حلقۂ اثر کو مطمئن پا کر اس کی ضرورت محسوس نہ کی، لہٰذا غیر مقلد حضرات نے اس "دعوتِ فکر" کو اپنے حق میں مالِ غنیمت جانا اور نہایت شان و اہتمام کے ساتھ اسے شائع کیا اور خراجِ تحسین بھی پیش کیا۔ علامہ سعیدی صاحب نے پہلی بار پیر صاحب مدظلہ کے تمام اعزاز و اکرام کو قائم رکھتے ہوئے، اس کا مدلل علمی جواب اس شرح میں سپردِ قلم کیا ہے جس میں اس مسئلہ میں ان کے اشکالات کا ازالہ کر دیا ہے اور ان کے علاوہ غیر مقلدین کے دیگر تمام ادلّہ کا بھی تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

اسی طرح "عدالتی طلاق" اور "زوجِ متعنت" (یعنی ایسا ظالم شعار شوہر جو نہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور نہ ہی اسے پاسداریٔ حقوق کے ساتھ اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو۔) کے بارے میں ہمارا جدید فقہی سرمایہ کچھ زیادہ قابلِ رشک نہیں ہے۔ علامہ صاحب نے پہلی مرتبہ اس مسئلے پر جامع اور سیر حاصل بحث کی ہے اور اسے ایک خالص انسانی مسئلہ سمجھتے ہوئے اس کا حل تجویز کیا ہے۔ یہ مسئلہ عرصے سے اہلِ علم اور اربابِ فتویٰ کے لیے دعوتِ فکر بنا ہوا تھا۔ علامہ صاحب نے پہل کی ہے اور ایک شمع روشن کی ہے اب یہ اربابِ فتویٰ کا کام ہے کہ اس کی تائید کریں یا اگر دلائل کی بناء پر انہیں اس سے اختلاف ہے تو اپنا حق ضرور استعمال کریں لیکن

ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں کہ اس انسانی مسئلے کا دینی اور فقہی حل کیا ہے؟۔

تمام جدید مسائل جو اس شرح میں زیر بحث آئے ہیں، اجتہادی مسائل ہیں اور علامہ صاحب کی تحریر ایک محدث، فقیہہ اور مجتہد عصر کی رائے ہے۔ ضروری نہیں کہ سب اہل علم اس سے اتفاق کریں مگر یہ تو تسلیم کریں کہ یہ صحرا و بیاباں میں ایک اذانِ حق ہے۔ نہایت وسعت ظرف کے ساتھ، دلائل حقہ کی بنیاد پر اس سے اتفاق کریں تاکہ امت کے سامنے کم از کم اجماعِ فقہاء کی صورت آجائے یا اگر اختلاف ہے تو علامہ صاحب کے پیش کردہ دلائل کا جواب دیں اور گریز کی بجائے اس مسئلے کا حل تجویز فرمائیں۔

بعض مسائل میں علامہ صاحب سے، ہمارے بعض معتقد اہل علم کے اختلاف رائے کا غائبانہ ذکر تو سننے میں آیا ہے لیکن افسوس ہے کہ کوئی علمی، فقہی اور تحقیقی تردید یا رائے سامنے نہیں آئی یہ بات اس رائے کو تقویت پہنچاتی ہے کہ اختلاف کی بنیاد دلائل و استدلال پر مبنی نہیں ہے بلکہ ذہنی جمود اور غیر مجتہدانہ فکر اس کا باعث ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ عرصے سے مختلف تکلیف دہ امراض کا شکار ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس وقیع علمی کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور اگر صحت اور زندگی نے وفا کی تو شرح صحیح مسلم کی تکمیل کے بعد اور بھی کئی علمی منصوبے ان کے ذہن میں ہیں۔ میں اس کتاب کے قارئین، اس کتاب سے استفادہ کرنے والے اہل علم اور عامۃ المسلمین سے التجا کرتا ہوں کہ وہ علامہ صاحب کی صحت اور درازی عمر کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں خلوص و محبت سے دعا فرماتے رہیں تاکہ نہ صرف یہ کہ یہ عظیم شرح صحیح مسلم پایۂ تکمیل تک پہنچے بلکہ ان کے قلم سے اور بھی کئی معرکۃ الآراء کتب منصۂ شہود پر آسکیں۔

اس کتاب کے پبلیشر سید اعجاز احمد صاحب (مالک فرید بک اسٹال) بھی لائق تحسین ہیں کہ وہ کتاب کی کتابت، طباعت و اشاعت کے تمام مراحل کو سرعت رفتار سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی بڑے جان جوکھوں اور دل گردے کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی مزید صحت اور عزم کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

دارالعلوم نعیمیہ بھی لائق تحسین و آفرین ہے کہ اس ادارے سے علامہ صاحب کی وابستگی کے دور میں یہ وقیع، علمی اور تحقیقی کام تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور الحمد للہ منظر عام پر بھی آرہا ہے۔ ادارے کو بجا طور پر اس پر فخر ہے اور قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی دعاؤں اور نوا ہائے سحر گاہی میں اس ادارے، اس کے اراکین، معاونین، اساتذہ اور طلبہ کو بھی یاد رکھیں تاکہ اس علمی سر چشمے کا فیض جاری رہے، یہ ترقی کی منازل طے کرتا رہے اور اس کی مساعی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مشکور ہوں۔

مخلص

منیب الرحمٰن

۵/فروری ۱۹۹۰ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

آراء و تاثرات

حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری زید شرفہ

(شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاضل جلیل، علامۃ العصر مولانا غلام رسول سعیدی مدظلہ اس دور کے نامور محقق اور متبحر عالم ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں فکر کی بلندی، نظر کی دقت، مطالعہ کی وسعت اور اظہار ما فی الضمیر کی بے پناہ قوت عطا فرمائی ہے، توضیح البیان، ذکر بالجہر اور مقام ولایت و نبوت کے بعد مسلم شریف کی شرح میں ان کے قلم کی جولانیوں کا نیا انداز اور نیا عالم ہے۔

راقم نے شرح صحیح مسلم کے بعض مقامات کا مطالعہ کیا مثلاً "بی بی ٹیسٹ ٹیوب"، "محفل میلاد"، "کوے کی حرمت" وغیرہ، اس سے اندازہ ہوا کہ حضرت علامہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کیا ہے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ شیعہ کتب پر بھی ان کی نظر ہے۔ قدیم مباحث کو انہوں نے بڑی عمدگی سے نکھار کر پیش کیا ہے اور جدید مسائل پر گہرائی میں اتر کر گفتگو کی ہے، البتہ بعض تحقیقات محل نظر ہیں مثلاً داڑھی منڈے کے پیچھے نماز جائز یا ناجائز ہونے کی بحث[1]، ظاہر ہے کہ بے شمار مباحث پر تحقیق کرتے ہوئے کہیں نہ کہیں تسامح ہو ہی جاتا ہے، امید ہے کہ حضرت علامہ ایسے مقامات پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ مجموعی طور پر ان کی کوشش اور محنت لائق صد تبریک ہے مولائے کریم جل مجدہ ان کے علم، عمل اور عمر میں برکتیں عطا فرمائے اور جلد اس شرح کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ امید کی جانی چاہیے کہ وہ شرح صحیح مسلم مکمل کرنے کے بعد قرآن پاک کی تفسیر کی طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری

۳۰ - ۱۱ - ۸۹

---

[1] مصنف نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں لکھا ہے کہ داڑھی منڈانا فسق ظنی ہے اور جس شخص کا فسق ظنی ہو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا حسب تصریحات فقہاء مکروہ تنزیہی ہے مصنف کے نزدیک مطلقاً داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی منڈانا مکروہ تحریمی ہے اور ایک مشت داڑھی رکھنا واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے بلکہ سنت غیر مؤکدہ یا مستحب ہے کیونکہ ایک مشت کے وجوب یا سنت مؤکدہ کے ثبوت کے لیے یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشت داڑھی رکھنے کا امر فرمایا ہو اور یہ ثابت نہیں ہے یا آپ نے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے پر کوئی وعید فرمائی ہو اور یہ بھی ثابت نہیں ہے۔ جن احادیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم ہے ان میں ایک مشت کی قید نہیں ہے اور مطلقاً داڑھی بڑھانا واجب نہیں ہے، کیونکہ آپ سے کاٹنا بھی ثابت ہے، اس کی تفصیل ان شاء اللہ کتاب اللباس میں آئے گی۔ ۱۲ منہ

حضرت علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری زید مجدہ

(شیخ الحدیث دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور)

ذوالمجد والکرم حضرت علامہ سعیدی صاحب دامت فیوضاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ـــــــ مکتوب گرامی باعث نواز ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ۔ کچھ عرصہ قبل "شرح صحیح مسلم" جلد ثانی میری نظر سے گزری تو اسے طرزِ استدلال، کثرتِ دلائل، اندازِ تفہیم، عصری مسائل پر سیر حاصل ابحاث، معاصرین کے تعاقب، سلاست و روانی، دقتِ نظر اور ندرتِ فکر کے اعتبار سے ممتاز و منفرد پایا ـــــــ نیز اکثر تحقیقات کو حضرت فقیہ اعظم (قدس سرہ العزیز) کی تحقیقات (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) کے قریب تر پایا۔ یوں اس کتاب کی وقعت میری نظر میں اور بڑھ گئی۔ اب تیسری جلد دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ اتفاقاً لاہور جانا ہوا وہاں سے جلد ثالث حاصل کی، فہرست مسائل میں "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا مسئلہ سامنے آیا۔ چونکہ ان دنوں پاکستان میں تازہ تازہ یہ تجربہ کامیاب ہو چکا تھا لہٰذا خواص و عوام میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا سوچا کہ یہ دقیع تحقیق "نور الحبیب" میں چھاپ دی جائے۔ کاپیاں پریس جا رہی تھیں فوراً یہ مضمون فوٹو کرا کے شامل کر دیا گیا اور عجلت کی بناء پر وضاحتی نوٹ اور شرح صحیح مسلم کا حوالہ رہ گیا۔ جس پر بے حد معذرت خواہ ہوں۔ اگرچہ آپ سے مشافہتہً ملاقات نہیں ہوئی تاہم ایک قلبی رابطہ ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ کم و بیش دس پندرہ برس سے آپ کے گرانمایہ مضامین دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے تبلیغی رسائل کی زینت بن رہے ہیں۔

عصری مسائل پر آپ کی جرأت مندانہ تحقیقات ان شاء اللہ تعالیٰ راہ نوردانِ تحقیق اور تشنگانِ علم و فکر کے لیے خضر راہ ثابت ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

کاش ہمارے علماء کرام اجتہاد و استنباط کی اہمیت کو سمجھیں اور تکبیر کا فقیر بن کر جمود و تعطل کا شکار نہ رہیں۔

والسلام

محمد محب اللہ نوری

۲۵ - ۸ - ۸۹

WWW.NAFSEISLAM.COM

علامہ خالد محمود زیدمجدہ

(شیخ الحدیث قمر الاسلام، کراچی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "اے لوگو! آگاہ رہو یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ مجھے صلاح و فلاح انسانیت کی غرض سے قرآن کریم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب مقدس جیسی تعلیمات الگ سے عطاء کی گئی ہیں۔" اس سے اگلی روایت میں یہی بات مزید وضاحت کے ساتھ یوں ہے: "خبردار! میں نے کئی چیزوں کا حکم دیا، کئی کے بارے میں رغبت دلائی، کئی سے منع فرمایا بے شک وہ قرآن پر لازم اور واجب الاتباع ہونے کے لحاظ سے بھی قرآن ہی کی مثل بلکہ اس سے زائد ہیں۔"

انہی پاکیزہ تعلیمات اور اوامر و نواہی کو حدیث نبوی کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف کی اس وقعت و اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے شروع سے لے کر آج تک بڑی جگر کاویوں، نہایت جانفشانیوں کے ساتھ اس کی خدمت اور حفاظت کی ہے اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک رہے گا۔ حدیث شریف کے حصول و جمع، تدوین و ترتیب، تحقیق و تدقیق اور تفحص و تجرید میں ہمارے اسلاف علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جس ذوق و شوق، عقیدت و محبت اور والہانہ لگن سے کام لیا ہے، اس کی نظیر و مثیل باقی دنیائے علم کی تاریخ میں نظر نہیں آتی، نہ آسکتی تھی اور نہ آسکے گی۔ رشد و ہدایت اور دینی و دنیوی فوز و فلاح کے اس بحر زخار میں حضرات محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے دور میں بھرپور عوامی اور انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کی راہنمائی کے لیے بے شمار گہر ہائے آبدار مہیا فرمائے۔ اسی سلسلۂ زرنگار کی ایک کڑی علم حدیث کی انتہائی بلند پایہ کتاب "صحیح مسلم" کی وہ اردو شرح ہے جو فی الواقع ممتاز سکالر علامہ غلام رسول سعیدی کی تصنیف ہے۔

فرماتے ہیں "اس کتاب میں اسلام کی حقانیت اور اہل سنت و جماعت کے اعتقادی نظریات پر ٹھوس دلائل پیش کیے ہیں۔ فقہاء اربعہ کے مسالک کو ان کی اصل کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے اور فقہ حنفی جو فی الواقع وحی الٰہی اور مزاج رسالت سے قریب تر اور سب سے زیادہ خوف خدا، دقت نظری اور احتیاط کی حامل ہے۔ اس کی ان خصوصیات کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ جو مسائل حاضرہ اس کتاب کے ابواب کے مناسب تھے ان کو شرح و بسط سے ذکر کیا ہے۔ کسی موضوع پر بھی لکھتے وقت میں نے گروہ بندی میں فکر کو ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ کتاب و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے وہ معروضی انداز میں لکھا ہے کسی شخص یا کسی مکتب فکر کے خلاف غیر سنجیدہ یا غیر شائستہ زبان استعمال نہیں کی اور کسی موقع پر بھی احترام انسانیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔"

حضرت مصنف نے عہد حاضر کے جن جدید مسائل پر سیر حاصل تحقیقی گفتگو کی ہے، ان میں چند ایک یہ ہیں، ریل گاڑی، ہوائی جہاز اور بحری جہاز میں نماز، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ۔ ہاؤس بلڈنگ کارپوریشن کے قرضہ جات اور ایسے دیگر میعادی قرضوں کے وجوب زکوٰۃ پر اثرات، عطیہ و انتقال خون، اعضاء کی پیوندکاری، پوسٹ مارٹم، وی۔ سی۔ آر وغیرہ۔

شرح کو وقیع بنانے کے لیے انھوں نے جو عرق ریزی کی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے متعلقہ تمام کتب کا معروضی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ معاصر علماء کرام سے علمی مذاکرات کر کے حقیقت کے رُخ زیبا کی نقاب کشائی کی ہے اسی طرح انھوں نے جدید مسائل میں متعلقہ محکمہ جات کے ماہرین اور ارباب بست وکشاد سے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو محیط معلومات حاصل کر کے قلم اٹھایا ہے۔

کتاب اگرچہ انتہائی علمی مباحث پر مشتمل ہے تاہم حضرت مصنف نے سلاست و فصاحت کے ساتھ ساتھ زبان کو انتہائی سادہ اور آسان رکھا ہے چنانچہ یہ تصنیف لطیف جتنی مفکرین و محققین، اساتذہ و سکالرز کے مفید بلکہ ضروری ہے منتہی طلبہ اور اُردو دانوں کے لیے بھی اتنی ہی نافع ہے۔

خالد محمود
۱۵-۴-۸۹

مولانا محمّد عالم مختار حق زید مجدہ (لاہور)

مکرمی و معظمی جناب سعیدی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج شریف!

سب سے پہلے میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے صحیح مسلم کی شرح کر کے ایک بہت بڑے علمی خلاء کو پورا کیا ہے۔ جزاک اللہ تعالیٰ، اس شرح کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے اس شرح میں ان مسائل کا حل پیش کیا ہے جن کا جواب عام فقہی کتابوں میں نہیں ملتا، یا علماء کرام تقلید جامد کے پیش نظر ان مسائل پر قلم اُٹھاتے ہوئے گھبراتے ہیں یا اپنے آپ میں ایسے مسائل کو حل کرنے کا ملکہ نہیں پاتے، اس سلسلہ میں آپ نے ہمت مردانہ سے کام لے کر اپنی خداداد قابلیت سے ان مسائل کے حل میں اپنی ژرف نگاہی سے کام لیا یہ آپ ہی کا حق تھا ورنہ علماء کرام تو اس کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں، میں نے جلد دوم کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے اور میں علی وجہ البصیرت یہ کہہ سکتا ہوں کہ اردو زبان میں اس قسم کی مثال اس سے پہلے موجود نہیں ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

محمد عالم مختار حق
۳-۷-۸۹

حضرت علامہ قاری ظہور احمد فیضی زید مجدہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

حقیقت یہ ہے کہ شرح صحیح مسلم کی مکمل خوبیوں کا احاطہ اس کا مطالعہ کئے بغیر نہیں کیا جا سکتا تاہم ہماری دانست میں اس کتاب کی جو سب سے اہم خوبی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے قاری کو مرعوبیت سے نکالتی ہے اور جرأت و عزیمت بخشتی ہے اس کو پڑھنے سے اقوالِ فاسدہ اور شخصیت پرستی سے نجات ملتی ہے اور قرآن و سنت کی اطاعت اور سلفِ صالحین کے اقوالِ صحیحہ کی اہمیت پیدا ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اہلسنت کے دلوں میں بفضلہٖ تعالیٰ ادب و تعظیم کی سعادت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ہمارے ہاں ادب و تعظیم کی تلقین بھی زیادہ کی جاتی ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ ادب و تعظیم کے بغیر کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ لیکن بدقسمتی سے بعض نادان لوگ بزعم خویش اتنے باادب بننے لگے اور ادب و تعظیم میں ان سے اس قدر مبالغہ ہوا کہ وہ شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ حتیٰ کہ بعض اکابرین کے بارے میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان سے (تحریری یا تقریری) کسی قسم کی غلطی نہ ہوئی نہ ہوتی ہے۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر ہر بشر سے کوئی نہ کوئی غلط لفظ، فکر و سوچ کی غلطی اور خطا واقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں، اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ کالعدم نہیں، پھر سلف صالحین و ائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر ایک کا قول لیا بھی جاتا ہے اور مردود بھی قرار دیا جاتا ہے سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کے۔ (فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳) میزان الاعتدال میں علامہ ذھبی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے (ج ۲، ص ۸۷) علامہ سعیدی دام فیوضہ کو اللہ تعالیٰ دارین کی خیر عطا فرمائے انہوں نے شرح صحیح مسلم میں بلکہ اعلیٰ حضرت کی اتباع کرتے ہوئے بڑے مہذب و شائستہ انداز سے ایسے بے ڈھنگے ادب کی بیخ کنی فرمائی اور اہلسنت کو پھر سے شخصیت پرستی سے نجات دلائی۔ اور انہیں یہ باور کرا دیا کہ کسی بھی بڑی شخصیت سے علمی اختلاف کرنا اور دلائل قویہ کے ساتھ اس کے ضعیف، مرجوح یا باطل و مردود قول کو ترک کر دینا اس بزرگ کی بے ادبی نہیں بلکہ شخصی قول کے مقابلہ میں قرآن و سنت اور اجماع امت کی حاکمیت کا برقرار رکھنا ہے اس میں کسی بڑی شخصیت کی بے ادبی سمجھنا قرآن و سنت کی حاکمیت کا انکار ہے۔

ترمذی شریف "باب ماجاء فی التمتع" میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک نے حج تمتع کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا جائز ہے۔ اس نے کہا آپ کے والد گرامی حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے منع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے باپ نے اس سے روکا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا۔ بتلائیے! میں باپ کے حکم کی اتباع کروں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی، اس شخص نے کہا بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم

کی۔ فرمایا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اسے یقیناً کیا ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۲) سبحان اللہ! اسے دین پرستی کہتے ہیں۔ شرح مسلم میں جہاں بھی کہیں کسی بڑی شخصیت سے اختلاف کیا گیا یا ان کے قول کو باطل قرار دیا گیا تو اسی پاکیزہ جذبہ کے تحت اگر اس دینی جذبہ کو شخصیت پرستی پر قربان کر دیا جاتا تو آج دینِ اسلام اپنی اصل شکل میں ہمارے سامنے قطعاً موجود نہ ہوتا۔ اگر اقوالِ باطلہ کا رد کرنا بے ادبی قرار دیا جائے تو اقوالِ صحیحہ پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً بہارِ شریعت حصہ ۱۶ ص ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ جو بدھ کے دن ناخن ترشوائے وسواس و خوف نکلے گا اور امن و شفا آئے گی۔ اور فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۷ میں ہے کہ بدھ کے دن ناخن تراشنے سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح بہارِ شریعت حصہ ۴ ص ۲۸ میں ہے خوش خواں (خوش آواز) کو امام بنانا نہ چاہیئے بلکہ درست خواں کو امام بنائیں جبکہ فتاویٰ رضویہ میں خوش آوازی کو مرجحاتِ امامت سے شمار کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۱۸۱) اسی طرح مفتی مظہر اللہ دہلوی نے فتاویٰ مظہریہ ص ۸۹۔ ۲۸۸ میں انگریزی دواؤں کا استعمال جائز لکھا ہے اور فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۵ میں انگریزی دواؤں کو ناجائز لکھا ہے بتلایئے کس قول پر عمل کیا جائے؟ شرح صحیح مسلم کے مطالعہ سے قبل جب ہم لکیر کے فقیر تھے تو ایسے متضاد اقوال کو پڑھ کر پریشان ہو جاتے تھے کہ کس ہستی کے قول کو حق مانا جائے۔ اور کس کو ناحق۔ شرح صحیح مسلم کے پڑھنے سے حق تعالیٰ نے ایسی روشنی عطا فرما دی کہ اب یہ تمیز حاصل ہو گئی کہ ایسے تمام متضاد اقوال میں راجح اور مرجوح اور حق و باطل کا فرق سمجھ آجاتا ہے۔ ورنہ اس سے قبل ہمارے ذہنوں پر مرعوبیت و شخصیت پرستی کے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے شرح صحیح مسلم کی صورت میں ہمیں عظیم نعمت عطا فرمائی۔

آج کل فرید العصر و وحید الدھر عمدۃ المفسرین رئیس المحدثین نابغہ روزگار حضرت علامہ سعیدی دام فیوضہ تفسیر قرآن لکھنے میں مصروف ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل صحت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ یہ تفسیر پوری کر سکیں اور اہلسنت کے لئے اس قسم کی دیگر وقیع تصانیف تحریر کر سکیں۔ آمین۔

والحمد للہ اولاً و آخراً والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ دائماً ابداً

از قلم، ظہور احمد فیضی

خطیب جامع مسجد "الف"، کھارادر کراچی

۵ صفر، ۱۴۱۷ھ / ۲۲ جون ۱۹۹۶ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب العتق

عتق کا لغوی معنی

امام لغت سید محمد مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں عتق کے متعدد معانی ہیں، کرم، جمال، شرف و نجابت اور حریت کہا جاتا ہے " عتق العبد فلان " فلاں شخص نے غلام آزاد کر دیا۔ [1]

عتق کا اصطلاحی معنی

کسی شخص میں ایسی قوت حکمیہ نافذ کرنا جس کی وجہ سے وہ اپنی اور کسی اور کی مالکیت کا اہل ہو اور اپنے نفس کا اور غیر کا ولی ہو سکے، شہادت دے سکے، دوسری چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو اور اپنے نفس سے غیر کے تصرف کو دور کر سکے۔ [2]

غلام کی تعریف

غلام وہ شخص ہوتا ہے جو غیر کا مملوک ہو، اس میں مالکیت اور ولایت کی اہلیت ہوتی ہے نہ شہادت کی اور وہ از خود کسی چیز میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا، نہ اپنے نفس میں نہ غیر میں۔

غلامی کے اسباب

غلامی کا ایک[1] سبب ہے کسی شخص کا نسلاً غلام ہونا۔ دوسرا[2] سبب ہے میدان جہاد میں جو کافر قید کیے گئے ان کے مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندیاں بنانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور غلامی سے باغی اور منحرف تھے اس لیے بطور سزا کے انھیں اللہ کے بندوں کا غلام بنا دیا گیا، پھر جب امیر لشکر انھیں مجاہدین میں تقسیم کرے گا تو یہ جن مجاہدین کے حصہ میں آئیں گے ان کے شخصی غلام قرار پائیں گے، اسی طرح میدان جنگ میں پکڑی جانے والی عورتیں جن کے حصہ میں آئیں گی ان کی باندیاں ہوں گی یا مال غنیمت کا جو پانچواں حصہ بیت المال روانہ کیا جائے گا اس حصہ میں سے سلطان جس شخص کو جو قیدی تقسیم کرے گا وہ اس کے غلام اور باندیاں ہوں گے، اگر تقسیم سے پہلے کسی شخص نے کسی قیدی مرد یا عورت کو پکڑ لیا تو وہ اس کے غلام اور باندی نہیں ہوں گے۔ تیسرا[3] سبب یہ ہے کہ کسی شخص سے غلام یا باندی کو خرید لیا جائے، چوتھا[4] سبب ہے ان کا ہبہ اور پانچواں[5] سبب ہے ان کی وراثت۔

اسلام نے سب سے پہلے غلامی کے خاتمہ کے لیے قانون بنائے

اسلام کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے انسانوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز قرار دیا ہے، حالانکہ یہ فعل اخلاق اور انسانیت دونوں کے خلاف ہے۔ یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ اسلام

---

[1] ۔ امام لغت سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس شرح القاموس ج ۷، ص ۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ۔

[2] ۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، عالمگیری ج ۲ ص ۲ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔

سے پہلے دنیا میں یہ عام چلن تھا کہ آزاد انسان کو کوئی شخص پکڑ کر کہیں بیچ ڈالتا تھا اور خریدنے والا اس کو غلام بنا لیتا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اس کی واضح مثال ہے۔ اسی طرح جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کو غلام اور باندیاں بنانے کے سوا اور کوئی صورت نہیں تھی، انسانیت پر اس ظلم کے خلاف سب سے پہلے اسلام نے قانون بنایا اور آزاد انسان کی بیع کو حرام کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت کے دن میں تین شخصوں سے جھگڑا کروں گا ایک وہ شخص جس نے میرے نام سے عہد کر کے عہد شکنی کی، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور سے مزدوری کرانے کے بعد اس کو اجرت نہیں دی[1] اسی طرح جنگی قیدیوں کو پہلے صرف غلام بنایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کے علاوہ تین اور صورتیں بیان کیں (ا) جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے۔ (ب) مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں ان کو رہا کر دیا جائے۔ (ج) ان پر احسان کر کے بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔

قرآن مجید نے غلام اور باندیوں کے لیے " ما ملكت ايمانكم " کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی جن کو تم نے اپنے زور بازو سے اپنا مملوک بنایا ہے اور محض زور بازو سے قبضہ کی جائز صورت صرف جہاد ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

يا يها النبي انا احللنا لك ازواجك التي اتيت اجورهن وما ملكت يمينك مما افاء الله عليك (احزاب: ۵۰)

"اے نبی ہم نے آپ پر آپ کی بیویوں کو حلال کر دیا ہے جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں اور آپ کی باندیوں کو آپ پر حلال کر دیا ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کے ذریعہ عطا کی ہیں" اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کافر جہاد میں قید ہو کر مال غنیمت سے تقسیم کیے جائیں صرف انہیں کو لونڈی یا غلام بنایا جاتا ہے اور یہ بھی اس صورت میں مباح کیا گیا ہے جب فریقین میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کا رواج نہ ہو، اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے قوانین اور ترغیبات

جس وقت مذہب اسلام کا ظہور ہوا دنیا میں غلامی کا رواج بہت زیادہ تھا، اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے مختلف طریقے مشروع کیے اور غلام کے آزاد کرنے کو متعدد غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ قرار دیا مثلاً اگر کوئی شخص قسم کھا کر توڑ دے تو اس کے کفارے کی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الايمان فكفارته اطعام عشرة مسكين من اوسط ما تطعمون اهليكم او كسوتهم او تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام ذلك كفارة ايمانكم اذا حلفتم (مائدہ: ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری پختہ قسموں (کی خلاف ورزی) پر مواخذہ کرے گا۔ اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر انہیں توڑ دو"

اسی طرح ظہار کے کفارے میں بھی ایک صورت غلام کو آزاد کرنا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے: والذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحرير رقبة من قبل ان يتماسا۔ (مجادلہ: ۳)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو اپنی ماؤں سے تشبیہ دے بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ مباشرت

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

سے پہلے ایک غلام آزاد کریں۔۔۔۔ اور جس کو غلام میسر نہ ہو وہ مباشرت سے پہلے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔"

اسی طرح احادیث صحیحہ میں روزے کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے مسلسل روزے بیان کیا گیا ہے۔[1] اگر کوئی شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے (مثلاً ٹریفک کے حادثہ میں ڈرائیور کی غلطی سے کوئی راہ گیر مارا جائے) تو اس کا کفارہ بھی غلام کو آزاد کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے: ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة الی اهله (نساء: ۹۲) "جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے اور اس کے وارثوں کو دیت بھی ادا کرنا ہے۔" اور اگر مسلمان نے کسی غیر معاہد کافر ملک میں رہنے والے مسلمان کو قتل کر دیا تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے: فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبة مؤمنة (نساء: ۹۲) "اور اگر مقتول تمہارے دشمن ملک کا رہنے والا ہے اور وہ مقتول خود مومن ہے تو اس کا کفارہ صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔" اور اگر کسی کافر معاہد ملک کے رہنے والے شخص کو کسی مسلمان نے غلطی سے قتل کر دیا تو اس کا کفارہ بھی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے: وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله وتحریر رقبة مؤمنة فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین (نساء: ۹۲) "اور اگر مقتول اس ملک کا رہنے والا ہو جس کے ساتھ تمہارا صلح کا معاہدہ ہے تو مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنا لازم ہے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا لازم ہے اور جس کو غلام نہ مل سکے وہ دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔"

اسی طرح قرآن اور سنت میں غلام کو آزاد کرنے کی ترغیبات بھی دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما ادراك ما العقبة ○ فك رقبة ○ او اطعام فی یوم ذی مسغبة ○ یتیما ذا مقربة ○ او مسکینا ذا متربة ○ (بلد: ۱۱-۱۶) "تمہیں کیا پتا کہ دین کی دشوار گزار راہوں پر چلنے کا کیا طریقہ ہے؟ (وہ طریقہ:) غلام کو آزاد کرنا ہے، قحط کے ایام میں بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یا کسی رشتہ دار یتیم کو کھلانا ہے یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة قال قال النبی صلی الله علیه وسلم ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ الله بکل عضو منه عضوا منه من النار۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو آگ سے آزاد کر دے گا۔

مسلمانوں کے غلام آزاد کرنے کی چند مثالیں

مسلمانوں نے بکثرت غلام آزاد کیے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے نجم وہاج سے نقل کر کے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ۔

[2] ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۲

علیہ وسلم نے تریسٹھ[۶۳] غلام آزاد کیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہتر[۶۹] غلام آزاد کیے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی بکثرت غلام آزاد کیے، حضرت عباس نے ستر غلام آزاد کیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف دورانِ محاصرہ بیس غلام آزاد کیے۔ حضرت حکیم بن حزام نے ایک سو[۱۰۰] غلام آزاد کیے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار غلام آزاد کیے، ذوالکلاع حمیری نے ایک دن میں آٹھ ہزار غلام آزاد کیے اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے تیس[۳۰] ہزار غلام آزاد کیے[۱]

اسی طرح دیگر صحابہ و تابعین اور بعد کے مسلمان نجات اور اُخروی ثواب کے شوق میں مسلسل غلام آزاد کرتے رہے تا آنکہ غلامی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

اسیرانِ جنگ کے بارے میں اسلام کی ہدایات

ہر چند کہ اسیرانِ جنگ کو غلام بنانا جائز ہے لیکن اسلام میں جنگی قیدیوں کے بارے میں دو صورتیں اور بھی ہیں، قرآن مجید میں ہے: فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب ط حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا (محمد: ۴) "جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو، پھر یا تو ان پر محض احسان رکھ کر ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دو"۔

ائمہ ثلاثہ، امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس آیت کے مطابق قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور مال کے بدلہ میں یا جنگی قیدیوں سے تبادلہ میں ہر طرح چھوڑ دینا جائز ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ آیت: فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ: ۵) "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" سے منسوخ ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی جنگی قیدیوں کو قیدیوں سے تبادلہ میں یا بلا معاوضہ چھوڑ دینا جائز ہے، اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور اس طرح یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں، اگر جنگی قیدی اسلام قبول نہ کریں تو امیر چاہے تو ان کو قتل کر دے، یا ان کو غلام بنالے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دے، یہ حکم مشرکین عرب اور مرتدین کے ماسوا میں ہے، اور قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا حرام ہے، امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاما منا بعد واما فداء۔ "ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت: فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" سے منسوخ ہے (شرح مجمع) اسی طرح جنگ کے ختم ہونے کے بعد ان سے فدیہ لے کر انھیں چھوڑنا بھی حرام ہے البتہ جنگ کے اختتام سے پہلے مال کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے لیکن مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے (درر و صدر الشریعۃ) امام محمد اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ سے بھی یہی روایت زیادہ ظاہر ہے (شمنی)[۲]۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ خیلی نے ذکر کیا ہے کہ سیر کبیر میں لکھا ہے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جنگی قیدیوں کو فدیہ کے بدلے میں چھوڑ دینا جائز ہے اور ان سے منقول دو روایتوں میں یہی زیادہ ظاہر

---

[۱]۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح العلام شرح بلوغ المرام ج ۲ ص ۳۳۲۔

[۲]۔ علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۷۔ ۳۱۶ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

روایت ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ امام محمد اور امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے دو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک مشرک کو چھوڑ دیا اور مکہ میں قید کیے جانے مسلمانوں کے بدلہ میں ایک عورت کو چھوڑ دیا، (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ فدیہ لے کر قیدی چھوڑنا حرام ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے جبکہ مال کی ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ کے عوض بھی جنگی قیدی چھوڑنا جائز ہے، اور مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں چھوڑنا بھی جائز ہے۔[1]

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ "فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" کا حکم جنگی قیدیوں سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ان کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت "فاما منا بعد واما فداء" کے لیے ناسخ نہیں ہے۔[2] لہٰذا جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ چھوڑ دینا اور قیدیوں سے تبادلہ میں رہا کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی مشروعیت کا سبب

غلاموں کے بارے میں اسلام نے جو احکام دیے ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص پر یہ واضح ہو گا کہ اسلام کی نظر میں انسان کو انسان کا غلام بنانا ایک ناپسندیدہ فعل ہے، چونکہ بعثت سے پہلے جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا ایک عام دستور تھا اور قیدیوں کے تبادلہ میں یا انھیں احسانًا رہا کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لیے اسلام نے قیدیوں کے غلام بنانے کو اباحت کے درجہ میں جائز رکھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو اور صورتیں بھی بیان کر دیں کہ مال کے بدلہ میں یا مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کر دیے جائیں یا بطور احسان بلامعاوضہ جنگی قیدی چھوڑ دیے جائیں۔ اس سلسلے میں تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام بنایا ہو تو مسلمانوں کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ کافر ملک کے جنگی قیدیوں کو غلام بنا لیں کیونکہ "جزاء سیئة سیئة مثلها (شوریٰ: ۴۰)" اور برائی کا بدلہ تو اسی کی مثل برائی ہے" اور اگر کافر ملک نے مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بنایا ہو بلکہ انھوں نے مسلمانوں کو قید کر رکھا ہو اور ان کی رہائی کے عوض وہ اپنے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کریں تو تبادلہ میں جنگی قیدی چھوڑ دینے چاہئیں، اور اگر کافروں نے ہمارے قیدیوں کو تبرعًا بلامعاوضہ چھوڑ دیا ہو تو ان کی بہ نسبت مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے ہم زیادہ لائق ہیں۔ اس لیے ایسے موقع پر ہمیں بھی ان کے قیدیوں کو احسانًا اور تبرعًا بلامعاوضہ چھوڑ دینا چاہیے، اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی عام اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو ایک خاص ضرورت میں بوجہ مجبوری جائز کیا گیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل اور تحقیق کتاب الجہاد (جلد خامس) میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے فوائد اور ثمرات

پہلی چیز تو یہ ہے کہ جب کوئی جنگی قیدی غلام بن کر کسی مسلمان کے پاس رہے گا تو اس کو مسلمانوں کے مکارم اخلاق کو دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ قید خانہ کی ہولناک اذیتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا غلام بن کر رہنا کہیں بہتر ہے، کیونکہ اسلام نے غلاموں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کرنے کے

[1] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۷-۳۱۶ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ۔

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۲۱ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بعد غلامی کا صرف نام رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمسکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء ۱ ۳۶) ۔
ماں باپ، قرابت داروں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں، رفقاء مجلس، مسافروں اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت کر دیا ہے، پس جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو وہ اس کو وہ چیز کھلائے جس کو وہ خود کھائے اور وہ کپڑے پہنائے جن کو وہ خود پہنے اور ان کو ان کی قوت برداشت سے زیادہ مکلف نہ کرے [۱] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے غلاموں کی اپنی اولاد کی طرح عزت اور توقیر کرو اور ان کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان کو مکلف نہ کرو اگر ان کو کوئی مشکل کام سونپو تو اس میں ان کی مدد کرو [۲] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا پیٹے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے [۳] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے جاتے وقت نماز کے بعد اگر کسی کی فکر تھی تو وہ لونڈیوں اور غلاموں کی تھی، رفیق اعلیٰ سے وصال کے وقت جو آخری کلمہ آپ کی زبان پر تھا وہ یہی تھا "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم [۴]" نماز اور لونڈی غلام! کسی مسلم معاشرہ میں جب کوئی کافر غلام مسلمانوں کو ان احکام پر عمل کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ یقیناً اسلام سے متاثر ہوگا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ لوگوں کا اسلام سے دور رہنا اور اسلام کو قبول نہ کرنا زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے احکام سے ناواقف ہوتے ہیں اور جب کسی کافر شخص کو غلام ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ مسلمانوں کے مثالی معاشرہ کا مطالعہ کرے گا اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سے آگاہ ہوگا تو وہ اپنے کفر پر قائم نہ رہ سکے گا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بکثرت کافر غلام مسلمان ہو گئے، اور یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور ترغیبات کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی شخص کو ہمیشہ اپنی غلامی میں نہیں رکھتا اور جلد یا بدیر اس کو بالآخر آزاد کر دیتا ہے۔

اس بحث کے تمام عنوانات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسلام نے لونڈیوں اور غلاموں کو فروغ نہیں دیا، بلکہ اسلام نے ایسی ہدایات دی ہیں جن پر عمل کرنے سے بتدریج غلامی ختم ہو جاتی ہے اور فی الواقع دنیا میں اسی طرح ہوا، رہا جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کے جواز کا معاملہ تو وہ اس زمانہ کے حالات کی وجہ سے تھا جنگی قیدیوں کو غلام بنانا لازم اور واجب نہیں ہے بلکہ چار مباح صورتوں (جزیہ لے کر آزاد کرنا، بلا معاوضہ رہا کرنا، معاوضہ لے کر رہا کرنا اور غلام بنانا) میں سے ایک صورت ہے اور اب چونکہ تمام دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور اسلام باقی مذاہب کی بہ نسبت مکارم اخلاق اور حقوق انسانیت کا زیادہ محافظ ہے اس لیے اب اسلام میں اس کے جواز کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جن حالات میں اسلام نے غلام بنانے کی اجازت دی تھی اب مہذب دنیا میں وہ حالات نہیں رہے۔

---

[۱] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ
[۲] امام ابو عبد اللہ یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۶۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[۳] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۴۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[۴] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۴۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

کیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قابل اعتراض ہے؟

عام طور سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر نکاح کے رنڈیوں سے مباشرت کرنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے حالانکہ اسلام میں اس کو روا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے بعد بیویوں سے مباشرت کرنا اور ان کے جسم پر خواہی نخواہی مالکانہ تصرف کرنا کیونکر اخلاقی فعل ہو گیا؛ نکاح کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک عورت خود یا اس کا وکیل کہے کہ میں اس شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود کو یا اپنی موکلہ کو نکاح میں دیتا ہوں اور مرد کہے میں نے قبول کیا، اور امام مالک کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے کسی مجمع عام میں ایجاب و قبول کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ آخر ایجاب و قبول کے ان کلمات میں کیا تاثیر ہے کہ ایک عورت بالکلیہ مرد پر حلال ہو جاتی ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ محض ایجاب و قبول سے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حلال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اس خاص صورت میں عورتوں کو مردوں پر حلال کر دیا ہے ورنہ تنہائی میں اگر عورت اور مرد ایجاب و قبول کے یہی کلمات کہہ لیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال نہیں ہیں بلکہ نکاح کے بعد بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا مطلقاً حلال نہیں ہے۔ حیض اور نفاس کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیوی سے مباشرت کی اجازت نہیں دی ہے اس لیے ان ایام میں بیوی سے مباشرت کرنا مرد کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ عورت کے مرد پر حلال ہونے کا سبب نکاح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نکاح کی صورت میں اجازت دے تو بیویاں شوہروں پر حلال ہو جاتی ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ملک یمین کی صورت میں اجازت دے تو باندیاں مالکوں پر حلال ہو جاتی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ قابل اعتراض نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہ بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کو مالکوں پر حلال کر دیا ہے۔ بشرطیکہ اس کا شرعاً باندی ہونا صحیح ہو جسے ہم نے "غلامی کے اسباب" کے تحت بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔ (نساء: ۳)

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی پر قناعت کرو یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو۔

والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم۔ (نساء: ۲۴)

دوسروں کی بیویاں تم پر حرام ہیں البتہ تمہاری باندیاں تم پر حرام نہیں ہیں۔

والذین ھم لفروجھم حافظون ۰ الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۰ (مؤمنون: ۵-۶)، (معارج: ۳۰)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے مباشرت کرنے میں ان پر ملامت نہیں ہے۔

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک۔

اے نبی! ہم نے آپ پر آپ کی بیویوں کو حلال کر دیا ہے جن کا آپ مہر ادا کر چکے ہیں، اور آپ کی باندیوں کو آپ پر حلال کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال غنیمت کے ذریعہ

(احزاب، ۵۰) عطا کی ہیں۔

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن الا ما ملكت یمینك۔

(احزاب: ۵۲)

ان (ازواج مطہرات) کے بعد اور عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال نہیں، نہ ان بیویوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے نکاح آپ کے لیے جائز ہے خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو، البتہ جو باندیاں آپ کی ملک میں آئیں وہ آپ پر حلال ہیں۔

قرآن مجید کی ان آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے باندیوں سے مباشرت کی اجازت دی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد منکوحہ بیوی مرد پر حلال ہو جاتی ہے اور اس سے مباشرت کرنا قابل اعتراض نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد مملوکہ باندی بھی مرد پر حلال ہو جاتی ہے اور اس سے مباشرت کرنا بھی کسی طور سے لائق اعتراض نہیں ہے۔

اسلام میں غلاموں اور باندیوں کی جو حیثیت رکھی گئی ہے ایک طبقہ کی طرف سے اس پر مسلسل اعتراض کیے جاتے رہے ہیں اور کہا جاتا رہا ہے کہ انسانوں کو غلام بنانے کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے اور بغیر نکاح کے باندیوں سے مباشرت کی اجازت دی ہے اور ان چیزوں کا مذموم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس اعتراض کا جواب میں ہمیشہ درس حدیث میں دیتا رہا اور اب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے میں نے ان جوابات کو شرح صحیح مسلم میں منضبط کر دیا ہے، ہر چند کہ ان جوابات میں کوئی نئی بات نہیں ہے اور ہمیشہ سے فقہاء اسلام، اسلام کی مدافعت میں اس قسم کے جوابات دیتے چلے آئے ہیں لیکن بقول غالب:

ہوں گے تو دنیا میں ہیں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

والحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی خاتم النبیین افضل المرسلین قائد الغر المحجلین وعلی اله الطیبین الطاهرین واصحابه القائدین الکاملین وازواجه امهات المؤمنین واولیاء امته وعلماء ملته اجمعین۔

۳۶۶۰- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مشترک غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دے درآں حالیکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو غلام کی قیمت کو پہنچتا ہو تو کسی عادل سے غلام کی متوسط قیمت لگوا کر دوسرے شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت ادا کی جائے گی اور اس کی طرف سے غلام آزاد کر دیا جائے گا، اور اگر اس شخص کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو تو جس قدر غلام اس نے آزاد کیا تھا اتنا ہی آزاد ہوگا۔

٣٦٦١- وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ قَالَ نَا أَيُّوبُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ ح قَالَ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ ح قَالَ وَثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ ح قَالَ وَثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ۔

امام مسلم نے آٹھ سندوں کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حسب سابق حدیث روایت کی۔

٣٦٦٢- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا نَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَمْلُوكِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فَيُعْتِقُ أَحَدُهُمَا قَالَ يَضْمَنُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی حصہ دار اس غلام میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دے جس میں ایک اور شخص بھی شریک ہے تو وہ دوسرے کے حصہ کا ضامن ہوگا۔

٣٦٦٣- وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ فِي عَبْدٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا کسی غلام میں حصہ ہو اور وہ اپنا حصہ آزاد کر دے تو اگر آزاد کرنے والے کا مال ہے تو غلام کا بقیہ حصہ اس کے مال سے آزاد کر دیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو (اس بقیہ حصہ کے بدلے میں) غلام سے محنت مزدوری کرائی جائے گی اور اس پر

فَخَلَاصُهٗ فِیْ مَالِهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ اُسْتُسْعِیَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ

مشقت نہیں ڈالی جائے گی۔

۳۶۶۴- وَحَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ اَنَا عِيْسٰى يَعْنِی ابْنَ يُوْنُسَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَزَادَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ مَالٌ قُوِّمَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ قِيْمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ يُسْتَسْعٰى فِیْ نَصِيْبِ الَّذِیْ لَمْ يُعْتِقْ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ.

ایک اور سند سے یہ روایت منقول ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال نہیں ہوگا تو غلام کی منصفانہ قیمت لگوا کر غلام سے آسانی کے ساتھ محنت مزدوری کرا کر اس شخص کا حصہ ادا کیا جائے گا جس نے اپنا حصہ آزاد نہیں کیا تھا۔

۳۶۶۵- حَدَّثَنِیْ هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ ابْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ وَذَكَرَ فِی الْحَدِيْثِ قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے اور اس حدیث میں بھی یہ ہے کہ اس کی منصفانہ قیمت لگوائی جائے گی۔

مشترک غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرنے کے بعد بقیہ حصے میں مذاہب فقہاء

دو شخصوں کا ایک مشترک غلام ہو اور ان میں سے ایک شخص اپنے حصہ کا غلام آزاد کر دے اور دوسرے نے اپنا حصہ آزاد نہ کیا ہو تو اس میں فقہاء کے متعدد مذاہب ہیں، جن کو علامہ نووی اور علامہ عینی نے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، چونکہ آج کل لونڈی اور غلام کے مسائل درپیش نہیں ہیں اس لیے یہاں ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے اختلاف فقہاء کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ کا یہ نظریہ ہے کہ اگر مشترک غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کرنے والا شخص مال دار ہے تو اس کا حصہ تو آزاد کر دیا جائے گا، اور اس کے شریک کو اختیار ہے، اگر وہ چاہے تو اپنے حصہ کو بھی آزاد کر دے اور اگر چاہے تو کسی عادل شخص کی لگائی ہوئی قیمت کے مطابق آزاد کرنے والے شخص کو ضامن بنا دے اور اگر چاہے تو اپنے حصہ کے مطابق غلام سے کمائی کرا لے اور غلام مکاتب کی طرح ہو جائے گا، پس اگر غلام آزاد کر دیا گیا یا اس سے کمائی کرائی گئی تو ولاء دونوں میں مشترک ہوگی اور اگر آزاد کرنے والے کو بقیہ حصہ کی قیمت کا ضامن بنا دیا گیا (یعنی دوسرا شریک آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کی رقم لے گا اور وہ غلام سے رجوع کرے گا اور غلام اس کو کما کر رقم ادا کرے گا) تو ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہو تو اس کو ضامن بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے اور اب دوسرا فریق یا تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور یا اس کے بدلے میں غلام سے کمائی کرا لے۔[1]

امام ابویوسف اور امام محمد کا نظریہ

امام ابویوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر مالدار شخص نے کسی مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور دوسرے فریق

[1] (حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۸۳-۸۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

کے لیے جائز ہے کہ وہ آزاد کرنے والے کو کسی عادل شخص کی لگائی ہوئی قیمت کا ضامن کر دے اور آزاد کرنے والا اس قیمت کو غلام سے وصول نہیں کرے گا، اور اگر آزاد کرنے والا شخص غریب ہو تو وہ صرف غلام سے کمائی کرا سکتا ہے، اور ان دونوں صورتوں میں ولاء صرف آزاد کرنے والے شخص کے لیے ہوگی۔[1]

ائمہ ثلاثہ کا نظریہ

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مالدار شخص کے آزاد کرنے میں وہی نظریہ ہے جو امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے، اور غریب آدمی کے آزاد کرنے میں ان کا یہ نظریہ ہے کہ صرف اسی کا حصہ آزاد ہوگا، اور دوسرے فریق کی ملکیت غلام پر قائم رہے گی اور وہ اس کی کمائی میں سے اپنا حصہ لے گا یا ایک دن اس سے خدمت لے گا اور ایک دن اس کو آزاد رکھے گا اور اس سے کمائی نہیں کرائے گا، غریب آدمی کے آزاد کرنے میں امام مالک کا بھی یہی نظریہ ہے، البتہ امیر آدمی کے آزاد کرنے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ بغیر قیمت کی ادائیگی کے امیر آدمی کا حصہ آزاد نہیں ہوگا۔[2]

اختلافِ فقہاء کا خلاصہ

اصل میں فقہاء کا اختلاف صرف دو چیزوں میں ہے، پہلا اختلاف اس میں ہے کہ آیا اعتاق متجزی ہوتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عتق مطلقاً متجزی ہوتا ہے اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک عتق مطلقاً متجزی نہیں ہوتا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آزاد کرنے والا اگر مالدار ہو تو عتق متجزی ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

علامہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ عتق کی تجزی میں اختلاف ہے لیکن ہدایہ اور اس کی شروحات میں لکھا ہے کہ اصل میں اعتاق کی تجزی میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعتاق میں تجزی ہوتی ہے اس لئے اسی قدر غلام آزاد کیا جائیگا جتنا اس نے آزاد کیا ہے۔

دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ آیا آزاد کرنے والے کا شریک کسی صورت میں اپنے حصے کے بدلے میں کمائی کرا سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک آزاد کرنے والے کا شریک اپنے حصے کے بدلے میں کمائی کرا سکتا ہے خواہ آزاد کرنے والا مالدار ہو یا غریب، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں وہ غلام سے کمائی نہیں کرا سکتا اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک غریب آدمی کمائی کرا سکتا ہے اور امیر آدمی نہیں کرا سکتا۔

امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل

عتق کی تجزی کے ثبوت میں امام ابوحنیفہ کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۶۶۰ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "اور اگر آزاد کرنے والے کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو تو اس نے جس قدر غلام آزاد کیا تھا اتنا ہی آزاد ہوگا۔" اور اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ دار قطنی میں روایت ہے: والا عتق منه ما عتق ورق منه ما بقی "ورنہ جتنا اس نے آزاد کیا ہے اتنا آزاد ہو جائے گا اور جو باقی رہ گیا ہے وہ بدستور غلام رہے گا"۔[3]

امام ابوحنیفہ جو یہ فرماتے ہیں کہ آزاد کرنے والا کا شریک غلام سے کمائی کرائے گا خواہ آزاد کرنے والا امیر ہو

---

[1] علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۸۳ - ۸۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

[2] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[3] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۲۴ مطبوعہ نشر السنۃ - ملتان

یا غریب اس پر دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۶۶۳ ہے: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا کسی غلام میں حصہ ہو اور وہ اپنا حصہ آزاد کر دے تو اگر آزاد کرنے والے کا مال ہے تو غلام کا بقیہ حصہ اس مال سے آزاد کر دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو غلام سے کمائی کرائی جائے گی اور اس پر دشواری نہیں ڈالی جائے گی۔" آزاد کرنے والے کے غریب ہونے کی صورت میں یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل ہے اور اگر وہ امیر ہو تو اس صورت میں غلام سے کمائی کرانے کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے لیکن کسی حدیث میں اس کی ممانعت بھی نہیں ہے، تاہم اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر یہ خدشہ ہے کہ اس صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنے کا حکم بیان کیا ہے اور یہ بعینہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔

بَابُ بَيَانِ اَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ

ولاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۳۶۶۶- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا فَقَالَ اَهْلُهَا نَبِيعُكِهَا عَلَى اَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ کیا کہ ایک باندی کو خرید کر آزاد کر دیں، باندی کے مالکوں نے کہا ہم باندی کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ اس کی ولاء ہمارے لیے ہو گی۔ (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم اس کو خریدنے سے مت رکو، ولاء صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۳۶۶۷- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا تَسْتَعِينُهَا فِي كِتَابَتِهَا وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اِرْجِعِي اِلَى اَهْلِكِ فَاِنْ اَحَبُّوا اَنْ اَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيرَةُ لِاَهْلِهَا فَاَبَوْا وَقَالُوا اِنْ شَاءَتْ اَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ فَلْتَفْعَلْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی مکاتبت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئیں اس وقت تک انھوں نے اپنی مکاتبت میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا، حضرت عائشہ نے فرمایا اپنے مالکوں کے پاس جاؤ اگر انھوں نے پسند کیا تو میں تمہاری مکاتبت کی ساری رقم ادا کر دوں گی بشرطیکہ تمہاری ولاء پر میرا حق ہو، حضرت بریرہ نے اس کا اپنے مالکوں سے ذکر کیا، انھوں نے ولاء پر حضرت عائشہ کا حق ماننے سے انکار کیا اور انھوں نے کہا اگر حضرت عائشہ چاہیں تو ثواب کی نیت سے تم کو خرید کر آزاد کر دیں اور تمہاری ولاء پر ہمارا حق ہو گا، حضرت عائشہ نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، رسول اللہ

وَيَكُونُ لَنَا وَلَاؤُكِ فَذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا ابْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ أُنَاسٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنْ شَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ شَرْطُ اللهِ أَحَقُّ وَأَوْثَقُ.

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم اس کو خرید کر [illegible] کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں، اور جو شخص ایسی شرط لگائے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے اس کا پورا کرنا لازم نہیں ہے خواہ اس نے ایسی سو شرطیں کیوں نہ لگائی ہوں، اللہ تعالیٰ کی عائد کی ہوئی شرط ہی پوری کی جانے کی حقدار ہے اور وہی مضبوط شرط ہے۔

ف: اگر غلام یا لونڈی آزاد ہونے کے بعد کچھ ترکہ چھوڑ کر فوت ہو جائے اور پھر اس کے ذوی الفروض اور عصبات نسبیہ وارث نہ ہوں تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو دے دیا جاتا ہے اس کو ولاء کہتے ہیں اور آزاد کرنے والے کو عصبہ سببی کہا جاتا ہے۔

مکاتب سے یہ مراد ہے کہ مالک غلام سے یہ کہے کہ مجھے اتنی رقم لا کر دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا، حضرت بریرہ مکاتبت کی اس رقم میں مدد طلب کرنے کے لیے حضرت عائشہ کے پاس گئی تھیں۔

۳۶۶۸- حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيرَةُ إِلَيَّ فَقَالَتْ يَا عَائِشَةُ إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ بِمَعْنَى حَدِيثِ اللَّيْثِ وَزَادَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذَلِكِ مِنْهَا ابْتَاعِي وَأَعْتِقِي وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس بریرہ آئیں اور کہنے لگیں کہ اے عائشہ میرے مالکوں نے مجھے اس شرط پر مکاتب کیا ہے کہ میں نو سال تک ہر سال ایک اوقیہ (چالیس درہم) ادا کروں، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے البتہ اتنا اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا ان کے کہنے کی وجہ سے تم اپنے ارادے کو مت چھوڑو تم اس کو خرید کر آزاد کر دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور پھر فرمایا اما بعد.....

۳۶۶۹- حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ نَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بریرہ نے مجھ سے آ کر کہا کہ میرے مالکوں نے مجھے نو اوقیہ پر

نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبِیْ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَتْ عَلَیَّ بَرِیْرَةُ فَقَالَتْ اِنَّ اَهْلِیْ كَاتَبُوْنِیْ عَلٰی تِسْعِ اَوَاقٍ فِیْ تِسْعِ سِنِیْنَ كُلَّ سَنَةٍ اُوْقِیَّةٌ فَاَعِیْنِیْنِیْ فَقُلْتُ لَهَا اِنْ شَاءَ اَهْلُكِ اَنْ اَعُدَّهَا لَهُمْ عَدَّةً وَّاحِدَةً وَّاُعْتِقَكِ وَیَكُوْنُ الْوَلَاۗءُ لِیْ فَعَلْتُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِاَهْلِهَا فَاَبَوْا اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَ الْوَلَاۗءُ لَهُمْ فَاَتَتْنِیْ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ قَالَتْ فَانْتَهَرْتُهَا فَقَالَتْ لَاهَا اللّٰهِ اِذًا قَالَتْ فَسَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَنِیْ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اشْتَرِیْهَا وَاَعْتِقِیْهَا وَاشْتَرِطِیْ لَهُمُ الْوَلَاۗءَ فَاِنَّ الْوَلَاۗءَ لِمَنْ اَعْتَقَ فَفَعَلْتُ قَالَتْ ثُمَّ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشِیَّةً فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ اَقْوَامٍ یَّشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَّیْسَتْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَّیْسَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّاِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ كِتَابُ اللّٰهِ اَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ اَوْثَقُ مَا بَالُ رِجَالٍ مِّنْكُمْ یَقُوْلُ اَحَدُهُمْ اَعْتِقْ فُلَانًا وَّالْوَلَاۗءُ لِیْ اِنَّمَا الْوَلَاۗءُ لِمَنْ اَعْتَقَ.

مکاتب کیا ہے بایں طور کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا جائے آپ اس میں میری مدد کریں، حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تمہارے مالک پسند کریں تو میں یک مشت یہ رقم ادا کر کے تم کو آزاد کر دوں، لیکن وَلاء پر میرا حق ہوگا، بریرہ نے اس بات کا اپنے مالکوں سے ذکر کیا، انھوں نے انکار کیا اور کہا وَلاء ہماری ہوگی، بریرہ نے آکر مجھے یہ بتایا، میں نے اس کو جھڑکا اور کہا بخدا ایسا نہیں ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر مجھ سے ماجرا پوچھا، میں نے آپ کو یہ واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا اس کو خرید کر آزاد کر دو اور وَلاء کو ان کے حق میں مشروط کر دو، وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کر دے، میں نے ایسا کیا، پھر شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں اللہ تعالٰی کی شان کے لائق حمد و ثناء کی پھر حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ ایسی شرطیں عائد کر رہے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہے! اور جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ ایسی سو شرطیں ہوں، اللہ کی کتاب زیادہ حقدار ہے اور اللہ تعالٰی کی شرط زیادہ مضبوط ہے، تم میں سے بعض لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں فلاں شخص کو آزاد کر دو اور وَلاء ہماری ہوگی! وَلاء کا مستحق صرف آزاد کرنے والا ہے۔

۳۶۷۰- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَبُوْ كُرَیْبٍ قَالَا نَا ابْنُ نُمَیْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَیْبٍ نَا وَكِیْعٌ ح قَالَ وَ

یہ حدیث کچھ اور اسانید سے بھی مروی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو

WWW.NAFSEISLAM.COM

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَّ إِسْحَاقُ ابْنُ إِبْرَاهِيْمَ جَمِيْعًا عَنْ جَرِيْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِ أَبِيْ أُسَامَةَ غَيْرَ أَنَّ فِيْ حَدِيْثِ جَرِيْرٍ قَالَ وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَّمْ يُخَيِّرْهَا وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِهِمْ أَمَّا بَعْدُ.

اختیار دیا(کہ وہ اس کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں) حضرت بریرہ نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا، اور اگر ان کے شوہر آزاد ہوتے تو ان کو اختیار نہ دیتے۔ اس حدیث میں اما بعد کا لفظ نہیں ہے۔

۳۶۷۱ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ نَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلَاثُ قَضِيَّاتٍ أَرَادَ أَهْلُهَا أَنْ يَّبِيْعُوْهَا وَيَشْتَرِطُوْا وَلَاءَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْتَرِيْهَا وَأَعْتِقِيْهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ وَعُتِقَتْ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا قَالَتْ وَكَانَ النَّاسُ يَتَصَدَّقُوْنَ عَلَيْهَا وَتُهْدِيْ لَنَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّهُوَ لَكُمْ هَدِيَّةٌ فَكُلُوْهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت بریرہ کے واقعہ سے تین مسائل معلوم ہوئے، ان کے مالکوں نے ان کو بیچنے کا ارادہ کیا اور ولاء کو اپنے حق میں رکھنے کی شرط عائد کی، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا اس کو خرید کر آزاد کر دو، کیونکہ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے اور وہ آزاد کر دی گئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا تو انھوں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور لوگ بریرہ کو صدقہ دیتے تھے اور بریرہ وہ چیزیں ہمیں ہدیۃً دے دیتی تھیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ چیزیں ان پر صدقہ ہیں اور تمہارے لیے ہدیہ ہیں سو ان کو کھا لیا کرو۔

۳۶۷۲ - وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے انصار کے کچھ لوگوں سے بریرہ کو خرید لیا انھوں نے ولاء کی شرط عائد کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کا حق ہے جو ولی نعمت ہو، اور رسول اللہ صلی

اَنَّهَا اشْتَرَتْ بَرِيْرَةَ مِنْ اُنَاسٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ [illegible] وَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا وَّاَهْدَتْ لِعَائِشَةَ لَحْمًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ صَنَعْتُمْ لَنَا مِنْ هٰذَا اللَّحْمِ قَالَتْ عَائِشَةُ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ۔

اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا، کیونکہ بریرہ کے خاوند [illegible] اس گوشت سے ہمارے لیے بھی پکاتیں تو بہتر ہوتا، حضرت عائشہ نے کہا یہ بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے!

٣٦٧٣۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيْرَةَ لِلْعِتْقِ فَاشْتَرَطُوْا وَلَاءَهَا فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْتَرِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا فَاِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ وَاُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمٌ فَقَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا تُصُدِّقَ عَلٰى بَرِيْرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ وَّخُيِّرَتْ فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ عَنْ زَوْجِهَا فَقَالَ لَا اَدْرِيْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے آزاد کرنے کے لیے بریرہ کو خریدنا چاہا مگر ان کے مالکوں نے کہا کہ ان کی ولاء ہمارے لیے ہوگی، حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو خرید کر آزاد کر دو، کیونکہ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت ہدیۃً دیا گیا، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ گوشت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا، آپ نے فرمایا یہ اس کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے، اور بریرہ کو اختیار دیا گیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا اس کا خاوند آزاد تھا، شعبہ کہتے ہیں میں نے عبدالرحمان سے اس کے خاوند کے بارے میں پھر پوچھا تو انھوں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔

٣٦٧٤۔ وَحَدَّثَنَاهُ اَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ نَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۶۷۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی وَابْنُ بَشَّارٍ جَمِیْعًا عَنْ اَبِیْ هِشَامٍ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ نَا وُهَیْبٌ قَالَ نَا عُبَیْدُ اللّٰهِ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ زَوْجُ بَرِیْرَةَ عَبْدًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا۔

۳۶۷۶ - وَحَدَّثَنِیْ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ کَانَ فِیْ بَرِیْرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ خُیِّرَتْ عَلٰی زَوْجِهَا حِیْنَ عُتِقَتْ وَاُهْدِیَ لَهَا لَحْمٌ فَدَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ عَلَی النَّارِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَاُتِیَ بِخُبْزٍ وَّاُدْمٍ مِّنْ اُدْمِ الْبَیْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً عَلَی النَّارِ فِیْهَا لَحْمٌ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰی بَرِیْرَةَ فَکَرِهْنَا اَنْ نُّطْعِمَكَ مِنْهُ فَقَالَ هُوَ عَلَیْهَا صَدَقَةٌ وَّهُوَ مِنْهَا لَنَا هَدِیَّةٌ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهَا اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بریرہ سے تین مسائل معلوم ہوئے، بریرہ جب آزاد کی گئیں تو انھیں ان کے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا، اور بریرہ کو گوشت ہدیۃً دیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ دیگچی آگ پر رکھی ہوئی تھی، آپ نے کھانا منگایا، آپ کو روٹی اور گھر کا سالن پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا: کیا میں آگ پر چڑھی ہوئی دیگچی میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟ حاضرین نے کہا: یا رسول اللہ! یہ گوشت بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا! اور ہم نے آپ کو صدقہ میں سے کھلانا پسند نہیں کیا، آپ نے فرمایا یہ اس کے حق میں صدقہ ہے اور ہمارے حق میں اس کی طرف سے ہدیہ ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کے واقعہ ہی میں فرمایا تھا ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۳۶۷۷ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ سُهَیْلُ بْنُ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اَرَادَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک باندی خرید کر آزاد کرنا چاہی مگر ان کے مالکوں نے حق ولاء کے بغیر بیچنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنا ارادہ مت

تَشْتَرِیَ جَارِیَۃً تُعْتِقُهَا فَأَبٰی أَهْلُهَا إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْوَلَاءُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

چھوڑ دو کیونکہ وَلاء پر صرف آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

قصۂ بریرہ میں شرط فاسد کے ساتھ بیع پر اعتراض کے جوابات

اس باب کی اکثر احادیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اُن کے وَلاء کی شرط لگانے سے تم خریدنے کا ارادہ مت ترک کرو اور حدیث نمبر ۳۶۶۹ میں ہے کہ وَلاء کو ان کے حق میں مشروط کر کے خرید لو" یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی متعدد طرق سے وارد ہے، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عقد بیع میں خریدار کا ایسی شرط لگانا جس کو خریدار پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، بائع کو دھوکا دینا ہے اور یہ شرط فاسد ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو یہ شرط لگانے کی اجازت کیسے دی؟

علامہ عینی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "یہاں پر لام علی کے معنی میں ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اساتم فلها ای علیها۔" "اگر تم اچھا کرتے ہو تو اپنے نفسوں کے لیے اچھا کرتے ہو اور اگر برائی کرتے ہو تو اپنے نفسوں کے لیے، یعنی اس کا ضرر بھی تمہارے نفسوں پر ہے"۔ اسی طرح حدیث شریف "واشترطی لهم الولاء" بمعنی "واشترطی علیهم الولاء" ہے یعنی ان کے خلاف وَلاء کی شرط عائد کرو، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حذف مضاف ہے اور اشتراط بمعنی اظہار ہے یعنی "اظهری لهم حکم الولاء" وَلاء کا حکم ان پر ظاہر کردو، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں زجر و توبیخ مراد ہے یعنی جب متعدد مرتبہ ان پر واضح کر دیا کہ وَلاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے تو آپ نے بطور خفگی فرمایا تم ان کی شرط کی پرواہ مت کرو اور خرید لو، چوتھا جواب یہ ہے کہ شرط فاسد کا لگانا ممنوع ہے اور اس حدیث میں جو شرط فاسد لگانے کی اجازت دی گئی ہے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے[1]۔ علامہ ابن حجر نے اس جواب پر علامہ ابن دقیق العید کا یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ خصوصیت بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ بالعموم شرط فاسد لگانے کی ممانعت پہلے سے بیان کر دی گئی تھی لہٰذا اس حدیث میں اس کے وقوع کا ذکر ہی خصوصیت پر دلیل ہے۔

شیخ عثمانی نے اس اشکال کے جواب میں کہا ہے کہ شرط فاسد وہ شرط ہوتی ہے جو ربوا کا سبب ہو یا بائع اور مشتری کے درمیان منازعت کا سبب ہو، اور جس شرط کا پورا کرنا شرعاً یا عقلاً متعذر ہو وہ شرط فاسد نہیں بلکہ شرط لغو ہوتی ہے اور ایسی شرط کا لگانا انعقاد بیع میں مضر نہیں ہے[2]۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں کہ ہر وہ شرط جس کا عقد متقاضی نہ ہو اور اس میں بائع یا مشتری میں سے کسی ایک کو فائدہ ہو یا مبیع کو فائدہ ہو ایسی شرط فاسد ہے کیونکہ اس میں ایسی زیادتی ہے

---

[1] علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۸۲ - ۲۸۱، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الثانی، ۱۴۰۰ھ۔

جو معاوضہ سے خالی ہے اس لیے کہ یہ سود کا سبب ہے یا یہ منازعت کا سبب ہے، اور اگر ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضا کرتا ہو نہ اس میں کسی کی منفعت ہو تو یہ شرط فاسد نہیں ہے جیسے بائع یہ شرط لگائے کہ مشتری اس سواری کو فروخت نہیں کرے گا۔ اور اگر بائع کے لیے وَلاء کی شرط لگائی جائے تو یہ شرط غلط ہے اس لیے لغو ہے لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس شرط میں بائع کی منفعت بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے اس شرط کے شرط فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے نیز اس شرط کی وجہ سے تو عقد سے پہلے ہی نزاع ہو رہا ہے اور عقد کے بعد اس کا باعث نزاع ہونا اور بھی واضح ہے' اس لیے یہ شرط بہرحال شرط فاسد ہے۔

اس سوال کے جواب میں علامہ خطابی نے یحییٰ بن اکثم سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ یعنی درایۃً مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ غیر متصور ہے کہ وہ کسی شخص کو دھوکا دینے کا حکم دیں، ہر چند کہ اصول روایت سے یہ حدیث ثابت ہے لیکن درایۃً یہ حدیث مردود ہے۔

مکاتب کی بیع کے حکم میں مذاہب فقہاء

اس باب کی احادیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے مالکوں نے مکاتب کر دیا اور حضرت عائشہ نے ان کو ان کے مالکوں سے خرید یا دراں حالیکہ وہ مکاتبہ تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو مقرر رکھا، اس لیے یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ آیا مکاتب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ مکاتب جب مال کتابت ادا کرنے سے عاجز نہ ہو اور اپنی بیع سے راضی ہو اس کی بیع جائز ہے۔ امام احمد، اوزاعی، امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی رضی اللہ عنہم نے اسی کو پسند کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور صحیح تر قول کے مطابق امام شافعی اور بعض مالکی یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع جائز نہیں ہے[2] بعض معاصرین نے احناف کے مسلک کی تحقیق کیے بغیر یہ لکھ دیا کہ "اگر مکاتب اپنی بیع پر راضی ہو تو یہ بیع امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔" درحقیقت اس بیع میں امام اعظم سے دو روایتیں ہیں اور زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

ولو رضی المکاتب بالبیع ففیہ روایتان والاظھر الجواز۔[1]

اگر مکاتب اپنی بیع پر راضی ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔

علامہ بابرتی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لان عدمہ کان لحقہ فلما اسقطہ برضاہ انفسخت الکتابۃ وجاز البیع وھو فی النوادر انہ لا

کیونکہ اس بیع کا عدم جواز مکاتب کے حق کی وجہ سے تھا اور جب اس نے خود اپنی مرضی سے اپنا حق ساقط کر دیا تو اس کی مکاتبت فسخ ہو گئی اور بیع جائز ہو

[1] ۔ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۹۴ ۔ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[2] ۔ مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری ج ۴ ص ۲، مطبوعہ فیصل آباد۔

[3] ۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۷۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

یجوز۔ [۱] گئی اور نوادر کی روایت میں ہے کہ یہ بیع جائز نہیں ہے۔

علامہ بابرتی کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مکاتب کی مرضی سے اس کی بیع کا جواز ظاہر الروایۃ ہے اور عدم جواز نوادر کی روایت ہے، اور علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

وتنفسخ الکتابۃ فی ضمنہ لان اللزوم کان لحقہ وقد رضی باسقاطہ۔ [۲]

بیع کے جواز سے مکاتبت فسخ ہو جائے گی، کیونکہ مکاتبت کا لازم ہونا اس کے حق کی بناء پر تھا اور وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہو گیا۔

اور علامہ بدر الدین عینی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لان عدمہ کان لحقہ فلما اسقط حقہ برضاء انفسخت الکتابۃ وجاز البیع وروی فی النوادر انہ لا یجوز وللشافعی فی بیع المکاتب قولان اصحھما انہ لا یجوز وبہ قال مالک واحمد وقال فی القدیم یجوز۔ [۳]

کیونکہ بیع کا عدم جواز مکاتب کے حق کی بناء پر تھا اور جب وہ اپنے حق کو ساقط کرنے پر راضی ہو گیا تو مکاتبت فسخ ہو گئی، اور نوادر میں ہے کہ یہ بیع جائز نہیں، امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ یہ بیع جائز ہے۔

علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ امام احمد اور امام مالک کے نزدیک مکاتب کی بیع جائز ہے، امام شافعی کے دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بیع ناجائز ہے، بعض مالکیہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ [۴]

بہرحال امام ابوحنیفہ سے ظاہر روایت یہ ہے کہ جب مکاتب بیع پر راضی ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔

خیارِ عتق میں شوہر کے غلام ہونے کی شرط پر ائمہ ثلاثہ کے دلائل

حدیث نمبر ۳۶۷۰ میں ہے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو (ان کے نکاح میں رہنے یا نہ رہنے کا) اختیار دیا تھا۔

امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر لونڈی کو آزاد کیا جائے اور اس وقت اس کا شوہر غلام ہو تو لونڈی کو اختیار ہے کہ اس کے نکاح میں رہے یا اس نکاح کو فسخ کر دے، اور اگر اس وقت اس کا شوہر آزاد

---

[۱] علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۴۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[۲] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[۳] علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ ج ۳ ص ۸۲ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

[۴] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۴۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

تھا تو پھر اس کو اختیار نہیں ہے، کیونکہ غلام کے نکاح میں آزاد کا رہنا باعث عار ہے اور آزاد کے نکاح میں رہنے میں کوئی عار نہیں ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جب لونڈی کو آزاد کیا جائے تو اس کو ہر حال میں اختیار ملے گا خواہ شوہر غلام ہو یا آزاد کیونکہ لونڈی پر شوہر کی ملکیت کم ہوتی ہے اور وہ صرف دو طلاقوں سے منفصلہ ہو کر شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جاتی ہے اور آزاد پر شوہر کی ملکیت زیادہ ہوتی ہے وہ تین طلاقوں سے منفصلہ ہوتی ہے اس لیے جب وہ آزاد ہوئی تو اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اس زائد ملکیت کو قبول کرتی ہے یا نہیں۔

جمہور فقہاء کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں حضرت بریرہ کے شوہر کو غلام بتایا گیا ہے اور خاص طور پر صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۳۶۷۰ میں حضرت عائشہ کا یہ قول ہے کہ اگر بریرہ کا شوہر آزاد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار نہ دیتے، جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ یہ بات محض اپنے قیاس سے نہیں کہہ سکتیں کیونکہ یہ ایک تشریعی معاملہ ہے، علاوہ ازیں اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ جب حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا تو ان کے شوہر غلام تھے۔

حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت ان کے شوہر کے آزاد ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

جس وقت لونڈی کو آزاد کیا جائے اس وقت اگر اس کا شوہر غلام ہو تو تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ باندی کو اختیار دیا جائے گا، امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اگر اس کا خاوند اس وقت آزاد ہو پھر بھی اس کو اختیار دیا جائے گا، اس اختلاف کا سبب دراصل اس بات میں ہے کہ جس وقت حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا تھا اس وقت ان کے شوہر مغیث غلام تھے یا آزاد، ائمہ ثلاثہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس وقت غلام تھے اور امام ابوحنیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اس وقت آزاد تھے، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام نسائی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الاسود عن عائشة قالت اشتریت بریرة فاشترط اهلها ولاءها فذکرت ذلك للنبی صلی الله علیه وسلم قال اعتقیها فانما الولاء لمن اعطی الورق فاعتقتها فدعاها رسول الله صلی الله علیه وسلم فخیرها من زوجها قالت لو اعطانی کذا وکذا ما اقمت عنده فاختارت نفسها وکان زوجها حرا۔[1]

اسود کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے بریرہ کو خریدا، اس کے مالکوں نے اس کی ولاء کی شرط لگائی، میں نے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر دو ولاء اس کا حق ہے جو پیسے ادا کرے، میں نے اس کو آزاد کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر اس کے شوہر میں اس کو اختیار دیا، بریرہ نے کہا اگر وہ مجھے اتنے اتنے پیسے دے پھر بھی میں اس کے پاس نہیں رہوں گی، اس نے (شوہر کے مقابلہ میں) خود کو اختیار کر لیا اور اس کا شوہر آزاد تھا۔

---

[1] امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ جس وقت حضرت بریرہ کو آزاد کر کے اختیار دیا گیا تھا تو ان کا شوہر اس وقت آزاد تھا، اس حدیث کو امام نسائی نے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے[1]۔ امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے[2]۔ امام احمد بن حنبل نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے[3]۔ امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے[4]۔ امام ابن سعد نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے[5]۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

قال الحكم وكان زوجها حرا قال ابو عبد الله وقول الحكم مرسل۔[6]

حکم کہتے ہیں کہ بریرہ کا خاوند آزاد شخص تھا، امام بخاری نے کہا یہ حدیث مرسل ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن الاسود عن عائشة فی قصة بریرة قال الاسود وكان زوجها حرا۔[7]

اسود نے حضرت عائشہ سے بریرہ کا جو قصہ روایت کیا ہے اس میں اسود نے بیان کیا ہے کہ ان کا خاوند آزاد شخص تھا۔

حضرت عائشہ کی جس روایت میں بریرہ کے شوہر کا آزاد ہونا بیان کیا ہے وہ دوسری روایت پر راجح ہے

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی وہ روایت راجح ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت ان کے شوہر آزاد تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ سے اس حدیث کو تین راویوں نے روایت کیا ہے اسود، عروہ اور قاسم، اور اسود کی تمام روایات اس میں متفق ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا وہ آزاد تھے اور عروہ سے دو صحیح روایتیں منقول ہیں ایک میں ہے کہ وہ آزاد تھے اور دوسری میں ہے وہ غلام تھے، اور قاسم سے بھی دو صحیح روایتیں منقول ہیں ایک میں ہے وہ آزاد تھے اور دوسری میں ہے وہ غلام تھے (بخاری ج ۱ ص ۳۵۰، مسلم ج ۱ ص ۴۹۴۔ از سعیدی) عروہ اور قاسم کی روایات میں اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ جن روایات میں ذکر ہے وہ غلام تھے اس میں ان کے ماضی کے

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۰۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور پاکستان، ۱۴۰۵ھ۔

[2] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، المسند ج ۶ ص ۱۷۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۹۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[5] امام ابن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

[6] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۸۱ھ

[7] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

www.NafseIslam.com

حال کی خبر دی ہے اور جن روایات میں ہے کہ وہ آزاد تھے ان میں اس وقت کے حال کا بیان کیا گیا ہے جب حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں جو ان کے غلام ہونے کا ذکر ہے وہ بھی ماضی کے حال کے اعتبار سے ہے یعنی چونکہ وہ ماضی میں غلام رہے تھے اس لیے ان پر غلام کا اطلاق کر دیا، اور یہ اطلاق عرف اور محاورے میں بکثرت ہوتا ہے۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مغیث کے غلام ہونے کی روایات قوت سند کے اعتبار سے راجح ہیں۔ تطبیق کی ضرورت اس وقت ہوتی جب یہ ایک درجہ کی حدیثیں ہوتیں لیکن علامہ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ دو صحیح اور متعارض حدیثوں میں پہلے تطبیق دی جاتی ہے اور اگر ان میں تطبیق نہ دی جاسکے تو پھر سند کے اعتبار سے ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جاتا ہے۔

حضرت بریرہ کے شوہر کی آزاد ہونے والی روایت کی از روئے درایت ترجیح

علامہ ابن ہمام نے پہلے تو ان دو حدیثوں میں تطبیق دی پھر فرمایا کہ ان دو روایتوں میں مغیث کے آزاد ہونے والی روایت درایۃً راجح ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیثیں متعارض ہوں اور ایک حدیث میں کسی وصف زائد کی نفی ہو اور دوسرے میں وصف زائد کا اثبات ہو تو اس حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے کہ جس میں کسی وصف زائد کا اثبات ہو کیونکہ جس میں نفی ہے اس میں حالت اصلیہ کے اعتبار سے روایت کی گئی ہے اور جس میں اثبات ہے اس میں راوی اپنے علم کی بنا پر کسی دلیل سے وصف زائد کی حکایت کر رہا ہے، اور چونکہ تمام صحابہ روایت میں عادل ہیں اس لیے اثبات والی روایت کا اعتبار کیا جائے گا، پس حضرت ابن عباس نے جو مغیث کے غلام ہونے کی روایت کی ہے وہ ان کی حالت اصلیہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ وہ اصل میں غلام تھے اور حضرت عائشہ نے جو ان کے آزاد ہونے کی روایت کی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ انہیں علم تھا کہ حضرت بریرہ کو جب آزاد کیا گیا تھا اس وقت حضرت مغیث بھی آزاد ہو چکے تھے، اس لیے حضرت ابن عباس کی روایت پر حضرت عائشہ کی روایت کو ترجیح ہے جس میں حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت حضرت مغیث کو آزاد بتایا گیا ہے کیونکہ اس میں ایک وصف زائد کا اثبات ہے۔[2]

حضرت بریرہ کے شوہر کے آزاد ہونے کے ثبوت میں مزید روایات

امام عبد الرزاق نے حضرت بریرہ کے شوہر کے آزاد ہونے کو مزید اسانید سے ثابت کیا ہے۔

عن سعید بن المسیب قال: ان زوج بریرۃ کان حرا۔[3]

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بریرہ کے خاوند آزاد شخص تھے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۰۵ - ۲۰۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۰۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ ھ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ ھ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن ابراھیم عن عائشۃ ان زوج بریرۃ کان حرا۔ [1]

ابراہیم حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد تھے۔

اور امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

عن نافع قال: اخبرتنی صفیۃ بنت ابی عبید ان زوج بریرۃ کان حرا۔ [2]

نافع کہتے ہیں کہ مجھے حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے خبر دی کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد تھے۔

امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

عن عامر الشعبی ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبریرۃ لما اعتقت قد اعتق بضعک معک فاختاری۔ [3]

عامر شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ جب آزاد کی گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھ تمہاری فرج بھی آزاد کر دی گئی ہے اب جس کو چاہو اختیار کر لو۔

فرج کا آزاد کیا جانا اس بات سے کنایہ ہے کہ اب تم نکاح کے معاملہ میں آزاد ہو خواہ نکاح سابق کو برقرار رکھو یا اس نکاح کو فسخ کر دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو شوہر کے غلام ہونے یا آزاد ہونے کے ساتھ مقید نہیں کیا، بلکہ عام رکھا ہے، اس عموم سے معلوم ہوا کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو مطلقاً خیار عتق ملتا ہے۔ خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام۔ اس حدیث کی تائید اور تقویت امام دار قطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے!

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لبریرۃ، اذھبی فقد عتق معک بضعک [4]

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا: جاؤ! تمہارے ساتھ تمہاری فرج بھی آزاد کر دی گئی۔

اور امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الزھری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لامۃ عتقت ولھا زوج: انی ذاکر لک امرا فلا علیک ان لا تفعلیہ ولکنی اتحرج ان اکتمکیہ ان لک الخیار علی

زہری بیان کرتے ہیں کہ جب ایک شادی شدہ لونڈی آزاد کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا میں تم سے ایک مسئلہ ذکر کرتا ہوں اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن میں اس مسئلہ کو چھپانا

نقش اسلام WWW.NAFSEISLAM.COM

۱۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ

۲۔ امام ابن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۶۱ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ

۳۔ امام ابن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۲۵۹ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ

۴۔ امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۹۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

ذمجک۔ لہ پسند نہیں کرتا، تمہیں تمہارے خاوند کے بارے میں اختیار ہے۔

یہاں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کے اختیار کو مطلق رکھا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

شوہر کے آزاد ہونے کے باوجود خیارِ عتق پر فقہاء احناف کے دلائل

اگر آزاد شدہ باندی کا شوہر غلام ہو تو اس کا اختیار اتفاقی امر ہے اور آزاد ہونے کی صورت میں اس کے اختیار پر حسب ذیل اقوال تابعین دلیل ہیں۔ امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الشعبی قال اذا اعتقت عند حر فلها الخیار۔ ٢ه

شعبی کہتے ہیں کہ جب آزاد شخص کی بیوی آزاد کر دی جائے تو اس کو اختیار ہے۔

عن الشعبی قال: تخییر عند حر کانت او عبد۔ ٣ه

شعبی کہتے ہیں کہ باندی کو اختیار دیا جائے گا خواہ وہ آزاد کے نکاح میں ہو یا غلام کے۔

عن ابن سیرین قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب کسی آزاد شخص کی بیوی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو اختیار ہے۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار ان شاءت جلست عندہ و ان شاءت فارقتہ۔ ٤ه

طاؤس کہتے ہیں کہ جب کسی آزاد شخص کی بیوی کو آزاد کیا جائے تو اس کو اختیار ہے، اس کے نکاح میں رہے یا علیحدہ ہو جائے۔

قال ابن جریج: و قال حسن بن مسلم نحوہ۔ ٥ه

ابن جریج نے کہا حسن بن مسلم بھی یہی کہتے تھے۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ قال: اذا اعتقت عند حر فلها الخیار۔ ٦ه

طاؤس کہتے ہیں کہ جب آزاد شخص کی بیوی آزاد کر دی جائے تو اس کو اختیار ہے۔

ہم نے ٹھوس شواہد اور بکثرت احادیث، آثار اور اقوال تابعین سے ثابت کر دیا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مقابلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہی صحیح روایات اور قوی دلائل سے ثابت ہے لیکن حیرت ہے کہ بعض معاصرین لکھتے ہیں: صحیح تر روایت ہے کہ اس (بریرہ) کا شوہر غلام تھا لیکن احناف کے مذہب

لہ۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷، ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ

٢ه۔ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ 〃 〃 〃

٣ه۔ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ 〃 〃 〃

٤ه۔ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ 〃 〃 〃

٥ه۔ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ۷، ص ۲۵۴ 〃 〃 〃

٦ه۔ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ۷، ص ۲۵۵ 〃 〃 〃

WWW.NAFSEISLAM.COM

کے مطابق اگر لونڈی کا شوہر آزاد شخص ہو اور لونڈی آزاد ہو جائے تو اس کو اختیار ہے۔[۱]

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

خیار عتق میں غلام کی قید لگانے پر ائمہ ثلاثہ نے یہ دلیل قائم کی تھی کہ آزاد عورت کے لیے غلام کے نکاح میں رہنا باعث عار ہے اور آزاد کے نکاح میں رہنا کوئی عار نہیں ہے اس لیے باندی کو جب آزاد کیا جائے اس وقت اگر اس کا خاوند غلام ہو تو اس کو خیار عتق ملے گا ورنہ نہیں۔ علامہ بابرتی اس کے جواب میں فرماتے ہیں عدم کفاءت کی وجہ سے نکاح کے ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار ابتداء عقد میں ہوتا ہے ابقاء عقد میں نہیں ہوتا کیونکہ امارت اور غربت بھی کفو میں معتبر ہیں اگر کوئی شخص امیری میں کسی امیر لڑکی سے نکاح کرے اور بعد میں غریب ہو جائے تو بعد میں کفو نہ رہنے کی بناء پر کسی امام کے نزدیک بھی یہ جائز نہیں ہے کہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے۔[۲]

حدیث بریرہ سے ایک سو باسٹھ مسائل کا استنباط

حدیث بریرہ سے فقہاء اسلام نے حسب ذیل فوائد مستنبط کیے ہیں:

۱۔ باندی کو بھی غلام کی طرح مکاتب کرنا جائز ہے۔
۲۔ شادی شدہ باندی کو اس کے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی مکاتب کرنا جائز ہے۔
۳۔ خاوند کو مکاتبت سے منع کرنے کا حق نہیں ہے خواہ یہ مکاتبت ان کے باہمی فراق کا سبب بنے۔
۴۔ جب مکاتبہ کو مال کتابت کی جدوجہد میں مصروف کر دیا تو اب اس پر مالک کی خدمت واجب نہیں رہی۔
۵۔ مکاتبہ کے لیے جائز ہے کہ وہ مال کتابت کے حصول میں لوگوں سے سوال کرے۔
۶۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقروض بھی قرض سے خلاصی کے لیے لوگوں سے سوال کر سکتا ہے۔
۷۔ مال کتابت کو وقت مقررہ سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔
۸۔ خریدار کا خریدتے وقت بھاؤ طے کرنے یا قیمت کم کرانے میں سختی کرنا جائز ہے، چونکہ حضرت عائشہ نے طلب ولاء میں سختی کی۔
۹۔ بالغ اور سمجھ دار عورت خود بھی خریداری کر سکتی ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو خریدا)
۱۰۔ جو شخص خود تصرف نہ کر سکے وہ کسی غیر کو اپنا قائم مقام کر سکتا ہے۔
۱۱۔ جو شخص کسی غلام کو خرید کر آزاد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کو بیچنے والے پر ظاہر کر سکتا ہے تاکہ وہ آسانی سے فروخت کر دیں اور یہ ریا نہیں ہے۔
۱۲۔ اگر کوئی غیر شرعی شرط لگائے تو اس کا رد کرنا چاہیے۔
۱۳۔ مقروض کی رضامندی سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔
۱۴۔ کسی چیز کو ادھار خریدنا جائز ہے۔

---

[۱] مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری ج ۴ ص ۴۳، مطبوعہ مطبع ریاض حسین

[۲] علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، العنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۳ ص ۲۷۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۱۵۔ اگر مکاتب وقت سے پہلے مکمل مال کتابت ادا کر دے تو مالک اس کو مسترد نہ کرے۔
۱۶۔ قرض کو قسط وار وصول کرنا جائز ہے۔
۱۷۔ شرط عتق سے بیع کرنا جائز ہے۔
۱۸۔ مکاتب کی رضامندی سے اس کو بیچنا جائز ہے۔
۱۹۔ مکاتب کے عجز کے بغیر بھی اس کو بیچنا جائز ہے۔
۲۰۔ عورت اپنے شوہر کے علاوہ بھی کسی سے خفیہ بات چیت کر سکتی ہے' بشرطیکہ وہ مومن ہو۔
۲۱۔ حاکم اپنی زوجہ کے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔
۲۲۔ باندی کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے۔
۲۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی خبر کو بھی قبول کرنا جائز ہے۔
۲۴۔ شادی شدہ لونڈی کی بیع طلاق کے مترادف نہیں ہے۔
۲۵۔ خطبہ سے پہلے حمد و ثنا کرنا سنت ہے۔
۲۶۔ کھڑے ہو کر خطبہ دینا اور خطبہ کے بعد اما بعد کہنا بھی سنت ہے۔
۲۷۔ اگر بلا تکلف مسجع (موزون) کلام کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔
۲۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات کو منبر پر کھڑے ہو کر بیان کرتے تھے۔
۲۹۔ نصیحت کے مواقع پر کسی غلط کار کی نشان دہی اور تعیین نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ عموم کے صیغے استعمال کرنے چاہئیں جیسا کہ آپ نے فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے! یہ نہیں فرمایا بریرہ کے مالکوں کا کیا حال ہے۔
۳۰۔ مکاتب کا کسب اس کے اپنے لیے ہوتا ہے۔ اس کے مالک کے لیے نہیں ہوتا۔
۳۱۔ سمجھ دار عورت مالک کی اجازت کے بغیر بھی اپنے مال میں تصرف کر سکتی ہے اور بیچنے والوں سے پیغام رسانی کر سکتی ہے۔
۳۲۔ جس شخص نے مال کتابت کی بعض یا اکثر اقساط ادا کر دی ہوں وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتا جب تک کہ کل اقساط ادا نہ کر دے۔
۳۳۔ اگر اقساط مقرر کردہ قیمت کے برابر ہو جائیں تو مکاتب آزاد ہو جائے گا۔
۳۴۔ شادی شدہ باندی کی بیع کے بعد خریدار کے لیے اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بیع سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔
۳۵۔ حال اضطرار کے بغیر بھی سوال کا جواز، کیونکہ حضرت بریرہ نے مضطر ہوئے بغیر حضرت عائشہ سے سوال کیا۔
۳۶۔ شادی شدہ عورت سے مال مکاتبت میں استعانت کے سوال کا جواز۔
۳۷۔ طلب اجر کے لیے کسی چیز کو معروف قیمت سے زیادہ میں خریدنا۔
۳۸۔ طے شدہ اقساط کی بجائے یک مشت ادائیگی کا جواز کیونکہ حضرت عائشہ نے نو سال میں قسط وار ادا کی جانے والی رقم کو یک مشت نقد ادا کر دیا کیونکہ بیچنے والے کی رغبت ادھار کے مقابلہ میں نقد میں زیادہ ہوتی ہے۔
۳۹۔ حضرت بریرہ کے عدم اضطرار کے باوجود سوال پر رد نہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بغیر احتیاج کے سوال کرنے

پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذمت فرمانا خلاف اولیٰ ہونے کی وجہ سے ہے۔

۴۰۔ غلام کا آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کا جواز ہر چند کہ اس کا یہ فعل مالک کے لیے مضر ہے کیونکہ اسلام کا منشاء غلامی کا خاتمہ ہے۔

۴۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے"۔ اس میں کتاب اللہ سے مراد عام ہے خواہ صراحۃً کتاب اللہ میں ہو یا اس کا منشاء کتاب اللہ میں ہو، لہٰذا وہ شرائط جو احادیث، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرط بیان فرمائی کہ "ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے"۔ اس کا ذکر صراحۃً قرآن مجید میں نہیں ہے۔

۴۲۔ جو شرائط غیر مشروعہ ہوں وہ مفسد عقد نہیں ہیں

۴۳۔ جو شخص شرط فاسد لگائے وہ اس وقت سزا کا مستحق ہوگا جب اس کی تحریم کو جان کر اس پر اصرار کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کے مالکوں کو، کوئی سزا دی نہ کوئی وعید سنائی۔

۴۴۔ مکاتب کا مالک، مکاتب کے آزاد ہونے کی جدوجہد میں حارج نہ ہو۔

۴۵۔ مکاتب جب اپنی کچھ اقساط کو وقت سے پہلے ادا کر دے تو مالک ان کو قبول کرنے سے انکار نہ کرے۔

۴۶۔ کوئی شخص تبرعاً مکاتب کو آزاد کر دے تو جائز ہے۔

۴۷۔ مکاتب اور اس کے مالک کی رضامندی سے عقد کتابت کو فسخ کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عائشہ کی جدوجہد کے بعد پچھلا عقد فسخ ہوگیا۔

۴۸۔ ولاء پر آزاد کرنے والے کا حق ہے۔

۴۹۔ غیر شرعی امر کا رد کرنا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شرعی شرط کا رد فرمایا۔

۵۰۔ کسی اہم کام کو بیان کرنے سے پہلے خطبہ پڑھنا چاہیے۔

۵۱۔ بغیر مطالبہ کے بھی قسم کھانا جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ شرط نہیں لگائیں گی۔

۵۲۔ فقہاء شافعیہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ یمین لغو پر کفارہ نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا شرط لگاؤ (کہ ولاء تمہارے لیے ہوگی) اور ان پر کفارہ لازم نہیں کیا، فقہاء احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کفارہ ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں کفارہ نہ دیا ہو۔

۵۳۔ ایک شخص کا دوسرے سے تیسرے کی موجودگی میں سرگوشی سے بات کرنا جب کہ اس کو تیسرے سے حیاء دامن گیر ہو۔ بشرطیکہ اس کو علم ہو کہ دوسرا، اس تیسرے کو بتا دے گا۔ اس سلسلے میں جو ممانعت ہے یہ صورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

۵۴۔ تیسرے شخص کا دوسرے سے سوال کرنا کہ اس نے کیا سرگوشی کی ہے؟ جبکہ اس کو علم ہو کہ اس کا بھی اس معاملہ میں دخل ہے، ایسی صورت میں راز افشاء کرنے کا جواز خصوصاً جبکہ اس میں سرگوشی کرنے والے کی خیر خواہی ہو۔

۵۵۔ غلام کا، مالک کی اجازت کے بغیر اپنے معاملہ میں کسی کو وکیل بنانا۔

۵۶۔ آزاد کرنے والی عورت کے لیے وُلاء کا ثبوت ہر چند کہ وُلاء وراثت میں عورت کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔

۵۷۔ آزاد کردہ غلام کی وُلاء کا کافر بھی حقدار ہو سکتا ہے کیونکہ آپ نے بصیغۂ عموم فرمایا وُلاء کا حقدار آزاد کرنے والا ہے۔

۵۸۔ وُلاء کی بیع اور ہبہ کا عدم جواز۔

۵۹۔ آپ نے فرمایا وُلاء اس کی ہے جو پیسے دے اس سے معلوم ہوا کہ مالک کے لیے وُلاء ہوگی ہر چند کہ وکیل نے پیسے دیے ہوں۔

۶۰۔ جو باندی آزاد کی جائے اس کو نکاح سابق میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار ملتا ہے خواہ اس کا خاوند اس وقت آزاد ہو یا غلام۔ اس پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

۶۱۔ آزاد ہونے کے فوراً بعد اس کو اختیار مل جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے وہ آزاد کی گئیں آپ نے ان کو بلا کر اختیار دیا اور انھوں نے اپنے شوہر کے مقابلہ میں خود کو اختیار کر لیا۔

۶۲۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ یہ اختیار تین دن تک ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اختیار ہمیشہ رہتا ہے، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ حاکم کی مجلس یا جس مجلس میں آزاد کی گئی ہے اس مجلس سے اٹھنے کے بعد یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

۶۳۔ اگر خیار عتق کے بعد آزاد کردہ باندی اپنے شوہر کو مجامعت کا موقع دے تو یہ اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث بریرہ کی بعض روایات سے یہ ثابت ہے اور امام مالک نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت حفصہ کا بھی یہی فتویٰ تھا، حضرت ابن عمر کی بھی یہی رائے تھی اور علامہ ابو عمر و ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ صحابہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

۶۴۔ اگر عورت اپنے اختیار سے لاعلمی میں خاوند کو مباشرت کا موقع دے تو آیا پھر اختیار ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل کے نزدیک نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کے قواعد کا بھی یہی تقاضا ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ جہل کی وجہ سے معذور ہے۔

۶۵۔ دارقطنی کی روایت میں ہے "ان وطئك فلا خيار لك" "اگر تمہارے خاوند نے تمہارے ساتھ مباشرت کر لی تو پھر تمہیں اختیار نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عورت کو اپنے شوہر کے کسی عیب (مثلاً غربت، دیوانگی وغیرہ) کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ اس کو وطی کا موقع دے تو اس کا اختیار باطل ہو جاتا ہے۔

۶۶۔ خیار سے فسخ نکاح کے بعد خاوند رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ حضرت مغیث حضرت بریرہ کے فراق میں سخت آزردہ ہونے کے باوجود رجوع نہیں کر سکے۔

۶۷۔ محبت میں محبوب کے پیچھے دربدر پھرنا جیسا کہ بروایت بخاری حضرت مغیث حضرت بریرہ کی محبت میں گلی کوچوں میں حضرت بریرہ کے پیچھے بریرہ، بریرہ پکارتے پھرتے تھے اور ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگتی رہتی تھی۔

۶۸۔ سفارش کا جواز، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیث کے لیے حضرت بریرہ سے نکاح کی سفارش کی

۶۹۔ اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو سفارش کرنے والے کو غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضرت بریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول نہیں کی تھی، اور آپ نے اس پر کسی قسم کے غم و غصہ کا اظہار نہیں کیا۔

۷۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس حکم کے بارے میں تصریح فرما دیں کہ یہ واجب نہیں ہے اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ملامت نہیں ہوتی۔

۷۱۔ امر علی الاطلاق وجوب پر محمول ہوتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے مغیث سے نکاح کے لیے فرمایا تو حضرت بریرہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ آپ کا امر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں میری سفارش ہے کہا پھر نکاح نہیں کروں گی۔

۷۲۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کسی سے دیوانہ وار محبت کرے تو اس کو بھی اس سے انس ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت بریرہ اور حضرت مغیث کے معاملے میں ایسا نہیں ہوا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے محبت ہے اور بریرہ مغیث سے نفرت کرتی ہے۔

۷۳۔ جب کسی شخص کو دو چیزوں میں سے ایک پر عمل کے لیے کہا جائے اور وہ ایسی صورت کو اختیار کرے جو کسی کو ناگوار ہو تو اس پر ملامت نہیں ہے جیسا کہ حضرت بریرہ کو حضرت مغیث کے ساتھ نکاح نہ کرنے پر ملامت نہیں کی گئی۔

۷۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کی عظمت کہ ایک باندی نے آپ کی سفارش قبول نہیں کی اور آپ نے کسی ملال کا اظہار نہیں کیا۔

۷۵۔ اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ آزاد ہونے کے بعد شوہر کو مسترد کر سکتی ہے۔

۷۶۔ امام شافعی نے اس حدیث کی بناء پر فرمایا حریت کا کفاءت میں اعتبار ہوتا ہے اور غلام آزاد کا کفو نہیں ہے۔

۷۷۔ جس عورت کا ولی نہ ہو وہ چاہے تو اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کر سکتی ہے کیونکہ حضرت بریرہ چاہتیں تو حضرت مغیث کے نکاح میں رہتیں۔ (یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے' احناف کے نزدیک حضرت مغیث آزاد تھے)

۷۸۔ جب باندی آزاد کر دی جائے تو اب اس کا خاوند دو کی بجائے تین طلاقوں کا مالک ہو جاتا ہے، چونکہ عورت پر اس کی ملکیت اب بڑھ جاتی ہے اس لیے اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔

۷۹۔ جب عورت کو اختیار دیا جائے اور وہ کہہ دے کہ "مجھے اس کی حاجت نہیں"، تو تفریق کر دی جائے گی کیونکہ حضرت بریرہ نے یہی کلمات کہے تھے۔

۸۰۔ اجنبی عورتوں کے گھر میں آنے کا جواز، خواہ مرد گھر پر ہو یا نہ ہو۔

۸۱۔ مکاتبہ کے آزاد ہونے کے بعد نہ اس کے ساتھ شوہر لاحق ہوتا ہے نہ بچے۔

۸۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ مطلقاً حرام ہے۔

۸۳۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لاحق ہیں جیسے آپ کی ازواج اور موالی ان پر نفلی صدقہ جائز ہے۔

۸۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر صدقہ واجبہ جائز نہیں ہے اور آپ کے موالی (آزاد کردہ غلام اور باندیوں) پر جائز ہے کیونکہ بریرہ پر صدقہ کیا گیا تھا۔

۸۵۔ جب فقیر پر کیے گئے صدقہ کو غنی پر ہبہ کر دیا جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور اگر بیچ دیا جائے تو بطریق اولیٰ جائز ہے

۸۶۔ ملک بدلنے سے چیز کا حکم بدل جاتا ہے، وہی گوشت پہلے صدقہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں آ گیا تو ہدیہ ہو گیا۔

۸۷۔ صدقہ اور ہدیہ کا حکم الگ الگ ہے۔

۸۸۔ گوشت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت، کیونکہ آپ نے فرمایا کیا میں آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں گوشت نہیں دیکھ رہا؟۔

۸۹۔ اہل خانہ کی صاحب خانہ کی خیر خواہی کرنا، کیونکہ گھر والوں نے اس لیے آپ کو گوشت نہیں دیا تھا کہ یہ صدقہ کا ہے۔

۹۰۔ جب باندی آزاد کر دی جائے تو وہ معاملات میں تصرف کر سکتی ہے، جیسا کہ حضرت بریرہ نے گوشت لیا اور ازواج کو پیش کیا۔

۹۱۔ آزاد شدہ باندی اپنی کمائی میں خاوند کی اجازت کے بغیر بھی تصرف کر سکتی ہے۔

۹۲۔ جو شخص کسی کے زیر کفالت ہو اس پر صدقہ کرنا، کیونکہ حضرت بریرہ، حضرت عائشہ کی زیر کفالت تھیں اور ان پر صدقہ کیا جاتا تھا حضرت عائشہ اس کو قبول فرماتیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار نہیں فرماتے تھے۔

۹۳۔ جس شخص کے اہل پر صدقہ کیا جائے وہ اس میں شریک ہو سکتا ہے۔

۹۴۔ عورت خاوند کے علم کے بغیر اس کے گھر میں ایسی چیز لا سکتی ہے جس کا خاوند مالک نہیں ہوتا۔

۹۵۔ ہر چند کہ عورت کا کھانا خاوند کے ذمہ ہے پھر بھی بیویوں کا اپنے شوہروں کے لیے کھانا پکانا جیسا کہ ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پکاتی تھیں۔

۹۶۔ مرد کو اپنے گھر میں جو مل جائے اس کا کھانا جائز ہے جبکہ یہ غلبہ ظن ہو کہ وہاں حلال چیزیں ہوتی ہیں اور اس کو اس چیز کے بارے میں بتانا چاہیے جس کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اس سے بچتا ہے۔

۹۷۔ جس چیز سے کسی علم یا کسی چیز کا حکم معلوم ہو سکتا ہو اس کا سوال کرنا مستحب ہے اور بسا اوقات واجب ہے۔

۹۸۔ اگر گھر میں کوئی نئی یا غیر معروف یا غیر مانوس چیز نظر آئے تو گھر والے کو اس کی تفتیش کرنی چاہیے۔

۹۹۔ ہدیہ کے جواب میں ہدیہ دینا لازم اور ضروری نہیں ہے۔

۱۰۰۔ ہدیہ کا گھر میں صرف پہنچا دینا ہی کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کو قبول کرایا جائے۔

۱۰۱۔ جس پر کوئی چیز صدقہ کی گئی ہے وہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے۔ اس سے صدقہ کرنے والے کے اجر میں کمی نہیں ہو گی۔

۱۰۲۔ جب کسی چیز میں بظاہر کوئی شبہ نہ ہو تو اس کی اصل کی تفتیش نہیں کرنی چاہیے۔

۱۰۳۔ اسی طرح جو جانور مسلمانوں میں ذبح ہوا ہو اس کے بارے میں تفتیش نہیں کرنی چاہیے کہ حلال ہے یا حرام ہے۔

۱۰۴۔ اگر کسی کو کم مقدار میں یا معمولی مقدار میں چیز صدقہ دی جائے تو اس کو ناراض نہیں ہونا چاہیے۔

۱۰۵۔ عورت کو اپنے تصرفات میں خاوند سے مشورہ کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کے آزاد کرنے کے معاملے میں حضور سے مشورہ کیا۔

۱۰۶۔ امور دینیہ میں عالم (مفتی) سے سوال کرنا چاہیے۔

۱۰۷۔ اگر کوئی شخص سوال نہ کرے تب بھی عالم کو اصلاح کے لیے مسئلہ بتانا چاہیے۔

۱۰۸۔ جب کسی عورت کو نکاح کا اختیار ملے تو اس کو مشورہ دینا چاہیے اور مشورہ میں اس کی خیر خواہی ہو۔

۱۰۹۔ مشورہ پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔

۱۱۰۔ حاکم بھی کسی کی سفارش کر سکتا ہے جب اس میں کسی کا ضرر نہ ہو اور کسی پر حکم لازم نہ کیا جائے۔

۱۱۱۔ کسی کی درخواست کے بغیر بھی اس کے حق میں سفارش کی جا سکتی ہے کیونکہ حضرت مغیث نے حضور سے شفاعت کے لیے درخواست نہیں کی تھی۔

۱۱۲۔ مسلمان کی دل جوئی اور اس کا غم دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۱۱۳۔ شفاعت کرنے والے کو اجر ملتا ہے خواہ اس کی شفاعت قبول نہ ہو۔

۱۱۴۔ جس کے پاس شفاعت کرنی ہے اگر اس کا مرتبہ شفاعت کرنے والے سے کم ہو تو اس وجہ سے شفاعت کرنے میں عار یا اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے حضرت مغیث کے لیے شفاعت کی۔

۱۱۵۔ اپنے تلامذہ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر متنبہ کرنا چاہیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس سے کہتے تھے کیا تم مغیث کی محبت اور بریرہ کی نفرت پر تعجب نہیں کرتے۔

۱۱۶۔ حضرت بریرہ کا حسن ادب ہے کیونکہ انھوں نے صراحۃً آپ کی شفاعت کو رد نہیں کیا بلکہ کہا مجھے مغیث کی حاجت نہیں ہے۔

۱۱۷۔ جب غلبہ محبت ہو تو حیاء چلی جاتی ہے کیونکہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی محبت کو چھپا نہ سکے۔

۱۱۸۔ جب کوئی شخص کسی کی محبت سے مغلوب ہو کر مارا مارا پھرے اور محبوب کی یاد میں روتا رہے اور اس کا نام لے کر پکارتا پھرے تو اس کو ملامت نہیں کرنی چاہیے اور اس کو معذور سمجھنا چاہیے جبکہ وہ اس میں مضطر ہو۔

۱۱۹۔ محبت ایک غیر اختیاری جذبہ ہے۔

۱۲۰۔ جو لوگ فی الواقع اللہ تعالیٰ کی محبت میں مغلوب ہو کر دوران سماع وجد میں آکر رقص کرتے ہیں اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہیں اور لوٹ لگاتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے یہ لوگ اس حال میں مرفوع القلم ہوتے ہیں (ہماری مراد اس سے وہ سماع ہے جو مزامیر سے خالی ہو کیونکہ اہل محبت اس چیز کو کبھی نہیں سنتے جس کے سننے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید سنائی ہو اور آپ نے اس کو ناپسند کیا ہو۔) ہاں مجذوبوں کا معاملہ الگ ہے اور سچے مجذوب کی یہ علامت ہے کہ وہ کبھی شریعت کا انکار نہیں کرتا۔

۱۲۱۔ جو مسلمان ایک دوسرے سے متنفر ہوں ان میں ملاپ کی کوشش کرنا خواہ زوجین ہوں یا نہیں، بشرطیکہ کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔

۱۲۲۔ شادی شدہ عورت کو ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۲۳۔ بڑے آدمی کا اپنے سے کمتر کے لیے نکاح کا پیغام دینا۔

۱۲۴۔ سفارش میں حسن ادب کو ملحوظ رکھنا خواہ بڑا چھوٹے سے سفارش کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ سے فرمایا: کاش تم مغیث کے پاس دوبارہ چلی جاؤ!

۱۲۵۔ غلام اپنی مطلقہ کو مالک سے اجازت لیے بغیر بھی نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔

۱۲۶۔ زوجین میں باہم محبت ہو یا نفرت ہو اس پر ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری امر ہے۔

۱۲۷۔ کسی شخص سے اس کی محبوب چیز چھن جائے یا چلی جائے تو اس کے فراق میں رونے پر ملامت نہیں کرنی چاہیے۔

۱۲۸۔ دنیا کی پیاری چیزوں کے فراق میں انسان روتا ہے تو آخرت کی پیاری چیزوں اور عبادات کے فراق پر بطریق اولیٰ رونا چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حج کے دوران حیض آگیا تو وہ بے اختیار رو پڑیں کہ حیض کی وجہ سے کچھ عبادات رہ جائیں گی۔

۱۲۹۔ بیوی سے محبت کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۳۰۔ جب عورت کسی شخص کو ناپسند کرتی ہو تو ولی اس کو اس سے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۳۱۔ جب عورت کو خاوند سے نفرت ہو تو ولی اس کے ساتھ رہنے پر جبر نہیں کر سکتا اور اگر اس سے محبت ہو تو اس سے علیحدگی پر مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۳۲۔ کسی شخص کا کسی عورت کی طرف نکاح یا رجوع میں میلان کرنا جائز ہے۔

۱۳۳۔ کسی شخص کا اپنی مطلقہ سے راستہ میں بات کرنا، اس کی محبت کو طلب کرنا جہاں جائے اس کے پیچھے جانا جائز ہے اور یہ جواز اس وقت ہے جب فتنہ سے مامون ہو۔

۱۳۴۔ جس سے حاجت روائی کی درخواست کی جائے وہ حاجت روائی میں اپنے نفع کے پہلو کا اعتبار کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کو خرید کر آزاد کرنے میں یہ شرط لگائی کہ ولاء ان کی ہوگی۔

۱۳۵۔ اگر مقروض کا قرض کوئی ادا کر دے تو جائز ہے اور ادا ہو جاتا ہے۔

۱۳۶۔ شوہر کا اپنی بیوی کے معاملہ میں فتویٰ دینا۔

۱۳۷۔ حاکم کا اپنی بیوی کے حق میں فیصلہ کرنا۔

۱۳۸۔ غلام خریدنے والے کا بائع سے یہ کہنا کہ میں آزاد کرنے کے لیے خرید رہا ہوں تاکہ وہ بیع میں نرمی کرے اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد یا مدرسہ کے لیے کوئی چیز کسی سے خریدے تو وہ بھی اس کو بتا دے کہ وہ مسجد یا مدرسہ کے لیے کوئی چیز خرید رہا ہے تاکہ وہ رعایتی قیمت لگائے اور آسان شرطوں پر فروخت کرے۔

۱۳۹۔ اللہ کا حق بندوں کے حقوق پر مقدم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شرط اللہ احق و اوثق "اللہ کی شرط پوری کی جانے کی زیادہ حقدار ہے" اسی طرح دوسری حدیث میں ہے اللہ کا قرض ادا کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔

۱۴۰۔ جس شخص کا کسی چیز پر ظاہراً قبضہ ہو وہ اس کا مالک قرار دیا جاتا ہے اسی بناء پر بریرہ کا مالک ان لوگوں کو تصور

کیا گیا۔

۱۴۱۔ جب کوئی شخص کسی چیز کو خریدے اور اس میں بظاہر کوئی شک نہ ہو تو خریدار اس کی اصل کی تفتیش میں نہ پڑے۔

۱۴۲۔ حاکم کا حکم، احکام شرعیہ میں تبدیلی نہیں کر سکتا، نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے۔

۱۴۳۔ کسی چیز کو عملاً بیان کرنا اس کے زبانی بیان کرنے سے ادنیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تم بریرہ کو خرید لو، ولاء تمہاری ہوگی اور حضرت عائشہ کے خریدنے کے بعد فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرط لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، الحدیث۔

۱۴۴۔ وقت حاجت تک بیان کو مؤخر کیا جا سکتا ہے اور جب ضرورت متحقق ہو جائے تو بیان کر دینا چاہیے۔

۱۴۵۔ جو حکم عام ہو اس کا اعلان کرنا واجب ہے یا تقاضائے حال کے اعتبار سے مستحب ہے۔

۱۴۶۔ حدیث کی روایت بالمعنی اور اس کا اختصار کرنا جائز ہے کیونکہ حدیث بریرہ ان دونوں طریقوں سے مروی ہے اور ضرورت کے اعتبار سے حدیث کے بعض جملوں کے بیان پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔

۱۴۷۔ عدت کا اعتبار عورتوں پر ہے۔ (یعنی باندی ہے تو دو حیض ورنہ تین حیض) کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے اس کو آزاد عورتوں کی عدت گذارنے کا حکم دیا گیا۔

۱۴۸۔ اس میں تصریح ہے کہ آزاد کردہ باندی کی عدت تین حیض ہے اور عدت میں حیض کا اعتبار کرنے سے احناف کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔

۱۴۹۔ بعض روایات میں "تعتد بحیض" کے الفاظ ہیں اس سے مراد جنس حیض ہے یعنی حیض سے عدت کا شمار ہوگا ایک حیض مراد نہیں ہے۔

۱۵۰۔ پہلے احکام کو سنن سے تعبیر کیا جاتا تھا، واجب سے کم پر سنت کا اطلاق کرنا، اصطلاح حادث ہے۔

۱۵۱۔ باندی کا نکاح اس کا مالک جبراً ایسے شخص سے کر سکتا ہے جس کو وہ بدصورتی یا بدخلقی کی بناء پر ناپسند کرتی ہو کیونکہ حضرت بریرہ خوبصورت تھیں اور حضرت مغیث سیاہ فام تھے ان کا نکاح جبراً کیا گیا تھا۔ حضرت بریرہ نے اختیار ملتے ہی یہ نکاح فسخ کر دیا۔

۱۵۲۔ اگر کسی شخص کو اپنے حق کا پتا نہ ہو تو اس کو متنبہ کرنا چاہیے کہ یہ تمہارا حق ہے۔

۱۵۳۔ مغیث (فریاد رسی کرنے والا) نام رکھنا جائز ہے ہر چند کہ حقیقی مغیث اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۵۴۔ مال کتابت کی کوئی حد نہیں ہے۔

۱۵۵۔ غلام کو آزاد کرنے والا اپنے غلام سے ہدیہ قبول کر سکتا ہے اس سے اجر میں کمی نہیں ہوتی۔

۱۵۶۔ کسی شخص سے اجازت لیے بغیر اس کے گھر والوں کو ہدیہ دینا۔

۱۵۷۔ جب کوئی شبہ نہ ہو تو عورت ہدیہ قبول کر سکتی ہے۔

۱۵۸۔ انسان کا اپنے گھر کے احوال کے بارے میں سوال کرنا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ آگ پر رکھی ہوئی پتیلی میں کیا ہے!

۱۵۹۔ جس چیز میں شبہ نہ ہو اس کی اصلیت کے بارے میں تفتیش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ بریرہ

WWW.NAFSEISLAM.COM

پر کس نے صدقہ کیا ، اس کا مال کیسا تھا ؟ آیا حلال تھا یا حرام ؟ ۔

۱۴۰۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت بریرہ کو اسلام میں سب سے پہلے مکاتب کیا گیا ، حضرت سلمان مردوں میں پہلے مکاتب تھے اور حضرت بریرہ عورتوں میں پہلی مکاتبہ تھیں ۔

۱۴۱۔ مکاتبت کی اقساط سے میعادی بیع اور قرض پر استدلال کیا گیا ہے ۔

۱۴۲۔ خاوند اور بیوی دونوں غلام ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو مکاتب کرنے کا جواز ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو میں سے کسی ایک کی بیع بھی جائز ہے ، جس کو کوئی فن نہ آتا ہو اس کو مکاتب کرنا بھی جائز ہے ۔

اس حدیث سے فقہاء اسلام نے اس سے بھی زیادہ مسائل مستنبط کیے ہیں ، علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے اس سے چار سو مسائل مستنبط کیے ہیں ۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام ابن خزیمہ اور امام ابن جریر نے اس حدیث کے مسائل پر مستقل کتابیں لکھی ہیں ، ہمیں چونکہ اس کتاب میں اختصار مطلوب تھا اس لیے ہم نے صرف ایک سو باسٹھ مسائل کا ذکر کیا ہے ، ان میں سے اکثر مسائل ہم نے فتح الباری کی مختلف ابحاث سے چنے ہیں ، اور بعض مسائل ہماری ذہنی کاوش اور جودت طبع کا نتیجہ ہیں ۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین وازواجہ امہات المؤمنین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین ۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهٖ

وَلاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے کی ممانعت

۳۶۷۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ قَالَ اَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهٖ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ سَمِعْتُ مُسْلِمَ بْنَ الْحَجَّاجِ يَقُوْلُ النَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالٌ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَلاء کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع کر دیا ، ابراہیم کہتے ہیں کہ مسلم بن حجاج نے کہا اس حدیث میں تمام لوگ عبد اللہ بن دینار کے شاگرد ہیں ۔

۳۶۷۹ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا

امام مسلم نے پانچ سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکور الصدر ارشاد روایت کیا ، البتہ عبید اللہ کی سند میں صرف بیع کا ذکر ہے ہبہ کا ذکر نہیں ہے ۔

سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنَّى قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ أَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّ الثَّقَفِيَّ لَيْسَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ إِلَّا الْبَيْعَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْهِبَةَ ۔

وَلاء کی بیع میں مذاہب فقہاء متقدمین اور متاخرین میں سے جمہور فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ وَلاء کی بیع اور اس کو منتقل کرنا حرام ہے، البتہ بعض متقدمین وَلاء کی بیع کے جواز کے قائل تھے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ شاید انہیں یہ حدیث نہیں پہنچی[1]

بَابُ تَحْرِيمِ تَوَلِّي الْعَتِيقِ غَيْرَ مَوَالِيهِ

آزاد شدہ کو اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی ممانعت

۳۶۸۰ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ بَطْنٍ عُقُولَهُ ثُمَّ كَتَبَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يَتَوَلَّى مَوْلَى رَجُلٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ ثُمَّ أُخْبِرْتُ أَنَّهُ لَعَنَ فِي صَحِيفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ ہر قبیلہ پر اس کی دیت واجب ہے پھر فرمایا کسی مسلمان کے آزاد شدہ غلام کے لیے آزاد کرنے والے کی اجازت کے بغیر دوسرے کا مولیٰ بننا جائز نہیں ہے۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ آپ نے ایسا کرنے والے پر اپنی کتاب میں لعنت لکھی ہے۔

۳۶۸۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۴۹۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو کسی قوم کی طرف منسوب کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی لعنت ہے، اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

۳۶۸۲- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر اپنے آپ کو کسی قوم کی طرف منسوب کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی لعنت ہے قیامت کے دن اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

۳۶۸۳- وَحَدَّثَنِيْهِ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ نَا شَيْبَانُ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ وَمَنْ وَّالٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ بِغَيْرِ اِذْنِهِمْ۔

ایک اور سند سے بھی حسب سابق روایت ہے البتہ من تولی کی جگہ من والی کے الفاظ ہیں۔

۳۶۸۴- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ نَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَطَبَنَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهٗ اِلَّا كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةَ قَالَ وَصَحِيْفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فِيْ قِرَابِ سَيْفِهٖ فَقَدْ كَذَبَ فِيْهَا اَسْنَانُ الْاِبِلِ وَاَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ وَفِيْهَا

ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا: جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے سوا کوئی اور کتاب پڑھتے ہیں تو وہ جھوٹ بولتا ہے وہ صحیفہ حضرت علی کی تلوار کی میان سے لٹکا ہوا تھا، آپ نے فرمایا اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا ذکر ہے اور زخموں کی دیت کا بیان ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مدینہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے جو شخص مدینہ میں عبادت کا کوئی نیا طریقہ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ وَمَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوِ انْتَمٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا۔

وضع کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول کرے گا نہ نفل، اور تمام مسلمانوں کا ذمہ واحد ہے، ایک ادنیٰ مسلمان بھی ذمہ دے سکتا ہے، اور جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف کرے یا اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی تمام انسانوں اور فرشتوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

مفہوم مخالف کی وجہ سے ایک اشکال کا جواب

حدیث نمبر ۳۶۸۱ میں ہے "جو شخص اپنے آزاد کرنے والوں کی اجازت کے بغیر خود کو کسی قوم کی طرف منسوب کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہو" اس حدیث کے مفہوم مخالف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والے اس کو اجازت دے دیں تو پھر وہ اپنے آپ کو کسی اور قوم کی طرف منسوب کر سکتا ہے، حالانکہ اس صورت میں بھی اپنے آپ کو کسی اور قوم کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہاء احناف کو تو اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک قرآن اور حدیث کے احکام میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا، البتہ فقہاء شافعیہ مفہوم مخالف کے قائل ہیں اس لیے ان کے قواعد پر یہ اشکال لاحق ہوگا!

علامہ نووی شافعی اس اشکال کے جواب میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں تقیید اکثر اور غالب پر محمول ہے، کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ موالی اس کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم" جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی پچھلی لڑکیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں (وہ بھی تم پر حرام ہیں)" اسی طرح قرآن مجید میں ہے: "ولا تقتلوا اولادکم من املاق۔ (انعام ۱۵۱)" "اپنی اولاد کو تنگی رزق کے ڈر سے قتل مت کرو" ان آیات میں بھی اکثر اور غالب مواقع کے اعتبار سے کلام کیا گیا ہے اور مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

مفہوم مخالف کی تعریف

مفہوم مخالف یہ ہے کہ مسکوت عنہ کا حکم نفی اور اثبات میں منطوق (مذکور) کے خلاف ہو، پس مسکوت عنہ کے لیے منطوق کے خلاف حکم ثابت ہوگا، اس کو دلیل خطاب کہتے ہیں۔

مفہوم مخالف کے حکم میں مذاہب فقہاء

مفہوم اللقب کے علاوہ مفہوم مخالف کی تمام اقسام جمہور فقہاء کے نزدیک معتبر ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفہوم مخالف

کی کوئی قسم معتبر نہیں ہے ، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے شرح اللمع میں علامہ قفال شاشی اور علامہ ابو حامد مروزی سے اسی طرح نقل کیا ہے ، امام اشعری بھی مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔ [1]

شمس الائمہ سرخسی حنفی نے کتاب السیر میں لکھا ہے کہ خطابات شرع (قرآن اور حدیث) میں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے اور لوگوں کے عرف اور ان کی اصطلاحات میں مفہوم مخالف حجت ہے ، اور بعض متاخرین شافعی علماء نے اس کے برعکس کہا ہے کہ مفہوم مخالف اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں حجت ہے اور عبارات علماء میں حجت نہیں ہے ، علامہ زرکشی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

مفہوم مخالف کے اعتبار کی شرائط

مفہوم مخالف حسب ذیل شرائط کے بعد حجت ہوتا ہے۔

(۱) مفہوم مخالف اس وقت حجت ہوگا جب اس کے معارض اس سے قوی منطوق یا مفہوم موافق نہ ہو ، شیخ ابو اسحاق شیرازی نے کہا ہے کہ اگر مفہوم مخالف کے قیاس جلی معارض ہو تو قیاس کو مقدم کیا جائے گا اور قیاس خفی میں دو قول ہیں اور اگر اس کے معارض کوئی حکم عام ہو تو حکم عام پر عمل کیا جائے گا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ منطوق سے امتنان اور احسان کا اظہار مقصود نہ ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "لتأکلوا منہ لحما طریا" (نحل : ۱۴) "وہ ذات جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ" اس آیت میں گوشت کو تازہ کے ساتھ مقید کیا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کا ذکر فرماتے ہوئے اس صفت (تازہ) کا ذکر کیا ہے اس لیے یہاں اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے یہ معنی نہیں ہوگا کہ باسی گوشت کھانے کی ممانعت ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ منطوق کسی حکم خاص یا حادثہ خاصہ سے متعلق سوال کا جواب نہ ہو ، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : "لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ" (آل عمران : ۱۳۰) "اے ایمان والو دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" اس آیت میں مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے یہ معنی نہیں ہوگا کہ "سود مفرد کھایا کرو" کیونکہ یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ کچھ لوگ مدت پوری ہونے کے بعد مقروض سے کہتے تھے یا تو سود ادا کرو ورنہ اس سود پر اور سود لگ جائے گا۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ منطوق میں کسی صفت سے تعظیم کا قصد نہ کیا گیا ہو ، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان لاتی ہو وہ خاوند کے سوا کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے" اس حدیث میں اللہ اور آخرت پر ایمان کی قید محض اس حکم کی تفخیم اور تعظیم کے لیے ہے ، اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ منطوق میں صفت کا ذکر استقلالاً ہو اگر اس کا تبعاً ذکر ہو تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد" (بقرہ : ۱۸۷) "اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو درآں حالیکہ تم مساجد میں معتکف ہو" اس آیت میں مساجد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کیونکہ اعتکاف میں مباشرت مطلقاً ممنوع ہے۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

(٦)۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ سیاق کلام سے عموم کا قصد ظاہر نہ ہو، اگر سیاق کلام سے یہ ظاہر ہو کہ یہاں عموم مراد ہے تو پھر مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "واللہ علی کل شیء قدیر" (حشر: ٦) "اللہ تعالیٰ ہر موجود پر قادر ہے" اس کا یہ مفہوم معتبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ معدوم پر قادر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معدوم اور ممکن پر بھی قادر ہے۔

(٧)۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ مفہوم مخالف مراد لینے سے اس کی اصل یعنی منطوق باطل نہ ہو جائے۔

(٨)۔ آٹھویں شرط یہ ہے کہ منطوق میں جو قید لگائی گئی ہے وہ باعتبار اکثر اور اغلب کے نہ ہو، اگر منطوق کی قید باعتبار اغلب کے ہو تو مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے "وربائبکم التی فی حجورکم" (نساء: ٢٣) "جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی پچھلک لڑکیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں" (وہ بھی تم پر حرام ہیں) اس کا یہ مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ تمہاری بیویوں کی جو پچھلک لڑکیاں تمہارے زیر پرورش نہیں ہیں وہ تم پر حلال ہیں۔

جمہور کے نزدیک اس باب کی احادیث میں مفہوم مخالف کے اعتبار نہ کرنے کی وجہ اسی شرط کا نہ پایا جانا ہے۔

مفہوم مخالف کی اقسام

جن مفاہیم مخالفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے ان کی اقسام حسب ذیل ہیں:

(١) پہلی قسم ہے مفہوم الصفۃ، یعنی ذات کی کسی ایک صفت پر حکم معلق کیا جائے، جیسے "فی سائمۃ الغنم زکوٰۃ" "خودرو گھاس چرنے والی بکریوں میں زکوٰۃ ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جن بکریوں کو کاشت کر کے یا خرید کر چارہ کھلایا جاتا ہے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(٢)۔ دوسری قسم ہے مفہوم العلۃ، یعنی کسی چیز کی علت پر حکم معلق ہو جیسے "حرمت الخمر لاسکارھا" "یعنی شراب نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ شراب اپنے کسی اور وصف مثلاً مخصوص رنگ اور ذائقہ کی وجہ سے حرام نہیں ہے (پہلی قسم میں وصف عام ہے علت ہو یا نہ ہو اور یہاں وصف خاص ہے)۔

(٣)۔ تیسری قسم ہے مفہوم شرط، شرط سے مراد شرط شرعی ہے جس پر مشروط کا وجود موقوف ہو اور وہ مشروط میں داخل اور اس میں مؤثر نہ ہو جیسے استقبال قبلہ نماز کے لیے شرط ہے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کسی اور جانب منہ کرنا نماز میں شرط نہیں ہے۔ شرط سے شرط لغوی مراد نہیں ہے جیسے "ان اکرمتنی اکرمتک" "اگر تم میری عزت کرو گے تو میں بھی تمہاری عزت کروں گا" "متی جئتنی اعطیتک" "جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تم کو عطا کروں گا۔"

(٤)۔ چوتھی قسم ہے مفہوم العدد یعنی کسی عدد پر حکم معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ پر حکم معلق نہیں ہوگا جیسے قرآن مجید میں ہے: "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء" (بقرہ: ٢٢٨) "مطلقہ عورتیں تین حیض گذاریں" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت دو حیض ہے نہ چار حیض۔ مفہوم مخالف کی اس قسم کا فقہاء احناف نے بھی اعتبار کیا ہے۔

(٥)۔ پانچویں قسم ہے مفہوم الغایت، یعنی کسی چیز کی انتہا پر حکم معلق کیا جائے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس بیان کردہ انتہاء کے ماوراء یہ حکم نہیں ہے جیسے قرآن مجید میں وضوء کے حکم میں ہے "فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق" (مائدہ: ٦) "اپنے چہروں کو دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ" اس

کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ کہنیوں کے بعد مثلاً بغلوں تک ہاتھوں کو دھونا وضو میں فرض نہیں ہے۔
جمہور فقہاء احناف نے بھی مفہوم مخالف کی اس قسم کو معتبر مانا ہے۔

(۶) چھٹی قسم ہے مفہوم اللقب۔ یعنی علم شخصی یا علم نوعی پر حکم کو معلق کیا جائے جیسے "زید قائم" "زید کھڑا ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اور کوئی شخص نہیں کھڑا، یا "فی الغنم زکوٰۃ" "بکریوں میں زکوٰۃ ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بکریوں کے علاوہ اور کسی جانور میں زکوٰۃ نہیں ہے۔
جو فقہاء مفہوم مخالف کے قائل ہیں ان میں سے قاضی ابوبکر الدقاق کے سوا کسی نے بھی اس قسم کا اعتبار نہیں کیا لہٰذا یہ قسم محل نزاع سے خارج ہے۔

(۷) ساتویں قسم ہے مفہوم الحصر، جیسے "ما قام الا زید" "زید کے علاوہ کوئی اور شخص کھڑا نہیں ہوا" فقہاء احناف بھی مفہوم حصر کو مانتے ہیں لیکن وہ اس کو کلام کا مفہوم مخالف نہیں کہتے، وہ کہتے ہیں کہ حصر اس کلام کا منطوق صریح ہے۔ (وھو الاشبہ بالحق - از سعیدی)۔

(۸) مفہوم الزمان، جیسے الحج اشہر معلومات (البقرہ) "حج معروف مہینوں میں ہے" اس کا مفہوم مخالف یہ کہ ان مہینوں کے علاوہ میں حج نہیں ہے۔ لیکن یہ قسم مفہوم صفت میں داخل ہے۔

(۹) دسویں قسم ہے مفہوم المکان جیسے "جلست امام زید" "میں زید کے آگے بیٹھا" یعنی پیچھے نہیں بیٹھا، یہ قسم امام شافعی کے نزدیک حجت ہے۔
یہ ساری بحث قاضی شوکانی نے بیان کی ہے[1] جس کا خلاصہ ہم نے کچھ ضروری وضاحتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

بَابُ[۴۸۱] فَضْلِ الْعِتْقِ — غلام آزاد کرنے کی فضیلت

۳۶۸۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ ابْنُ هِنْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس شخص کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔

۳۶۸۶ - حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

[1] قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ص ۱۷۰۔۱۷۵ مطبوعہ مکتبۃ الخانجی مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۷ھ

قَالَ نَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ اَبِيْ غَسَّانَ الْمَدَنِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهَا عُضْوًا مِّنْ اَعْضَائِهِ مِنَ النَّارِ حَتّٰى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا، حتیٰ کہ غلام کی فرج کے بدلہ میں اس کی فرج کو آزاد کر دے گا۔

۳۶۸۷- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ حَتّٰى يُعْتِقَ فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے ہر عضو کو آزاد کر دے گا حتیٰ کہ غلام کی شرمگاہ کے بدلہ میں اس کی شرمگاہ کو آزاد کر دے گا۔

۳۶۸۸- حَدَّثَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ نَا عَاصِمٌ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ الْعُمَرِيُّ قَالَ نَا وَاقِدٌ يَعْنِيْ اَخَاهُ قَالَ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ ابْنُ مَرْجَانَةَ صَاحِبُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اَعْتَقَ امْرَاً مُّسْلِمًا اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ قَالَ فَانْطَلَقْتُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مرد کسی مسلمان مرد کو آزاد کر دے گا، اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے نجات دے گا۔ سعید بن مرجانہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو میں نے جا کر اس کا ذکر علی بن حسین (امام زین العابدین) سے کیا تو انھوں نے اپنے ایک غلام کو آزاد کر دیا جس کی قیمت ابن جعفر ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دے رہے تھے۔

حِيْنَ سَمِعْتُ الْحَدِيْثَ مِنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَذَكَرْتُهٗ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَشَرَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ اَوْ اَلْفَ دِيْنَارٍ۔

بغیر توبہ کے محض عبادات سے مغفرت کی بحث

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
بعض علماء نے یہ بحث کی ہے کہ غلام آزاد کرنے سے کیا مرتکب کبیرہ کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے؟ جبکہ اس پر اتفاق ہے کہ گناہ کبیرہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ قاضی ابن العربی نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد صغائر (مثلاً رانوں سے استلذاذ) کی مغفرت ہے یا جس شخص نے غلام آزاد کیا ہو گا اس کی نیکیاں میزان میں زیادہ ہوں گی کیونکہ غلام کی نیکیوں کا بھی اس کے نامۂ اعمال میں وزن کیا جائے گا۔[1]

تاہم یہ بعید نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ عام قاعدہ یہی ہے کہ گناہ کبیرہ کی مغفرت توبہ سے ہوتی ہے، لیکن جن عبادات پر احادیث میں بشارت مغفرت کی تصریح ہے وہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے حج کرنے والے کے لیے جنت کی بشارت ہے، شہید کے لیے جنت کی بشارت ہے اسی طرح غلام آزاد کرنے والے کے لیے بھی جنت کی بشارت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو توبہ سے بھی معاف فرماتا ہے اور بلا توبہ اپنے فضل محض سے بھی گناہوں کو معاف کرتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (نساء: ۴۸)
"اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو نہیں بخشے گا اور اس کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔"

حدیث نمبر ۳۶۸۸ میں مسلمان مرد کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان مرد کو آزاد کرنا مسلمان عورت کو آزاد کرنے سے افضل ہے، نیز ان احادیث میں مسلمان کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اور مسلمان غلام کو آزاد کرنا کافر غلام سے یقیناً افضل ہے لیکن کافر غلام کو آزاد کرنا بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے۔

بَابٌ ۴۸۲ فَضْلِ عِتْقِ الْوَالِدِ
اپنے والد کو آزاد کرنے کی فضیلت

۳۶۸۹- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا جَرِيْرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِىْ وَلَدٌ وَالِدًا اِلَّا اَنْ يَجِدَهٗ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهٗ فَيُعْتِقَهٗ وَفِىْ رِوَايَةِ ابْنِ اَبِىْ شَيْبَةَ وَلَدٌ وَالِدَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام دیکھے اور پھر اس کو خرید کر آزاد کر دے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

[1] حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۴۸ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ۔

٣٦٩٠ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي ح قَالَ وَحَدَّثَنِي عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ كُلُّهُمْ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُهَيْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَقَالُوا وَلَدٌ وَالِدَهُ ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے، اس میں بھی یہ ہے کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا ۔

محارم کا مالک ہونے کے بعد ان کے آزاد ہونے میں مذاہب

ائمہ اربعہ کے نزدیک باپ کا آزاد ہونا محض خریدنے پر مترتب ہو جاتا ہے البتہ غیر مقلدین کے نزدیک صرف خریدنے سے کوئی شخص آزاد نہیں ہوتا جب تک کہ خریدنے کے بعد وہ اس کو از خود آزاد نہ کر دے ۔ غیر مقلدین کی دلیل اس باب کی حدیث ہے "کوئی شخص باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا الا یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام دیکھے اور پھر خرید کر اس کو آزاد کر دے ۔

ائمہ اربعہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ آزادی کا سبب خریدنا ہے اس لیے اس حدیث میں خریدنے کے ساتھ آزاد کرنے کا ذکر کر دیا ہے، ورنہ جیسے ہی کوئی شخص اپنے باپ کو خریدے گا وہ آزاد کرے یا نہ کرے اس کا باپ خود بخود آزاد ہو جائے گا، ائمہ اربعہ کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا وہ آزاد ہے[1] یہ حدیث امام ابو داؤد کے علاوہ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے ۔

نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ حدیث "من ملک ذا رحم محرم فهو حر" نسائی کے علاوہ باقی پانچ کتابوں میں ہے (نواب صاحب کو مغالطہ ہوا ہے یہ حدیث صحیحین کے علاوہ صحاح کی باقی چار کتابوں میں ہے ۔ از سعیدی) —— اور مسلم کی حدیث جو اس باب میں ہے اس کو بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کے تمام مصنفین نے روایت کیا ہے۔ اکثر اہل علم کا مسلک حضرت سمرہ کی حدیث کے موافق ہے، صحابہ اور تابعین کی اکثریت کے علاوہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے[2]

علامہ ابو الحسن مرغینانی لکھتے ہیں کہ اصول اور فروع کے آزاد کیے جانے میں تو امام شافعی ہمارے ساتھ متفق ہیں باقی محارم کے آزاد کیے جانے میں ان کا اختلاف ہے، کیونکہ مالک کی رضا مندی کے بغیر آزاد قرار دینا خلاف قیاس ہے اور بھائی اور دوسرے محرم رشتہ داروں کی قرابت' ولادت کی قرابت سے کم درجہ کی ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی العموم فرمایا جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا وہ آزاد ہے[3]

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۹۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، السراج الوہاج ج ۱ ص ۵۸۷ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۲ھ

[3] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۲۲۹ - ۲۲۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک ولادت (اصول و فروع) اور بھائیوں اور بہنوں میں آزادی جاری ہوگی باقی محارم میں نہیں، [1]

امام مالک پر بھی یہ حدیث حجت ہے' اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے علاوہ باقی فقہاء امام شافعی اور امام مالک قیاس پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں، اس مسئلہ سے امام ابوحنیفہ کا عمل بالحدیث اور حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کرنا واضح ہوتا ہے۔

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۴۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب البیوع

بیع کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ قیمت والی چیز کو دے کر قیمت کو لینا بیع ہے اور خریدنے اور بیچنے دونوں پر بیع کا اطلاق ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یبیعن احدکم علی بیع اخیہ " کوئی شخص دوسرے بھائی کی بیع کو نہ خریدے" یہاں خریدنے پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے[1]

علامہ ابن نجیم مصباح کے حوالے سے بیع کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ایک چیز کے بدلہ میں دوسری چیز دینا عام ازیں کہ وہ مال ہو یا نہ ہو قرآن مجید میں ہے " وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ " (یوسف: ۲۰) انھوں نے اس کو معدودے چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا" حالانکہ حضرت یوسف آزاد شخص تھے "مال" نہ تھے۔ ہر چند کہ لغت میں بیع کا اطلاق خریدنے اور بیچنے دونوں پر ہوتا ہے لیکن بائع کا متبادر معنی بیچنے والا ہے۔[2]

بیع کا شرعی معنی

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ علامہ نسفی (صاحب کنز) نے لکھا ہے کہ البیع مبادلۃ المال بالمال بالتراضی " باہمی رضامندی سے مال کے بدلے میں مال دینے کو بیع کہتے ہیں" اور الکشف الکبیر میں لکھا ہے کہ جس چیز کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس کو بوقت ضرورت ذخیرہ کیا جا سکے اس کو مال کہتے ہیں، کسی چیز کا مال ہونا تب ثابت ہوتا ہے جب عرف میں اس کی کوئی قیمت ہو اور جس چیز سے بغیر قیمت کے نفع حاصل کرنا مباح ہو (جیسے گندم کا ایک دانہ) وہ مال نہیں ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے کسی مرغوب چیز کا دوسری مرغوب چیز سے تبادلہ اگر قولاً ہو تو یہ ایجاب و قبول (متعارف بیع) ہے اور اگر فعلاً ہو تو یہ بیع تعاطی ہے[3] (بیع تعاطی کی تفصیل باب ۴۷۲ میں آرہی ہے۔

بیع اور شراء کے حوالے سے نظام سرمایہ داری اور نظام اشتراکیت کا تعارف

بیع اور شراء یعنی تجارت معاشیاتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ مادہ پرست لوگ جن کا مطمح نظر زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کرنا ہے وہ بیع اور شراء میں

---

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات: ص ۶۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

[2] علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

[3] " " " ، البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۶-۲۵۷، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

کسی قید وحد کے قائل نہیں۔ وہ ہر ایسے طریقہ کو جائز خیال کرتے ہیں جس کے سبب زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کیا جا سکے،
اس کے برخلاف اسلام کا مطمع نظر اخروی فوز و فلاح ہے، ہر چند کہ انسان کی بقاء اور خوشحالی کے لیے اسلام نے طلب
تجارت کو فضل اللہ اور مال کو خیر کہا ہے لیکن حسب حیثیت انسان کو آزاد اور بے لگام نہیں چھوڑا اور تجارت، شرکت
مضاربت، صنعت و حرفت اور اجارات کے قواعد و ضوابط بیان کیے ہیں، آجر اور اجیر کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں
زکوٰۃ و صدقات کا نظام قائم کیا ہے، نہ نظام سرمایہ داری کا جبر و استبداد ہے، جس میں صرف مالداروں کی رعایت ہوتی ہے
اور غریبوں اور مزدوروں کے حقوق اور ان کی ضروریات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی، نہ اشتراکیت کا ظلم اور جور ہے جس میں افراد کی ملکیت
کو بزور چھین کر پارٹی کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے۔

چونکہ کتاب البیوع سے اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کے بیان کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے، اس لیے ہم
جدید نظام ہائے معاشی سے سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام کا اسلام کے اقتصادی نظام سے موازنہ پیش کر رہے ہیں
جس سے واضح ہو جائے گا کہ انسانیت کی فوز و فلاح صرف اسلام کے دامن سے وابستہ ہے۔

نظام سرمایہ داری میں ذاتی نفع کی حیثیت

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد افراد کے ذاتی نفع پر ہے اس کے برعکس
اشتراکی نظام کی بنیاد پارٹی کے نفع پر ہے۔ پہلے ہم نظام سرمایہ داری
کے اہم اصول بیان کر رہے ہیں۔

نظام سرمایہ داری میں اشیاء ضرورت کی پیداوار اور ترقی کے لیے فائدہ کی طمع اور نفع کی امید پر انحصار کیا جاتا ہے،
کیونکہ نفع کے امکانات جس قدر کم ہوں گے انسان کی جد و جہد اور محنت اسی قدر کم ہو گی اور نفع کا امکان جس قدر روشن
ہوگا انسان اس قدر زیادہ محنت اور جد و جہد کرے گا اس طرح پیداوار خود بخود بڑھے گی اس کا معیار بہتر ہوتا جائے گا،
اسی طرح ذرائع اور وسائل کے استعمال سے صنعت و حرفت اور اشیاء صرف کا پھیلاؤ دن بدن بڑھتا جائے گا اور یہ
کام ذاتی نفع کے لالچ کی بناء پر ہی ہو سکتا ہے، اگر کسی کارخانے یا تجارتی ادارے کو قومی ملکیت میں لے کر چلایا جائے
تو اس سے یہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، ہمارے ملک میں ریلوے کا مسلسل خسارے میں جانا اور بہت سی قومیائی ہوئی
صنعتوں کا ڈوب جانا اور حکومت کا انھیں واپس سابقہ مالکوں کی تحویل میں دے دینا اس کا واضح ثبوت ہے۔

نظام سرمایہ داری میں طلب اور رسد کی حیثیت

ذاتی نفع کے زیادہ سے زیادہ حصول کے لیے نظام
سرمایہ داری میں "رسد" اور "طلب" پر اعتماد کیا جاتا
ہے۔ رسد سے مراد یہ ہے کہ تاجر اپنے مال تجارت کو یا صنعتکار اپنی مصنوعات کو بازار میں فروخت کے لیے لائے اور
طلب سے مراد یہ ہے کہ خریداروں میں ضرورت پیدا کر کے انھیں خریداری کے لیے بازاروں میں لایا جائے اور اقتصادیات
کا یہ اصول ہے کہ رسد جب طلب سے زیادہ ہو گی تو قیمتیں گر جائیں گی اور جب طلب رسد سے بڑھ جائے گی تو قیمتیں
چڑھ جائیں گی، اس کے لیے تاجر اور صنعتکار مختلف ذرائع اور وسائل سے طلب میں اضافہ کرتے رہتے ہیں، اور
مصنوعی طریقوں سے رسد میں کمی کرتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں اجناس کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا
رہتا ہے اور جو قیمت ایک دفعہ چڑھ جاتی ہے وہ کبھی پیچھے نہیں اترتی بلکہ اس میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

نظام سرمایہ داری کو پروان چڑھانے میں سود کا کردار

آج کل تمام دنیا میں جو نظام سرمایہ داری رائج ہے اس کی پرورش کا سب سے بڑا عنصر سود ہے، تاجر اور صنعتکار اپنی کاروباری ساکھ کی بنیاد پر بینکوں سے سود پر بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے ہیں۔ ان رقموں سے بھاری صنعتیں قائم کرتے ہیں اور اعلیٰ پیمانے پر تجارت کرتے ہیں، بینکوں کا یہ سرمایہ دراصل عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے پہلے بینک عوام کو سال کے بعد چھ فی صد سود دیتا تھا اب چھ سے آٹھ فی صد تک اسی سود کو بینک منافع کے نام سے دیتا ہے تاجروں اور صنعتکاروں کو بینک جو رقم قرض دیتا ہے پہلے ان سے چودہ فی صد سود وصول کرتا تھا اب چونکہ ملک میں بلا سود بینکاری کا نظام رائج ہے، اس لیے بینک تاجروں اور صنعت کاروں سے کہتا ہے یا تو حق مضاربت دو ورنہ تمہارے قرض پر چودہ فی صد مارک اپ (Mark up) کر دیا جائے گا، چنانچہ بینک ان کے قرض میں چودہ فی صد اضافہ کر دیتا ہے اور یوں بلا سود بینکاری کے نام سے بینک عوام کے روپیہ پر چودہ فی صد وصول کرتا ہے اور چھ تا آٹھ فیصد عوام کو دے دیتا ہے۔

تاجروں اور صنعت کاروں کو یہ سود اپنی جیب سے نہیں دینا پڑتا وہ مصنوعات اور اموال تجارت میں اس رقم کو شامل کر کے قیمت وصول کرتے ہیں انہیں چودہ فی صد سود ادا کر کے بھی کوئی گھاٹا نہیں ہوتا اور عوام اپنے ہی پیسوں سے تیار کردہ اشیاء کو مہنگے داموں میں خریدتے ہیں اور یوں سود کی بدولت امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جاتا ہے

سودی نظام کی وجہ سے آڑھتی حضرات اپنی تجارتی ساکھ کی بنیاد پر بینک سے قرض حاصل کر کے سینکڑوں ٹن غلہ اور کپاس خرید کر بینک کے گوداموں میں رکھوا دیتے ہیں اور جب بازار میں اجناس اور مصنوعات کی قلت ہوتی ہے تو صنعت کار اور آڑھتی حضرات گوداموں سے مال نکال کر کھلے بازار میں لاتے ہیں اور اس عرصہ میں جو ان پر گوداموں کا کرایہ، انشورنس کا خرچ اور دیگر اخراجات لاحق ہوتے ہیں ان اخراجات کو یہ لوگ منافع سمیت اس جنس کی قیمت پر ڈال دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پندرہ روپے کی لاگت کی چیز سو روپیہ میں بھی بمشکل دستیاب ہوتی ہے اور اس زیادتی کا بار بینک پر پڑتا ہے نہ آڑھتی یا صنعت کار پر، اس تمام زائد خرچ کا بار عوام اور صارفین پر پڑتا ہے، سرمایہ دار بینک کے قرض کے سہارے ایک کارخانہ سے دوسرا کارخانہ لگاتا ہے اور بینک اس قرض کا سود در سود وصول کر کے چند سال میں اپنی رقم کو دگنا کر لیتا ہے اور ملک کی تمام دولت سمٹ کر چند بڑے بڑے صنعت کاروں اور بینکوں کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں پچھلے تینتالیس برسوں میں صنعت کار اور تاجر پہلے سے زیادہ امیر اور مزدور اور ہاری پہلے سے زیادہ غریب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ صرف سود کی لعنت ہے جو عوام کے جسم سے خون نچوڑ کر سرمایہ داری کو پروان چڑھا رہی ہے۔

سود کے استحصالی نظام کو ختم کرنے میں اسلام کی ہدایات

اب جبکہ ہم نے کہ تمام دنیا کے مذاہب میں وہ کون سا مذہب ہے جس نے سودی کاروبار کی ممانعت کی ہے اسلام کے سوا دنیا کا کوئی اور مذہب نہیں ہے جس نے سودی کاروبار سے روکا ہو، اللہ تعالیٰ نے جس قدر شدت کے ساتھ سود لینے پر وعید سنائی ہے وہ کسی اور گناہ پر نہیں سنائی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۰ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ۔ (بقرہ ۲: ۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو! اگر تم سچے مسلمان ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ قبول کرلو۔

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَہٗ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ فَانْتَھٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُہٗٓ اِلَی اللّٰہِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ (بقرہ ۲: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ سودی کاروبار سے رک گیا تو اس سے پہلے جو ہوچکا ہے وہ اسی کا مال ہے اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جس نے دوبارہ سودی کاروبار کیا وہ ان جہنمیوں میں سے ہے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سود کی حرمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ذیل ارشادات ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر قال لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰکل الربٰو و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر لعنت فرمائی اور سود کھلانے والے پر اور سودی معاملہ کو لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والوں پر، اور فرمایا: یہ تمام لوگ گناہ میں برابر ہیں۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الربٰو سبعون جزءً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کی برائی کے ستر درجے ہیں اور سب سے کم درجہ کی برائی ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔ (العیاذ باللہ)

نظام سرمایہ داری کو پھیلانے میں احتکار (ذخیرہ اندوزی) کا حصہ

نظام سرمایہ داری کی نشوونما میں دوسرا بڑا عنصر احتکار (ذخیرہ اندوزی)

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ ھ

[2] امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہے، سرمایہ دار کاروبار کے فطری اور معقول طریقوں کو چھوڑ کر اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جن سے مصنوعی طریقوں سے قیمتیں چڑھتی ہیں، وہ اپنے سرمائے کے بل بوتے پر زیادہ سے زیادہ اشیاء صرف کو خرید کر اپنے گودام بھر لیتے ہیں یہاں تک کہ بازار میں ان کی رسد کم اور طلب بڑھ جاتی ہے اور سرمایہ دار مصنوعی گرانی پیدا کرکے دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹ کر اپنے سرمایہ میں اضافہ کرتے ہیں۔!

احتکار کے استحصال کو ختم کرنے کے لیے اسلام کی ہدایات

اسلام ہی صرف واحد مذہب ہے جس نے سرمایہ داروں کو احتکار سے روکا ہے، حسب ذیل احادیث میں احتکار کی حرمت کا بیان ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحتکر الا خاطیٔ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احتکار کرنے والا گنہگار ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحتکر ملعون۔[2]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احتکار کرنے والا لعنتی ہے۔

سرمایہ داری کے فروغ میں سٹے کا دخل

نظام سرمایہ داری کے فروغ میں سٹے کا بہت بڑا حصہ ہے فریقین صرف کاغذ پر خرید و فروخت کرتے ہیں مال کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ سینکڑوں آدمی محض اپنے بینک بیلنس اور ٹیلی فون کے ذریعہ مال بیچتے اور خریدتے ہیں، جبکہ اس مال کو پیدا کرنے لانے یا اس کو کارآمد بنانے کے لیے انھوں نے کوئی کام نہیں کیا ہوتا جس کی وجہ سے وہ اس مال کے جائز حقدار ہوں۔

سٹے کو روکنے کے لیے اسلام کی تعلیمات

اسلام کے سوا کسی مذہب نے سٹے کے کاروبار سے ممانعت نہیں کی، حسب ذیل احادیث سے سٹے کی ممانعت ثابت ہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن حکیم بن حزام قال نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع ما لیس عندی۔[3]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس چیز کے بیچنے سے منع کیا ہے جو میرے پاس نہ ہو۔

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] 〃 〃 〃 〃 ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۸،

نیز امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بیع مالیس عندک ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کا بیچنا تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

سرمایہ داری بڑھانے میں ملاوٹ اور جعلی اشیاء وغیرہ کا رول

سرمایہ دار اپنے سرمایہ کو بڑھانے کے لیے تمام جائز اور ناجائز طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں، اس سلسلہ میں ملاوٹ کرنا اور جعلی اشیاء بنانا بھی ان کا ایک عام وطیرہ ہے، ملاوٹ اور نقلی دواؤں کے نتیجہ میں کتنے لوگوں کی صحت تباہ ہو جاتی ہے اور کتنے لوگ مر جاتے ہیں، ان کو اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی، ان کی دل چسپی صرف اپنے بینک بیلنس میں اضافہ سے ہوتی ہے۔

اسی طرح اسمگلنگ بھی سرمایہ داری کے فروغ کا ایک اہم جزء ہے۔ یہ لوگ کسٹم ڈیوٹی ادا کیے بغیر غیر قانونی راستوں سے اشیاء ملک میں لے آتے ہیں، اسمگلر اس سلسلے میں رشوت سے کام لیتے ہیں اور اگر رشوت سے کام نہ چل سکے تو رکاوٹ بننے والے قومی محافظوں کو شوٹ کر دیتے ہیں، نیز زیادہ تر اسمگلنگ ان اشیاء کی کی جاتی ہے جن کی کھلے عام خرید و فروخت قانوناً ممنوع ہوتی ہے۔

ملاوٹ اور جعلی اشیاء وغیرہ کی روک تھام کے لیے اسلام کے احکام

ملاوٹ کرنے، جعلی اشیاء بنانے، اسمگلنگ کرنے اور تمام ناجائز طریقوں سے کاروبار کرنے اور ناجائز کاموں کے حصول کے لیے رشوت کے لین دین سے اسلام نے ممانعت کر دی ہے اور اقتصادی نظام سے ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں یہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے۔ ہر قسم کے ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرما دی ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ۰ ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا۔ (النساء: ۲۹، ۳۰)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طریقوں سے نہ کھایا کرو، البتہ تم آپس میں باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو، اور اپنے آپ کو قتل مت کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے، جو شخص اپنی حد سے تجاوز کرے گا اور ظلماً ایسا کرے گا ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔

تنگ دستوں اور ضرورت مندوں پر مال خرچ کرنے کے لیے اسلام کے احکام

سرمایہ دار صرف مال کو جمع کرتے ہیں اور اس کو ضرورت مندوں اور غریبوں پر خرچ نہیں کرتے جبکہ اسلام کی

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہدایت یہ ہے کہ مال صرف چند لوگوں کی تجوریوں میں بند نہ رہے بلکہ ضرورت مندوں اور تنگ دستوں پر مال خرچ کیا جاتا رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمٰی والمسکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ (حشر: ۷)

اللہ تعالیٰ نے جو مال اپنے رسول کو بستیوں والوں سے بطور فئ کے عطا فرمایا ہے وہ مال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں اور ضرورت مندوں اور مسافروں کے لیے ہے (یہ حکم اس لیے ہے کہ) جو لوگ تم میں سے دولت مند ہیں یہ مال انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔

جو لوگ مال میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے ان کو وعید سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم۔ (آل عمران: ۱۸۰)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے فضل (مال) میں بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمٰی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔ (توبہ: ۳۴-۳۵)

جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیں! جس دن جہنم کی آگ میں ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائیگا یہ تمہارا وہ مال ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب چکھو (اس مال کو) جس کو تم جمع کیا کرتے تھے۔

یہ حکم سرمایہ داری پر کاری ضرب ہے، کیونکہ بچت کو جمع کرنا اور جمع شدہ سرمایہ کو مزید سرمایہ کے حصول کے لیے سود میں لگانا ہی درحقیقت سرمایہ داری کی بنیاد ہے لیکن اسلام اس کی سرے سے اجازت نہیں دیتا کہ غریبوں اور ناداروں کا حق ادا کیے بغیر کوئی شخص دولت کو جمع کرتا رہے۔

اسلام مال جمع کرنے کی بجائے مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے، خرچ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان فضول اور ناجائز کھیل تماشوں میں پیسہ خرچ کرے یا بے جا نام و نمود میں مال خرچ کرے یا لہو و لعب اور فسق و فجور میں روپے اڑائے۔ بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں پیسہ خرچ کیا جائے، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بنیادی ضروریات یعنی خوراک، لباس، رہائش وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ علاج معالجہ، ناگہانی آفات، مستقبل کے ضروری تحفظ اور اپنی عبادات (حج، زکوٰۃ اور عشر وغیرہ) پر خرچ کے بعد جو رقم بچے اس کو رشتہ داروں، ہمسایوں، ناداروں کی مدد پر خرچ کرے اور ملک و ملت کے عام رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ

کرے ، اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ کھانے پینے ، سر چھپانے ، تن ڈھانپنے اور دیگر ضروریات پر خرچ کرنے کے بعد تمہارے پاس جو مال بچ جاتا ہے ، اس میں دوسرے ضرورت مندوں کا حق ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ،

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم

(الذاریات : ۱۹)

اور ان کے مالوں میں سائلوں اور ناداروں کا حق ہے ۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو

(بقرہ : ۲۱۹)

اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ! آپ کہیے کہ جو تمہاری ضروریات کے بعد بچ رہے اس کو خرچ کر دو ۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (النساء : ۳۶)

والدین ، رشتہ داروں ، قرابت دار پڑوسیوں ، اجنبی ، ہمسایوں ، دوستوں ، مسافروں اور غلاموں (نوکروں) کے ساتھ حسن سلوک کرو ۔

انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ۔

(بقرہ : ۲۶۷)

جو تم نے کمایا ہے اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے پاکیزہ مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو ، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کیلئے ناپاک اور گھٹیا چیز کا قصد نہ کرو ۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل ۔

(توبہ : ۶۰)

صدقات دراصل فقراء اور مساکین کے لیے ہیں ، اور ان کارکنوں کے لیے ہیں جو صدقات کے حصول کے لیے مقرر ہیں اور ان لوگوں کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور لوگوں کی گردنیں اسیری سے چھڑانے کے لیے ، اور مقروضوں کے لیے اور راہ خدا میں مسافروں کے لیے ۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا ۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا (الدہر : ۸-۹)

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین ، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تم کو کھلاتے ہیں ، ہم نہ تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ ۔

وما تنفقوا من خیر یوف الیکم وانتم لا تظلمون ۔ (بقرہ : ۲۷۲)

اور نیک کاموں میں تم جو کچھ کرو گے (اس کا اجر) تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر بالکل ظلم نہیں ہوگا ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سرمایہ داروں کو غریبوں پر خرچ کرنے کا جو حکم دیا ہے یہ اسلام کے اقتصادی نظام کی وہ خصوصیات ہیں جو دنیا کے اور کسی اقتصادی نظام میں نہیں ہیں ۔

سوشلزم اور کمیونزم کا نقطۂ اتحاد

سوشلزم اور کمیونزم میں یہ بات مشترک ہے کہ ان کے نزدیک صنعتی اور تجارتی پیداوار کے تمام ذخائر ایک فرد کی ملکیت میں جائز نہیں ہیں اور تمام پیداواری ذخائر کو قومی ملکیت میں لینا ضروری ہے ایک شخص مشین کے ذریعہ کپڑے سی کر کمائی کر سکتا ہے لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ چند درزیوں کو نوکر رکھ کر کپڑے سینے کا کاروبار شروع کر دے اور ان درزیوں کی محنت سے فائدہ اٹھائے ، اس چیز کو

www.nafseislam.com

وہ ناجائز استحصال کا نام دیتے ہیں، تاہم ان کے نزدیک ریاست ایک کارخانہ قائم کر کے محنت کشوں کی محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کو وصول کر سکتی ہے اور اس استحصال کو وہ جائز قرار دیتے ہیں۔

سوشلزم اور کمیونزم میں فرق

سوشلسٹ اور کمیونسٹ حضرات میں اس نظام کے برپا کرنے کے نظریہ میں اختلاف ہے، سوشلسٹوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس نظام کو جاری کرنے کے لیے جمہوری طریقے اختیار کیے جائیں، رائے عامہ کو ہموار کر کے سیاسی اقتدار پر قبضہ کیا جائے اور اسمبلی کی منظوری سے زرعی، صنعتی اور تجارتی اداروں کو بتدریج ان کے مالکوں سے چھین کر معاوضہ دے کر یا بلامعاوضہ ان اداروں کو ان کے نجی مالکوں سے چھین کر قومیا (Nationalize) لیا جائے، اس نظریہ کو بالعموم سوشلزم کہا جاتا ہے، اور کمیونسٹ حضرات کا یہ نظریہ ہے کہ اس نظام کو جاری کرنے کے لیے انقلاب لانا ضروری ہے، نادار اور محنت کش عوام کو منظم کر کے صنعتی، زرعی اور تجارتی اداروں کے مالکوں کے خلاف جنگ کرنی چاہیے اور مالکان زمین سے ان کی زمینیں، صنعت کاروں سے ان کے مل اور کارخانے اور تاجروں سے ان کی تجارتیں زبردستی چھین لی جائیں، اور جو شخص اس کام میں مزاحم ہو اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے اور تمام نجی اور شخصی ادارے ختم کر کے ان تمام اداروں کو ایک قومی ادارہ بنا دیا جائے اور قانون کے ذریعہ کسی شخص یا اشخاص سے اجرت پر کام لینا ممنوع قرار دیا جائے اس نظریہ کو کمیونزم کہتے ہیں۔

سوشلزم میں مالکوں سے ان کی املاک کو چھیننے کی بنیاد لادینی ہے

سوشلزم اور کمیونزم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ جو لوگ تمام دنیا کے مسلّم مذہبی، اخلاقی اصولوں اور قانون کے مطابق اپنی املاک کے جائز مالک ہوں جب ان کو ان کی جائز املاک سے جبراً بے دخل کیا جائے گا تو لامحالہ ان تمام مذہبی اور اخلاقی اصولوں کا انکار کرنا پڑے گا جن کی رو سے وہ لوگ اپنی املاک کے جائز مالک قرار پائے تھے، یہی وجہ ہے کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ حضرات نے مذہب کو مطلقاً خیرباد کہہ دیا، ان کے نزدیک خدا، رسول، آسمانی کتاب، فرشتے، آخرت، حیات بعد الموت، جزا و سزا، اور جنت و دوزخ سب مہمل الفاظ اور بے کار نظریات ہیں جن کو مذہبی طبقہ نے سادہ لوح عوام کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے گھڑ لیا ہے اور یہ مذہبی طبقہ دراصل سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے۔

سوشلزم کو برپا کرنے کے لیے ہر قسم کے جھوٹ، مکر و فریب ظلم، بے دردی اور شقاوت سے کام لیا جاتا ہے سوشلسٹ سب سے زیادہ دیندار طبقہ کے دشمن ہیں کیونکہ ان کے ظلم اور ناجائز اقدامات کے خلاف اگر کوئی آواز اٹھا سکتا ہے تو صرف یہی طبقہ اٹھا سکتا ہے جو خوف خدا رکھتا ہے اور جو دین اور آخرت کے نام پر ظلم اور تشدد کے ہر وار کو آسانی سے جھیل جاتا ہے، اسی وجہ سے اشتراکی ممالک میں دینی اداروں کو بری طرح سبوتاژ کیا گیا ہے اور اب وہاں صرف دکھانے کے لیے برائے نام چند دینی ادارے رہ گئے ہیں۔

انسانوں اور حیوانوں میں جو اخلاقی اقدار کا فرق ہے وہ صرف دین اور مذہب کے اثرات سے ہے اور جب انسانوں پر دین اور مذہب کی گرفت نہیں رہے گی تو وہ اپنی خواہشات کو پوری کرنے میں کلیۃً آزاد ہوں گے، ان کے لیے حلال، حرام جائز، ناجائز سب بے معنی الفاظ ہوں گے پھر شوہر اور بیوی کا کوئی تصور نہیں ہوگا اور انسانی معاشرے

اور حیوانوں کے ڈرائیوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

اسلام میں کسی کی جائز شخصی ملکیت کو بزور چھین لینا جائز نہیں ہے۔

سوشلسٹ معیشت میں پیداواری ذرائع اور وسائل پر مشتمل تمام املاک کو بزور چھین لیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز تہذیب اور اخلاق دونوں کے خلاف ہے اسلام نے جبری چھیننے اور ظلم کو شدت سے منع کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایھا الذین امنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا۔ (النساء: ۲۹-۳۰)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، البتہ تم آپس میں باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو اور اپنے آپ کو قتل مت کرو، اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے، اور جو شخص حد سے بڑھے گا اور ظلم کرے گا ہم اس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی حسب ذیل ہیں:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا طوقہ من سبع ارضین۔[1]

حضرت سعید بن زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے معمولی زمین بھی ظلماً لی اس کے گلے میں (قیامت کے دن) سات زمینوں کا طوق ڈال دیا جائے گا۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الی سبع ارضین۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے معمولی زمین بھی ظلماً لی اس کو قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا۔

سوشلزم کی مزعوم طبقاتی مساوات

سوشلزم کے پروپیگنڈے کی وجہ سے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جب سوشلسٹ معیشت کا رواج ہوگا تو تمام کارکنوں کی تنخواہیں مساوی ہوں گی، طبقاتی مساوات کا دور دورہ ہوگا، کار اور سائیکل اور بنگلوں اور جھونپڑیوں کا فرق نہیں رہے گا۔ ریل میں مختلف درجات کے ڈبے نہیں ہوں گے، سب لوگ ایک ہی درجہ کے ڈبوں میں سفر کریں گے، اور نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز کا منظر ہوگا، لیکن یہ صرف پروپیگنڈا اور خیال ہے، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے تمام سوشلسٹ ملکوں میں حکومت کے تمام شعبوں اور معاشی کاروبار کے تمام اداروں میں ادنیٰ ملازمین اور اعلیٰ عہدہ داروں

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۱ مطبوعہ اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ۔
[2] ″ ″ ″ ″ ″ ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۲

کے درمیان تنخواہوں اور مراعات میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کسی غیر سوشلسٹ ملک میں ہوتا ہے۔ وہاں عام کارکنوں کی تنخواہیں اور ان کا معیار زندگی امریکہ اور انگلینڈ کے مزدوروں اور کسانوں کی بہ نسبت بہت کم ہے، البتہ کوریا اور بنگلہ دیش ایسے غریب ممالک سے کچھ بہتر ہے اور اس کے مقابلہ میں پارٹی اور حکومت کے عہدہ داروں، فوجی افسروں ڈائرکٹروں اور منیجروں کی تنخواہیں اور مراعات ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے ہمارے ملک میں اس طبقے کی ہوتی ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ وہاں مختلف چھوٹے بڑے تاجر، صنعت کار اور زمیندار نہیں رہے اور تمام صنعتیں، تجارتیں اور زمینیں صرف پارٹی اور حکومت کی تحویل میں ہیں، لیکن مزدوروں اور کسانوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا وہ جس طرح پہلے غربت اور افلاس کے سائے میں زندگی گذارتے تھے، اب بھی اسی طرح زندگی گذارتے ہیں اور زمینداروں صنعت کاروں اور تاجروں کی جگہ پارٹی کے عہدہ داروں اور حکومت کے افسروں نے لے لی ہے اور ان کے درمیان اونچے نیچے طبقے اسی طرح قائم ہیں اور تجارت، صنعت اور زراعت کے منافع کی تقسیم اسی غیر مساوی طریقے سے ہو رہی ہے، فرق صرف یہ ہو گیا ہے کہ مزدور اور کسان پہلے آزاد تھے اور اب غلام ہیں، پہلے وہ کسی ظلم اور بے انصافی کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، جلسے کرتے تھے، جلوس نکالتے تھے، ہڑتال اور تالہ بندی کرتے تھے، اب وہ کچھ نہیں کر سکتے، پارٹی کے عہدہ دار یا حکومت کے کسی افسر کے خلاف ذرا آواز نکالی اور سنسناتی ہوئی ایک گولی نے اس کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا، دور کیوں جاتے ہیں پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں جو عارضی طور پر سوشلسٹ نظام جاری کیا گیا تھا، کیا اس میں تھانیدار اور ایک سپاہی کی، منیجر اور چپراسی کی، وزیر اعلیٰ اور عام کلرک کی تنخواہ مساوی کر دی گئی تھی؟ سو جان لیجیے کہ سوشلزم میں جو طبقاتی مساوات کا نعرہ لگایا جاتا ہے وہ محض جھوٹ اور فریب ہے، سوشلسٹ معیشت میں بھی اسی طرح طبقاتی فرق قائم رہتا ہے، کسی شخص کو بغیر محنت اور مزدوری کے روٹی نہیں ملتی، البتہ انسان کی آزادی سلب کر لی جاتی ہے، اس سے احتجاج کا حق چھین لیا جاتا ہے اور وہاں ایک انسان، جانوروں اور غلاموں کی طرح زندگی گذارتا ہے، اور جو شخص اس نظام کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اس کو موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔[1]

اسلام کی اصولی مساوات

اسلام اصولی مساوات کا داعی ہے، یعنی اصول اور قانون کی نظر میں سب مساوی ہیں اور یہ مساوات صرف اسلام میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بنو مخزوم کی ایک عورت کی چوری کی وجہ سے قریش بہت پریشان ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں حضرت اسامہ بن زید کے سوا اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش نہیں کر سکتا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز ہیں، حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی سفارش کی، آپ نے فرمایا: تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو! پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور جب کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے، بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔[2]

---

[1] ۳۱ دسمبر ۱۹۹۱ء کو سویت ٹوٹ گئی اور تقریباً تمام دنیا میں کمیونزم ختم ہو گیا۔

[2] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

اسلام نے جو اصول اور قانون کی مساوات قائم کی ہے اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ جنگ بدر میں جو کفار قید ہوئے تھے ان کو چار، چار درہم فدیہ کے عوض آزاد کیا جا رہا تھا، ان جنگی قیدیوں میں حضرت عباس بھی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اس قرابت کے پیش نظر انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا فدیہ معاف کر دینے کی درخواست کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور نہیں فرمایا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے:

عن انس بن مالک ان رجالا من الانصار استأذنوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا ائذن لنا فلنترک لابن اختنا عباس فداءہ قال لا واللہ لا تذرون منہ درھما۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضور! آپ اجازت دیں تو ہم حضرت عباس کا فدیہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! بخدا العباس کے فدیہ سے ایک درہم بھی کم نہ کرو۔

اصول کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، آپ نے پانی مانگا، ہم نے بکری کا دودھ دوہا اور اس میں اپنے کنوئیں کا پانی ملا کر آپ کو پیش کیا، (اس مجلس میں) حضرت ابوبکر آپ کے بائیں جانب تھے، حضرت عمر آپ کے سامنے تھے اور ایک اعرابی آپ کے دائیں جانب تھا، جب آپ پی چکے تو حضرت عمر نے کہا: یہ ابوبکر ہیں! (تاکہ آپ بچا ہوا مشروب حضرت ابوبکر کو دیں اور دائیں جانب کی رعایت سے اعرابی کو نہ دیں) آپ نے بچا ہوا مشروب اس اعرابی کو دے دیا اور فرمایا دائیں جانب والے مقدم ہوتے ہیں، سنو! دائیں جانب سے ابتداء کیا کرو، یہی سنت ہے! یہی سنت ہے، یہی سنت ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول قائم کیا تھا کہ دائیں جانب سے ابتداء کی جائے اور اگر کسی وقت حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں ایک عام دیہاتی آپ کے دائیں جانب ہوا تو آپ نے اصول نہیں توڑا، اور حضرت ابوبکر کی تمام اسلامی خدمات اور شرف اور مرتبہ کے باوجود ان کی رعایت نہیں کی اور اصول کی بناء پر ان کے مقابلہ میں ایک بدو کو مشروب عطا فرمایا۔

غزوہ بدر میں سواریوں کا انتظام بہت کم تھا، تین، تین آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری چڑھتے اور اترتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے، ہمراہی جاں نثار اپنی باری پر آپ کو سوار ہونے کی پیش کش کرتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! آپ سوار رہیں آپ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے، فرمایا: نہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چل سکتے ہو نہ میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔ [2]

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔
[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۳ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت۔

سوشلسٹ نظام کی ڈکٹیٹر شپ

سوشلسٹ نظام میں پارٹی کی ڈکٹیٹر شپ ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ملک کے تمام زمیندار ختم کر دیئے جاتے ہیں لیکن ان کے خاتمہ کے بعد ایک واحد لا شریک زمیندار وجود میں آتا ہے اسی طرح تمام صنعتکار اور تاجر ختم کر دیئے جاتے ہیں لیکن ان کی جگہ ایک بہت بڑا صنعت کار اور تاجر وجود میں آتا ہے جو تمام پیداواری ذخائر پر قابض ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ پارٹی کا لیڈر انتخاب سے وجود میں آتا ہے لیکن فی الواقع وہاں جمہوریت نہیں ہوتی کیونکہ کسی شخص کو یہ مجال نہیں ہوتی کہ وہ پارٹی کے منشور سے اختلاف کر سکے۔ پارٹی کے امیدوار کے مقابلہ میں ووٹ مانگ سکے اور اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو اوّل تو وہ دوسری سانس لینے تک زندہ نہیں رہتا اور ثانیاً ذرائع ابلاغ کے کسی ذریعہ سے وہ اپنی آواز دوسروں تک پہنچا سکتا ہے نہ اپنی بات سنانے کے لیے وہ کسی دوسرے ملک کا سفر کر سکتا ہے۔

پارٹی اپنے نظام کا مسلسل جائزہ لیتی رہتی ہے اور جس شخص میں بغاوت کے ذرا سے بھی جراثیم دکھائی دیں یا ناگواری کی ذرا سی بھی بو آئے انھیں دوسرے جہان کا سفر کرانے میں پارٹی ذرا تاخیر نہیں کرتی۔ حکومت نے جاسوسی کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر نظام قائم کیا ہوا ہوتا ہے کہ حکومت کے لاتعداد کارکن ہر گھر اور ہر ادارہ میں باغیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سوشلسٹ ممالک کی حکومت کا یہ نظریہ ہے کہ اگر غلطی سے چند ہزار بے گناہ افراد مار ڈالے جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چند مجرم یا باغی چھوٹ جائیں۔

سوشلسٹ نظام کے خلاف بغاوت کے خطرے سے یہ لوگ ہر کارخانے اور ہر ادارے میں دیکھتے رہتے ہیں کہ کون سا مزدور یا کارکن اپنے کارخانے یا ادارے کے انتظام کے خلاف ناگواری کا اظہار کرتا ہے اور جس کے بارے میں یہ شبہ ہو جائے کہ وہ کارخانے یا ادارے کے انتظام سے مطمئن نہیں ہے وہ اچانک گرفتار کر لیا جاتا ہے پھر کسی دن اس کی بیوی کو پتہ چل جاتا ہے کہ اب اس کا شوہر اس دنیا میں نہیں رہا اور اگر وہ عورت بھی اس انجام سے دوچار ہونا نہیں چاہتی تو اسے خوشی کے ساتھ یہ فیصلہ قبول کرنا پڑتا ہے ورنہ اس کا انجام بھی اپنے شوہر سے مختلف نہیں ہوتا۔

اسلام میں اظہار آزادی رائے کا حق

اسلام میں صرف اللہ تعالیٰ کی علی الاطلاق حاکمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو بندوں کا مطلق العنان حاکم بننے کی اجازت نہیں دی، اسلام کے پہلے خلیفہ نے بار خلافت سنبھالنے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ دیا اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کا امیر ان کا آقا اور مطلق العنان حاکم نہیں ہوتا، وہ ان کے مسائل کا ذمہ دار اور خادم ہوتا ہے اور ہر بات کا جواب دہ ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن سعد واقدی نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تو حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

"مجھے خلافت کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے حالانکہ میں اس کو ناپسند کرتا تھا، بخدا میں یہ پسند کرتا تھا کہ میرے علاوہ کسی اور شخص کو خلیفہ منتخب کر لیا جاتا۔ سنو! تم نے مجھ پر یہ بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بالکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی حکومت انجام دوں گا تو یہ نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی تھے اور آپ پر وحی آتی تھی اور آپ وحی کی رہنمائی میں کام کرتے تھے، سنو! میں ایک بشر ہوں اور تم میں سے کسی شخص سے بہتر نہیں ہوں، جب تم مجھے صحیح کام کرتے دیکھو تو میری پیروی کرنا، اور جب تم دیکھو کہ میں راہ استقامت

سے ہٹ گیا ہوں تو میری اصلاح کرنا، یاد رکھو! مجھ پر بھی شیطان حملہ آور ہوتا ہے، جب تم یہ دیکھو کہ میں غضب میں ہوں تو مجھ سے دور رہنا، میں تم میں سے کسی شخص پر اپنے آپ کو ترجیح نہیں دیتا۔" [۱]

علامہ سیوطی نے ابن سعد اور خطیب کے حوالے سے حضرت ابوبکر کے خطبہ کی حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: اے لوگو! میں تم پر حاکم بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں تھا، لیکن قرآن مجید نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے عمل کے لیے راستہ متعین کیا جس کو ہم نے جانا اور اس پر عمل کیا، لوگو! سب سے زیادہ عقل مند شخص وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور سب سے بے وقعت اور برا آدمی وہ ہے جو گناہوں کے راستے پر چل پڑے، جو شخص تم میں سے قوی ہوگا وہ میرے نزدیک کمزور ہے حتیٰ کہ میں اس سے حق وصول کر لوں اور جو شخص تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے حتیٰ کہ میں اس کو حق دلوا دوں۔ اے لوگو! میں سنت کی پیروی کرنے والا ہوں، دین میں نئی باتیں نکالنے والا نہیں ہوں، جب میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور جب میں راہ حق سے ہٹنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دینا۔ بس میرا یہی پیغام تھا، اللہ تعالیٰ تمہاری اور میری مغفرت فرمائے [۲]

حضرت ابوبکر کے اس خطبہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں حکمران، سوشلزم کے ڈکٹیٹر کی طرح بندوں پر خدائی کرنے کے لیے نہیں ہوتا، اگر وہ اللہ اور رسول کی ہدایات کے مطابق احکام جاری کرے تو اس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم ہے اور اگر وہ قرآن اور سنت کے خلاف احکام جاری کرے تو مسلمانوں میں سے ہر شخص کو یہ حق ہے کہ وہ اس کو سیدھی راہ پر لگا دے۔

نظام سرمایہ داری اور نظام اشتراکیت کی اہم خرابیوں اور اس کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیوں کو ہم نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ اشتراکیت کے پروپیگنڈے سے جو نوجوان نسل متاثر ہو رہی ہے اس کا تدارک کیا جا سکے۔ ہم نے صرف اسلام کی حقانیت کے اظہار کے لیے یہ بحث سپرد قلم کی ہے، اللہ تعالیٰ اس مقالے سے بھٹکے ہوئے ذہنوں کو ہدایت دے اور مسلمانوں کے لیے اس کو موجب طمانیت بنائے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وعلی اصحابہ الکاملین وعلی ازواجہ امہات المؤمنین واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین - اللہم اغفر للمصنف والمعاون لہ والقاری و العامل بہ والکاتب امین۔

بَابُ [۳۶۲] اِبْطَالِ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

بیع ملامسہ اور منابذہ کا ابطال

۳۶۹۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسہ اور

[۱] - علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تاریخ الخلفاء ص ۷۱، مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی

[۲] - " " " " تاریخ الخلفاء ص ۷۲-۷۱

بْنِ حَبَّانَ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ۔

بیع منابذہ سے منع فرمادیا۔

۳۶۹۲۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ قَالَا نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے مثل سابق حدیث مروی ہے۔

۳۶۹۳۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَاَبُوْ اُسَامَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِیْ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ نے مثل سابق بیان کیا ہے۔

۳۶۹۴۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِی ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ نے مثل سابق حدیث بیان کی ہے۔

۳۶۹۵۔ وَحَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِيْنَاءَ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ نُهِیَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں دو قسم کی بیع سے منع کیا گیا ہے، ایک ملامسہ دوسری منابذہ، ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو غور کیے بغیر ہاتھ لگا دے (اور اس سے بیع لازم ہو جائے) اور بیع منابذہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف اپنا

أَمَّا الْمُلَامَسَةُ فَأَنْ يَلْمِسَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَوْبَ صَاحِبِهِ بِغَيْرِ تَأَمُّلٍ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يُنْبِذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَوْبَهُ إِلَى ثَوْبِ صَاحِبِهِ۔

کپڑا پھینک دے اور فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے (اور بیع لازم ہو جائے)۔

۳۶۹۶ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَلِبْسَتَيْنِ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهِ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يَقْلِبُهُ إِلَّا بِذٰلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهِ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ وَيَكُونُ ذٰلِكَ بَيْعُهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی بیع کرنے اور دو طرح کے لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے، بیع ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک دن یا رات کے وقت میں دوسرے کے کپڑے کو مس کرے اور اس کپڑے کو صرف بیع کے قصد سے پلٹ دے اور بیع منابذہ کی تعریف یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور محض اس کپڑے کو پھینک دینے سے ہی دونوں کی بیع ہو جائے گی نہ کوئی دوسرے کا کپڑا دیکھے اور نہ رضامندی کا اظہار کرے۔

۳۶۹۷ - وَحَدَّثَنِيهِ عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ نَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔

ایک اور سند سے بھی حسب سابق حدیث مروی ہے۔

ملامسہ اور منابذہ کی تعریفات

علامہ نووی ملامسہ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اندھیرے میں کپڑا لائے یا لپٹا ہوا کپڑا لائے اور خریدار سے کہے میں تم کو یہ کپڑا اس شرط پر بیچتا ہوں کہ جب تم اس کو ہاتھ لگا دو گے تو تمہارا اس کو چھونا اس کو دیکھنے کے قائم مقام ہو گا اور بعد میں تمہیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہو گا، یہ تعریف امام شافعی سے منقول ہے، دوسری تعریف یہ ہے کہ صرف چھونے سے بیع لازم ہو جائے، بیچنے والا خریدار سے کہے جب تم نے اس کو چھو لیا تو بیع واجب ہو جائے گی، تیسری تعریف یہ ہے کہ بیچنے والا کہے جب تم نے اس کو چھو لیا تو تمہارا اختیار باطل ہو جائے گا۔ ان تمام تعریفات کے ساتھ بیع ملامسہ

باطل ہے، اور بیع منابذہ کی بھی تین تعریفیں ہیں ایک یہ ہے کہ کسی چیز کو پھینک دینے سے بیع لازم ہو جائے، دوسری تعریف یہ ہے کہ میں یہ چیز پھینکتا ہوں جب میں پھینک دوں گا تو تمہارا اختیار باطل ہو جائے گا، تیسری تعریف یہ ہے کہ پھینکنے سے کنکری پھینکنا مراد ہو، اس کی وضاحت انشاء اللہ عنقریب آئے گی۔[۱]

فقہاء احناف کے نزدیک ملامسہ اور منابذہ کی تعریف امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیع ملامسہ کی تعریف یہ ہے کہ بیچنے والا کہے میں تم کو یہ چیز اتنے پیسوں کے عوض بیچتا ہوں جب تم اس چیز کو چھو لو گے تو بیع واجب ہو جائے گی یا خریدار اسی طرح کہے۔[۲]

علامہ بابرتی حنفی نے بیع منابذہ کی یہی تعریف کی ہے کہ بائع اور مشتری کسی چیز کی قیمت پر راضی ہو جائیں اور بائع یہ کہے کہ جب میں یہ چیز تمہارے پاس پھینک دوں گا تو بیع لازم ہو جائے گی اور تمہیں اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔[۳]

ملامسہ اور منابذہ کے بطلان کی وجہ بیع ملامسہ اور بیع منابذہ اس لیے باطل ہیں کہ جب خریدار سودے کو نہیں دیکھے گا تو اس بیع میں دھوکا ہوگا اور یہ قمار (جوئے) کے مترادف ہے۔

غائب چیز کی بیع میں مذاہب علامہ عینی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ایسی چیز کو بیچے جو اس وقت غائب ہو اس میں امام احمد کا نظریہ یہ ہے کہ وہ چیز بیان کردہ صفت کے مطابق ہو تو بیع لازم ہو جائے گی اور اگر اس صفت کے مطابق نہ ہو تو خریدار کو اختیار ہے۔

امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ غائب چیز کی بیع جائز ہے اور اس میں خریدار کو دیکھنے کے بعد مسترد کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ بیان کردہ صفت کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ سنن دار قطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من اشتری شیئا لم یرہ فھو بالخیار اذا راٰہ "جس شخص نے دیکھے بغیر کوئی چیز خریدی اس کو دیکھنے کے بعد اختیار ہوگا"۔[۴]

باب ۴۸۴ بُطْلَانِ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَالْبَيْعِ الَّذِيْ فِيْهِ غَرَرٌ

کنکری پھینکنے اور دھوکے کی بیع کے باطل ہونے کا بیان

۳۶۹۸- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، الشرح مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۵۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۴۔ علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

قَالَ نَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اِدْرِیْسَ، وَیَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ وَاَبُوْ اُسَامَۃَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ ح قَالَ وَحَدَّثَنِیْ زُھَیْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ نَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَیْعِ الْحَصَاۃِ وَعَنْ بَیْعِ الْغَرَرِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری پھینکنے کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

کنکری پھینکنے والی بیع

زمانہ جاہلیت میں بیع کا ایک یہ طریقہ تھا کہ بائع کے پاس مثلاً کپڑوں کا ایک ڈھیر ہو اور بائع اور مشتری جب قیمت پر متفق ہو جائیں تو مشتری جس کپڑے پر بھی کنکری رکھ دے تو اس کپڑے کو دیکھنے اور جانچنے کے بغیر بیع واجب ہو جاتی تھی اور پھر فریقین میں سے کسی کو اس کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہوتا تھا۔[1]

دھوکہ کی بیع

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے جال میں جتنی مچھلیاں آئیں گی وہ اتنے کی ہوں گی تو یہ دھوکے کی بیع ہے کیونکہ کوئی پتا نہیں کہ اس کے جال میں مچھلیاں آتی بھی ہیں یا نہیں؟ یا کتنی آتی ہیں، یا اسی طرح کہے کہ اس بکری کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ اتنے کا ہے یا کہے کہ اس گائے کے تھنوں میں جو دودھ ہے وہ اتنے کا ہے تو یہ دھوکے کی بیع ہے کیونکہ اس کی مقدار مجہول ہے اس لیے کنکری پھینکنے والی بیع اور ہر وہ بیع جس میں دھوکہ ہو وہ باطل ہے۔

بیع تعاطی کی تعریف

بیع کی ایک قسم وہ ہے جو ایجاب و قبول سے منعقد ہوتی ہے مثلاً بائع کہے میں نے یہ چیز بیچ دی اور مشتری کہے کہ میں نے یہ چیز خرید لی، اور دوسری قسم یہ ہے کہ خریدار بیچنے والے کو کسی چیز کی قیمت ادا کرے اور بیچنے والا خریدار کو وہ چیز دے دے بغیر اس کے کہ وہ ایجاب و قبول (میں نے فروخت کی اور میں نے خریدی کہیں) کریں۔ اس بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں (ملخصاً ہدایہ و فتح القدیر)

بیع تعاطی میں فقہاء شافعیہ کا موقف

امام شافعی کے نزدیک بیع تعاطی ناجائز ہے، علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

مذہب یہ ہے کہ تعاطی بیع نہیں ہے، اس کے برخلاف ابن سریج نے یہ تخریج کی ہے کہ حقیر چیزوں میں بیع تعاطی جائز ہے۔ علامہ رویانی وغیرہ کا اسی پر فتویٰ ہے، حقیر چیزیں جیسے سبزی اور روٹی وغیرہ جن کی لین دین سے بیع ہو جاتی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو چیز نصاب سرقہ سے کم ہو وہ حقیر ہے۔ جس چیز کو بیع تعاطی کے طریقہ سے لیا جائے

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۵۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

اس میں دو قول ہیں، قاضی ابو الطیب کا قول یہ ہے کہ وہ مباح ہے اور دوسرے فقہاء کے نزدیک وہ عقد فاسد ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس چیز کو لوگ عرف میں بیع کہتے ہوں وہ بیع منعقد ہو جاتی ہے، علامہ ابن صباغ نے اس قول کو مستحسن قرار دیا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ دلیل کے لحاظ سے علامہ ابن صباغ کا قول راجح ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ شرع میں کسی لفظ کی شرط نہیں ہے اس لیے باقی الفاظ کی طرح اس میں بھی عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ علامہ متولی اور بغوی وغیرہ کا بھی یہی مختار ہے۔[1]

بیع تعاطی میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: بیع تعاطی یہ ہے کہ ایک شخص کہے مجھے اس دینار کی روٹی دے دو اور بائع اس کو اپنی مرضی سے روٹی دے دے، یا بائع کہے اس چیز کو ایک درہم میں لے لو اور خریدار لے لے۔ قاضی نے کہا ہے کہ یہ بیع صرف تھوڑی چیزوں میں جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس چیز کو جائز قرار دیا ہے۔ اور امام مالک کا بھی ایسا ہی قول ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جو چیز لوگوں کے عرف میں بیع ہو اس سے بیع ہو جاتی ہے، بعض فقہاء احناف نے کہا ہے کہ حقیر اور معمولی چیزوں میں یہ بیع صحیح ہے (جمہور فقہاء احناف کے نزدیک بیع تعاطی مطلقاً جائز ہے۔ سعیدی) اور یہی قاضی کا قول ہے کیونکہ عرف میں معمولی چیزوں کے اندر یہ بیع ہوتی ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ بیع صرف ایجاب اور قبول کے ساتھ صحیح ہوتی ہے اور ہمارے بعض اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور اس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا، پس اس میں عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور مسلمان بازاروں میں اسی طرح بیع کرتے ہیں، نیز عہد رسالت میں اسی طرح بیع ہوتی تھی، اور شارع نے اس طریقے کو باقی رکھا ہے اس لیے محض رائے سے اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں بکثرت بیع اور شراء ہونے کے باوجود یہ منقول نہیں ہے کہ وہ بیع میں ایجاب وقبول کے کلمات استعمال کرتے تھے، اور اگر وہ یہ کلمات استعمال کرتے تو یہ بہت کثرت اور شہرت سے منقول ہوتا، اور اگر بیع میں ایجاب وقبول کی شرط ہوتی تو اس کا منقول ہونا واجب تھا اور صحابہ سے یہ متصور نہیں ہے کہ انھوں نے اس کو نقل کرنے میں غفلت برتی ہو۔ نیز بیع ان معاملات میں سے ہے جو انسان کو بکثرت پیش آتے ہیں پس اگر بیع میں ایجاب وقبول کی شرط ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو علی العموم بیان فرماتے اور اس کا حکم مخفی نہ رہتا کیونکہ شرط ہونے کے باوجود بیان نہ کرنے کے نتیجے میں اکثر عقد فاسد ہوتے اور لوگ مال باطل کھاتے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی صحابی سے بیع میں ایجاب وقبول کی شرط منقول نہیں ہے اور ہر زمانے میں لوگ بیع تعاطی کرتے رہے ہیں اور اس کی مخالفت سے پہلے اس پر انکار منقول نہیں ہے لہٰذا بیع تعاطی کے جواز پر اجماع ہو گیا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ایجاب وقبول کا اعتبار اس لیے ہے کہ وہ بائع اور مشتری کی رضا پر دلالت کرتے ہیں اور جب قیمت طے کرنے اور

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۳ ص ۳۳۷-۳۳۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ

مبیع کے دے دینے کی بھی رضا پر دلالت ہے تو یہ ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو گئے اور چونکہ ایجاب و قبول امر تعبدی نہیں ہے اس لیے قیاس کے تقاضے پر عمل جائز ہوگا۔[1]

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی کے بعینہ یہی دلائل ہیں جن کو علامہ شمس الدین ابن قدامہ نے نقل کیا ہے۔[2]

بیع تعاطی میں فقہاء حنفیہ کا موقف

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

چونکہ بیع کا مدار تراضی پر ہے اس لیے بیع تعاطی نفیس اور خسیس دونوں میں جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔[3]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ علامہ ابو الحسن نے صحیح کہہ کر علامہ کرخی کے قول سے احتراز کیا ہے کیونکہ علامہ کرخی یہ کہتے ہیں کہ بیع تعاطی صرف خسیس اور معمولی اشیاء میں جائز ہے اور خسیس سے ان کی مراد سبزی، روٹی، انڈے اور اخروٹ وغیرہ ہیں۔ اس بیع کا جواز استحسان کی بناء پر ہے اور جمہور کا قول اس لیے صحیح ہے کہ بیع تعاطی اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں بائع اور مشتری عقد پر رضامند ہیں اور رضاء نفیس اور خسیس دونوں میں پائی جاتی ہے۔[4]

بیع تعاطی میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام مالک کے نزدیک بھی بیع میں ایجاب اور قبول کے کلمات کہنا شرط نہیں ہے، علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

لو قال خذها بعشرة او اعطيتكها او دونكها او بورك لك فيها بعشرة او سلمتها اليك وهما يريدان البيع فذلك كله بيع لازم۔[5]

اگر کسی شخص نے کہا اس چیز کو دس روپے میں لے لو، یا کہا میں نے یہ تم کو دی یا اس کو لے لو یا دس روپے میں یہ چیز تم کو مبارک ہو یا میں نے یہ چیز تم کو سونپ دی اور دونوں کا ارادہ بیع کا تھا تو یہ بیع لازم ہو جائے گی۔

اس میں ایک فریق (بائع) کی جانب سے بیچنے کے کلمات کا ذکر ہے اور خریدار کی طرف سے خریدنے کے کلمات کا ذکر نہیں ہے اور اس کو فقہاء مالکیہ نے جائز قرار دیا ہے، بیع تعاطی میں بھی عقد کا یکطرفہ ذکر ہوتا ہے مثلاً خریدار کہے کہ مجھے دو روپے کی روٹیاں دے دو اور بیچنے والا دے دے یا بیچنے والا کہے یہ چیز دس روپیہ کی لے لو اور خریدار لے لے۔

انعامی بانڈز کا شرعی حکم

پاکستان میں انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا سلسلہ عام ہے، حکومت پچاس، سو، پانچ سو اور ہزار روپیہ کی قیمت کے بانڈز جاری کرتی ہے اور سو روپیہ کے بانڈز

---

[1] علامہ شمس الدین عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۴ ص ۶-۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

[2] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی (مع الشرح) ج ۴ ص ۲-۵ " " "

[3] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۵۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[5] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۵۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

کی ہر دوسرے ماہ اور باقی سیریز کی باری باری ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعہ حکومت پچاس ہزار سے لے کر پانچ لاکھ تک کے انعامات خریداروں میں تقسیم کرتی ہے۔ خریدنے کے بعد خریدار کی اصل رقم محفوظ رہتی ہے اور خریدار بانڈز کی رقم کو پاکستان کے کسی بھی بینک کے ذریعہ جب چاہے کیش (encash) کرا سکتا ہے اور جتنی رقم کے بانڈز ہوں خریدار کو اتنی رقم پوری مل جاتی ہے البتہ گیارہ روپے والے بانڈز جس میں ایک لاکھ روپیہ انعام رکھا گیا ہے، ان کو حکومت گیارہ روپے میں فروخت کرتی ہے اور جب خریدار اس کو فروخت کرے تو حکومت دس روپے میں واپس لیتی ہے۔

گیارہ روپے والا بانڈ جس میں دس روپے واپس ملتے ہیں (یہ اسکیم اب ختم کر دی گئی ہے) بالاتفاق تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس کو قمار (جوا) قرار دے کر ناجائز کہا ہے، اس کے علاوہ باقی بانڈز جن میں خریدنے والے کو اصل رقم پوری کی پوری بغیر کسی کمی بیشی کے جب چاہے مل جاتی ہے، لیکن اس میں خریدنے والوں کو ترغیب دینے کے لیے قرعہ اندازی کے ذریعہ جو انعام دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے اہل علم کے اندر اس کے شرعی حکم میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس کو جائز کہتے ہیں اور بعض علماء اس کو قمار یا ربٰو (سود) قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں، ہم اس سلسلہ میں پہلے دوسرے علماء کی آراء پیش کریں گے۔ اس کے بعد اپنا موقف بیان کریں گے۔

انعامی بانڈز میں سید مودودی کا موقف

انعامی بانڈز کے معاملہ میں صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بانڈز بھی اسی نوعیت کے قرضے ہیں جو حکومت اپنے مختلف کاموں میں لگانے کے لیے لوگوں سے لیتی ہے اور ان پر سود ادا کرتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ہر وثیقہ دار کو اس کی دی ہوئی رقم پر فرداً فرداً سود دیا جاتا تھا مگر اب جملہ رقم کا سود جمع کر کے اسے چند وثیقہ داروں کو بڑے بڑے "انعامات" کی شکل میں دیا جاتا ہے اور اس امر کا فیصلہ کہ یہ "انعامات" کن کو دیے جائیں، قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے، پہلے ہر وثیقہ دار کو سود کا لالچ دے کر اس سے قرض لیا جاتا تھا، اب اس کے بجائے ہر ایک کو یہ لالچ دیا جاتا ہے کہ شاید ہزاروں روپے کا "انعام" تیرے ہی نام نکل آئے، اس لیے قسمت آزمائی کرے۔

یہ صورت واقعہ صاف بتاتی ہے کہ اس میں سود بھی ہے اور روح قمار بھی، جو شخص یہ وثائق خریدتا ہے وہ اولاً اپنا روپیہ جان بوجھ کر ایسے کام میں قرضے کے طور پر دیتا ہے جس میں سود لگایا جاتا ہے۔ ثانیاً جس کے نام پر "انعام" نکلتا ہے اسے دراصل وہ سود اکٹھا ہو کر ملتا ہے جو عام سودی معاملات میں فرداً فرداً ایک ایک وثیقہ دار کو دیا جاتا تھا۔ ثالثاً جو شخص بھی یہ وثیقے خریدتا ہے وہ مجرد قرض نہیں دیتا بلکہ اس لالچ میں قرض دیتا ہے کہ اسے اصل سے زائد "انعام" ملے گا اور یہی لالچ دے کر قرض لینے والا اس کو قرض دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے۔ رابعاً جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقہ پر ہوتا ہے، جس پر لاٹری بین لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام

ـه۔ جس وقت مصنف نے یہ سطور لکھی ہیں اس وقت یہی طریقہ رائج تھا لیکن طریق کار میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور یہ طریقہ بعد میں بدل سکتا ہے۔ سعیدی غفرلہ ۱۶ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ۔ یکم جولائی ۱۹۸۸ء۔

پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ صرف وہ سود، جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن (قرض دار) کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے، انھیں نہیں ملتا بلکہ قرعہ کے ذریعہ سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روح قمار ضرور موجود ہے۔[۱]

(ترجمان القرآن جنوری ۱۹۶۳ء)

انعامی بانڈز میں علماء دیوبند کا موقف

دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ تمام علماء، انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کو ناجائز کہتے ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں دیوبندی مکتب فکر کے نمائندہ دار الافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے ایک مفصل دستی فتویٰ منگوایا جسے ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ کو شیخ مزمل حسین نے شیخ عبد السلام کی تصدیق سے دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی مہر کے ساتھ جاری کیا ہے۔ اصل فتویٰ کا متن حسب ذیل ہے:۔

انعامی بانڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے حقیقۃً یہ سود کی ایک شکل ہے، انعامی بانڈز کے انعام میں ملنے والی رقم حرام ہے، اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس کی حرمت کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

بینک جب انعامی بانڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور اس سیریز کے ذریعہ سے جو رقم وہ پبلک سے کھینچتا ہے اس رقم کو بینک کسی شخص یا ادارے کو سودی قرض پر دے دیتا ہے، اس سود سے جو رقم موصول ہوتی ہے، بینک اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ رقم قرعہ اندازی کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کر دیتا ہے جنھوں نے انعامی بانڈز لیے تھے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے بعد جو رقم انعام کے نام سے ملتی ہے، وہ حقیقۃً سود ہی کی رقم ہے، اگرچہ بینک اس کو ہزار مرتبہ انعام کہے، یہ سودی رقم اس حدیث کے زمرے میں آتی ہے "کل قرض جر نفعا فھو حرام" ہر وہ قرض جس کے ذریعہ نفع کمایا جائے وہ حرام ہے، چنانچہ اس میں بھی انعامی بانڈز خریدنے والوں کو قرعہ اندازی کے ذریعہ سود کی شکل میں نفع دیا جاتا ہے جو کہ حرام ہے، اگر اس سلسلے میں یہ سوال اٹھایا جائے جیسے کہ بعض جواز کے قائل اٹھاتے ہیں، انعامی بانڈز میں بانڈز لینے والوں کی طرف سے اس نفع کی شرط نہیں لگائی جاتی بلکہ بینک والے اسے بطور انعام کے دیتے ہیں اور فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہے کہ اگر مقروض بطور انعام کے قرض خواہ کو اصل قرض پر کچھ اضافہ کر کے دے تو جائز ہے۔" لیکن یہ ایک سطحی اور بچکانہ اشکال ہے اس لیے کہ فقہ کا ایک مشہور اصول ہے "المعروف کالمشروط" کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہے یعنی جو چیز لوگوں میں عام رائج ہو اور پہلے سے ذہنوں میں طے شدہ ہو وہ ایسی ہے جیسے کہ زبانی شرط لگانا، چنانچہ اس صورت میں اگرچہ انعامی بانڈز لینے والے اس پر سود لینے کی شرط نہیں لگاتے لیکن ہر انعامی بانڈ لینے والے کے ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی کے ذریعے مجھے اپنی اصل رقم سے زائد رقم مل جائے گی بصورت دیگر کوئی شخص بھی انعامی بانڈز نہ خریدے۔

---

[۱] سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل و مسائل ج ۲ ص ۳۲۶-۳۲۵، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور، بار پنجم ۱۹۷۵ء

ان دلائل کے علاوہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بینک انعامی بانڈز لینے والوں کی رقم کو سودی قرضہ پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ بانڈز لینے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی انعامی بانڈز پر ملنے والا انعام جائز نہیں ہے اس لیے کہ مشارکت (PARTNER SHIP) میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر ہی نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ تجارتی اور شرعی اصول کے مطابق مشارکت کی تجارت میں جب نفع ہوتا ہے تو اس میں نفع سے ہر شریک کو اتنے فی صدی حصہ ملتا ہے جتنے فی صد اس نے روپیہ لگایا ہے، نفع کی تقسیم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ کرنا اس میں بہتوں کے ساتھ ناانصافی ہونا یقینی بات ہے، لہٰذا انعامی بانڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے اگرچہ بینک اسے انعام ہی کہتا رہے، زہر کو اگر تریاق کہا جائے تو وہ تریاق نہیں بنتا بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے۔

اگر کسی کے پاس انعامی بانڈز آجاتے ہیں یا اس نے کسی ضرورت کی بناء پر خرید لیے ہیں اب اگر وہ ان کو قیمت خرید پر ہی فروخت کر دیتا ہے اور اس پر کوئی انعام یا نفع وغیرہ نہیں لیتا تو یہ جائز ہے۔[۱]

انعامی بانڈز میں مصنّف کا موقف اور بحث و نظر

ہمارے نزدیک انعامی بانڈز کی بیع جائز ہے اور حکومت کی طرف سے اس کو خریدنے کی ترغیب کے لیے جو انعام جاری کیا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے کیونکہ اس انعام پر ربٰو یا قمار کی تعریف صادق نہیں آتی سید مودودی اور شیخ مزمل نے اس پر موضوعی انداز فکر سے گفتگو کی ہے، انھوں نے پہلے اس کو ناجائز فرض کر لیا پھر زبردستی اس کو قمار یا ربٰو کے معنی پہنا کر ناجائز قرار دے دیا، ہم پہلے اس کے جواز کے دلائل ذکر کریں گے اور پھر سید مودودی اور شیخ مزمل کے پیش کردہ دلائل پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

کیا انعامی بانڈز کا لین دین ربٰوا الفضل ہے؟

یہ دیکھنے کے لیے کہ انعامی بانڈز کا انعام ربٰو ہے یا نہیں، یہ جاننا چاہیے کہ ربٰو کی دو قسمیں ہیں ربٰو النسیئۃ اور ربٰوا الفضل یہ انعام ربٰوا الفضل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ربٰوا الفضل کی حرمت کی علت جنس میں اتحاد اور قدر معروف (کیل یا وزن) میں زیادتی ہے۔ اور یہاں جنس ایک نہیں ہے کیونکہ انعامی بانڈز کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے انعامی بانڈز کے عوض نہیں ہوتی۔ اور دونوں کی جنس الگ الگ ہے (واضح رہے کہ جنس سے مراد یہاں منطقی جنس نہیں ہے) امام شافعی کے نزدیک ربٰوا الفضل میں حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے ان کے نزدیک ربٰوا الفضل سونے چاندی یا کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتا ہے، اور ظاہر ہے انعامی بانڈ اس قبیل سے نہیں ہیں امام مالک کے نزدیک ربٰوا الفضل ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جن میں غذائیت ہو یا وہ چیزیں قابل ذخیرہ ہوں، امام احمد بن حنبل کے نزدیک حرمت کی علت ناپ اور تول ہے اور ربٰوا الفضل صرف ان چیزوں میں ہو سکتا ہے جن کی بیع ناپ اور تول سے کی جاتی ہو اور ظاہر ہے کہ بانڈز اس جنس سے نہیں ہیں، یہ مذاہب ہم نے امام رازی[۲]، علامہ ابن رشد[۳] اور علامہ الجزیری[۴] کی کتابوں سے بیان کیے ہیں۔

۱۔ شیخ مزمل حسین، دستی مہر شدہ فتوی از دارالافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، ۱۴۰۶ھ
۲۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۳۔ علامہ ابن رشد مالکی متوفی ۵۹۵، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت
۴۔ علامہ عبد الرحمن الجزیری کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۲ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

نیز یہ ملحوظ رہے کہ ربوٰ الفضل اس وقت ہوگا جب بانڈز کی بانڈز کے عوض زیادتی کے ساتھ ہو اور فی الواقع ایسا نہیں ہے۔

کیا انعامی بانڈز کا لین دین ربوٰ النسیئۃ ہے؟

مذکور الصدر تفصیل سے واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز پر جو انعام دیا جاتا ہے وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں بھی ربوٰ الفضل نہیں ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ انعام ربوٰ النسیئۃ کا مصداق ہے یا نہیں، ہم ائمہ اربعہ کے مذاہب کے مطابق ربوٰ النسیئۃ (ادھار والا سود) کی تعریفات ذکر کر رہے ہیں۔ دراصل ربوٰ النسیئہ میں ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ جس قرض میں ایک معین مدت کے بعد اصل رقم سے زائد رقم لینے کی شرط رکھی جائے اور زائد رقم کی مقدار بھی معین ہو وہ ربوٰ النسیئۃ ہے، قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں سود کی اسی قسم کا رواج تھا۔ قرآن مجید نے اسی کو حرام قرار دیا ہے اور سود کی یہ قسم حرام قطعی ہے۔ امام رازی شافعی ربا النسیئۃ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اما ربا النسیئۃ فھو الامر الذی کان مشھورا متعارفا فی الجاھلیۃ وذلک انھم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شھر قدرا معینا ویکون راس المال باقیا ثم اذا حل الدین طالبوا المدیون براس المال فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فھذا ھو الربا الذی کانوا فی الجاھلیۃ یتعاملون بہ۔[1]

ربا النسیئۃ زمانۂ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھا کیونکہ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ اس کے عوض ہر ماہ ایک قدر معین لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اگر اس پر ادا کرنا دشوار ہوتا تو قرض خواہ مدت بڑھا دیتا اور سود بھی زیادہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جس پر زمانہ جاہلیت میں عمل ہوتا تھا۔

علامہ ابو الولید باجی ربوٰ النسیئۃ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

ان ربا الجاھلیۃ کان ان یقول الذی لہ الدین عند اجلہ للذی علیہ الدین اتقضی ام تربی یرید یزید فی الدین فان اختار ان یزیدہ فی الدین لیزیدہ فی الاجل فعل وھذا مما لا خلاف بین المسلمین فی تحریمہ۔[2]

ربا جاہلیت یہ ہے کہ مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے کہے کہ تم قرض ادا کر رہے ہو یا میں سود کے عوض مدت میں اضافہ کر دوں؟ اگر مقروض سود کو مان لیتا تو قرض خواہ مدت میں اضافہ کر دیتا اس کے حرام ہونے میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

وکل قرض شرط فیہ ان یزیدہ فھو حرام بغیر خلاف قال ابن المنذر اجمعوا علی ان المسلف اذا شرط علی المستسلف زیادۃ او ھدیۃ فاسلف علی ذلک ان اخذ الزیادۃ

جس قرض میں اصل رقم سے زیادہ لینے کی شرط لگائی جائے وہ بالاتفاق حرام ہے۔ ابن المنذر نے کہا کہ قرض خواہ جب مقروض سے اصل سے زیادہ یا ہدیہ لینے کی شرط لگائے تو اس پر اجماع ہے کہ اس زیادتی کا لینا

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ۔
[2] علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۵ ص ۶۵، مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت ۱۳۳۲ھ

علی ذلک ربا۔ [۱]

سود ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ولا خلاف انہ لو کان علیہ الف درہم حالۃ فقال لہ اجلنی وازیدک فیہا مائۃ درہم لا یجوز لان المائۃ عوض من الاجل (الی قولہ) اذ جعلہ عوضا من الاجل وہذا ہو الاصل فی امتناع جواز اخذ الابدال عن الآجال۔ [۲]

کسی شخص نے علی الفور ایک ہزار درہم دینے ہوں اور وہ یہ کہے مجھے مہلت دو تو میں ایک سو درہم زیادہ دوں گا تو اس کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ سو درہم مہلت کے عوض ہیں، کیونکہ اس نے یہ سو درہم مدت کے عوض میں مقرر کیے ہیں اور مدت کے بدلہ میں معاوضہ لینے کے عدم جواز کی یہی اصل ہے۔

نیز علامہ ابوبکر جصاص ربوا الجاہلیۃ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ربا الجاہلیۃ وہو القرض المشروط فیہ الاجل وزیادۃ مال علی المستقرض۔ [۳]

ربٰو جاہلیت اس قرض کو کہتے ہیں جس میں مقروض پر مدت کی وجہ سے اصل مال پر زیادتی کی شرط لگائی گئی ہو۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی ربٰو الجاہلیت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

کانوا فی الجاہلیۃ اذا حل اجل الدین اما ان یقضی واما ان یربی فان قضاہ والازادہ فی المدۃ وزادہ الآخر فی القدر ہکذا فی کل عام فربما یضاعف القلیل حتی یصیر کثیرا مضاعفا۔ [۴]

زمانہ جاہلیت میں جب قرض کی مدت پوری ہو جاتی تو یا تو قرض ادا کر دیا جاتا اور یا اس پر سود لگایا جاتا، قرض خواہ مدت میں اضافہ کرتا تو مقروض اصل رقم پر اضافہ کرتا، ہر سال اسی طرح ہوتا حتیٰ کہ قلیل رقم دوگنی چوگنی ہو کر کثیر ہو جاتی۔

مذاہب اربعہ کے فقہاء کی مذکور الصدر تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس قرض میں مدت معین کے بدلہ میں ایک شخص معین پر دوسرا شخص معین، رقم معین کے اضافہ کی شرط لگائے وہ ربٰوا النسیئہ [۵] ہے۔ اور انعامی بانڈز میں چونکہ مدت کے عوض اضافہ کی شرط نہیں ہوتی اس لیے اس پر ربٰوا النسیئہ کی تعریف صادق نہیں آتی اور بغیر شرط لگائے اگر مقروض قرض خواہ کو اصل رقم سے کچھ زائد دے تو یہ جائز ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتقاضاہ بعیرا فقال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے اونٹ

---

[۱] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[۲] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

[۳] 〃 〃 〃 〃 ، احکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۹ 〃 〃

[۴] علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

[۵] یہ لفظ تین طرح لکھا جاتا ہے ربٰو، ربا اور ربٰی، مرقات و شرح مسلم للنووی۔ سعیدی۔

علیه وسلم اعطوه فقالوا ما نجد الاسنا افضل من سنة قال الرجل اوفیتنی اوفاك الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعطوه فان من خیار الناس احسنهم قضاء.[1]

کا تقاضا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دے دو، اصحاب کرام نے عرض کیا کہ اس کے اونٹ کی عمر سے زیادہ عمر کا اونٹ ہے، اس شخص نے کہا آپ مجھے پورا پورا دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا پورا دے، آپ نے فرمایا: اس کو وہی اونٹ دے دو کیونکہ بہترین لوگ وہ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کریں۔

عن جابر بن عبد الله قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم وهو فی المسجد قال مسعر اراه قال ضحی فقال صل رکعتین وکان لی علیه دین فقضانی وزادنی.[2]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا در آں حالیکہ آپ مسجد میں تھے، مسعر کہتے ہیں کہ اس وقت چاشت کا وقت تھا، آپ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھو، پھر آپ نے قرض ادا کیا اور اصل رقم سے کچھ زیادہ دیا۔

صحیح بخاری کی ان احادیث سے واضح ہوا کہ اگر مقروض از خود قرض کی ادائیگی کے بعد قرض سے زائد کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے اس لیے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حکومت انعامی بانڈز کے ذریعہ لوگوں سے کچھ رقم قرض لیتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بعد از خود بعض افراد کو اصل رقم سے کچھ زیادہ دیتی ہے تو وہ زیادتی ان احادیث کے پیش نظر جائز ہو گی اور سود نہیں ہو گی۔

کیا انعام کا رواج خریدار کی شرط لگانے کے مترادف ہے؟

بعض علماء نے لکھا ہے جیسا کہ شیخ مرحل نے بھی نقل کیا ہے کہ یہ چیز معروف ہے کہ حکومت بانڈز خریدنے والوں کو انعام دیتی ہے اور ہر خریدنے والے کے ذہن میں انعامی بانڈز خریدتے وقت انعام ہی کا تصور ہوتا ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے "المعروف کالمشروط" جو چیز معروف ہو وہ مشروط کے قائم مقام ہے، اس لیے اگرچہ بانڈز خریدنے والا بالفعل اصل سے زائد رقم لینے کی شرط نہیں لگاتا لیکن عرف اس کا قائم مقام ہے کہ وہ شرط لگا رہا ہے اس لیے بطور انعام اس کو جو رقم ملے گی وہ سود ہی ہے۔

یہ دلیل انتہائی سطحی ہے حکومت کسی خاص خریدار یا تمام خریداروں سے سودی معاہدہ نہیں کرتی اگر حکومت کا طریق کار یہ ہوتا کہ وہ تمام خریداروں کو اصل رقم سے کچھ زائد ادا کرتی تو پھر بانڈز خریدتے وقت خریدار شرط لگاتا یا نہ لگاتا عرف کی وجہ سے اس کی شرط تسلیم کی جاتی اور زیادتی سود ہوتی اس کی مثال یہ ہے کہ سیونگ سرٹیفکیٹ اور ڈیفنس سرٹیفکیٹ کی رقم پانچ یا سات سال میں دگنی کر دی جاتی ہے اور یہ چیز معروف ہے اس لیے جو شخص بھی سیونگ یا ڈیفنس سرٹیفکیٹ خریدتا ہے وہ اس عرف کی وجہ سے پانچ یا سات سال میں رقم دگنی لینے کی شرط کے ساتھ خریدتا ہے اور

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۱ھ۔
[2] " " " " " ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲،

وہ اصل رقم سے جس قدر زائد دے گا وہ سود ہوگی۔ اس کے برخلاف انعامی بانڈز میں ایسا نہیں ہے کہ ہر خریدنے والا حکماً اس شرط کے ساتھ بانڈز خرید رہا ہے کہ اس کو لازماً انعام ملے گا کیونکہ حکومت ہر خریدار کو انعام نہیں دیتی نہ اس کا رواج ہے اور نہ یہ عرف ہے اور جو چیز عرف نہیں ہے وہ حکماً شرط بھی نہیں بن سکتی، البتہ عرف یہ ہے کہ لاکھوں خریداروں میں سے چند خریداروں کو انعام ملتا ہے اور ہر خریدار انعام کی امید میں بانڈز خریدتا ہے اور ظاہر ہے کہ انعام کی امید انعام کی شرط کے مترادف اور قائم مقام نہیں ہے، اور جس خریدار کے نام انعام کا قرعہ فال نکلتا ہے انعام کی امید رکھنے کے باوجود اس کے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس کو انعام مل جائے گا پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس نے بانڈز خریدتے وقت حکماً اس زائد رقم کو لینے کی شرط لگائی تھی اس لیے یہ زائد رقم سود ہے۔

اس سے مستزاد یہ ہے کہ انعام کی رقم صرف ایک نہیں ہے پانچ سو سے لے کر پانچ لاکھ تک چھوٹی بڑی انعام کی متعدد قسمیں ہیں اور کوئی پتا نہیں کس کو کیا انعام ملتا ہے، خریدار کو اول تو یہ یقین نہیں ہوتا کہ اس کو انعام ملے گا (صرف انعام کی امید اور خواہش ہوتی ہے) پھر انعام ملنے کی تقدیر پر یہ پتا نہیں کہ اس کو ان متعدد انعامات میں سے کون سا انعام ملنے والا ہے۔ فرض کیجئے اس کو پانچ سو روپیہ کا انعام مل گیا تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس نے یہ انعامی بانڈز اس شرط پر خریدے تھے کہ حکومت اس کو پانچ سو روپیہ زائد ادا کرے گی؟ اور "المعروف کالمشروط" والا قاعدہ اس وقت جاری ہوتا جب یہ رواج ہوتا کہ حکومت ہر خریدار کو پانچ سو روپیہ زائد ادا کرتی یا کم از کم یہ کہ ہر خریدار کو کسی خاص تناسب سے زائد رقم دیتی) پھر اگر خریدار بالفعل شرط نہ بھی لگاتا تب بھی اس عرف کی وجہ سے اس کو شرط کہا جاتا، لیکن جب ہر خریدار کو انعام نہیں ملتا اور لاکھوں خریداروں میں سے چند افراد کو ملتا ہے ان کو بھی انعام کا پتا ہوتا ہے نہ یہ پتا ہوتا ہے کہ کتنا انعام ملے گا پھر یہاں عرف کا کیا سوال ہے؟ اہل علم سے اس قسم کی مغالطہ آفرینی بہت بعید ہے!

انعامی بانڈز کا لین دین قرض ہے یا خرید وفروخت؟

سید مودودی نے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دیا ہے یعنی حکومت عوام سے قرض لیتی ہے اور اس کا سود جمع کر کے قرعہ اندازی کے ذریعہ لوگوں میں تقسیم کر دیتی ہے، یہ بات سرے سے غلط ہے قرض میں ضروری ہے کہ ایک مدت معین کے لیے رقم لی جائے اور اگر اس پر سود دینا ہے تو اس مدت کے بعد سود دیا جائے۔ انعامی بانڈز کا اول تو عنوان ہی خرید وفروخت ہے قرض نہیں ہے، دوم اس کے لین دین میں مدت کا تعین نہیں ہوتا کہ انعامی بانڈز کے بھنانے کے لیے اتنی مدت تک بانڈز رکھنا ضروری ہے، یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے اس لیے انعامی بانڈز کی خریداری کو قرض قرار دینا صحیح نہیں ہے، آدمی بغیر تعین مدت کے بانڈز خریدتا ہے اور جب چاہے بغیر کسی نقصان یا زیادتی کے بینک کو بانڈز واپس کر کے اپنے پیسے لیتا ہے یہ قرض کہاں سے ہو گیا؟

کیا بانڈز پر انعامات سودی رقم سے دیے جاتے ہیں؟

انعامی بانڈز کے انعام کو ناجائز قرار دینے کے سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ بانڈز کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوتی ہے حکومت اس روپیہ کو سود پر قرض دیتی ہے اور اس سود میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے یا حکومت مختلف کمپنیوں کے کاروبار میں یہ رقم لگاتی ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع میں سے انعامات تقسیم کرتی ہے لیکن چونکہ کاروبار میں نفع اور نقصان کی شراکت نہیں ہوتی اس لیے یہ نفع ناجائز ہے اور اس

نفع سے جو انعامات تقسیم کیے جائیں گے وہ بھی ناجائز ہوں گے۔

یہ اعتراض انعامی بانڈز کے طریق کار کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے پر مبنی ہے، انعامی بانڈز کو فروخت کرنے والی حکومت ہے بینک نہیں ہے۔ بینک لوگوں سے جو سرمایہ لے کر جمع کرتا ہے اس کو کاروبار میں لگاتا ہے اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے اور حکومت لوگوں سے انعامی بانڈز یا دوسرے ذرائع سے جو روپیہ حاصل کرتی ہے اس کو وہ اپنے منصوبہ جات اور اخراجات پر خرچ کرتی ہے، حکومت اپنی مختلف اسکیموں کی تکمیل کے لیے جس طرح بیرون ملک سے قرضہ جات لیتی ہے اسی طرح اندرون ملک عوام سے بھی اپنی اسکیموں کے لیے قرضہ جات لیتی ہے اور انعامی بانڈز کی فروخت سے رقم فراہم کرتی ہے، حکومت کا معاملہ بینک سے بالکل الگ ہے، حکومت انعامی بانڈز کو بینک کے ذریعہ فروخت کرتی ہے اس بناء پر ان لوگوں نے سادہ لوحی سے یہ سمجھ لیا کہ انعامی بانڈز کی بیع و شراء میں بینک فریق ہے جبکہ بینک صرف واسطہ ہے اور فریق حکومت ہے، اور اگر بالفرض حکومت اس رقم کو کسی کاروبار میں بھی لگاتی ہے اور تجارت کرتی ہے تو یہ کیسے اور کیونکر فرض کر لیا گیا کہ حکومت اس روپیہ کو کسی جائز کاروبار میں نہیں لگاتی؟ اور اس کا کیسے یقین ہو گیا کہ حکومت کو اس روپیہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بہر حال سود ہی ہوتی ہے، یہ روپیہ ڈیم بنانے یا کسی اور نفع آور اسکیم پر خرچ کیا جا سکتا ہے، اس روپیہ سے حصص کی خریداری بھی ہو سکتی ہے، کوئی مل یا کارخانہ بنایا جا سکتا ہے اور تجارت بھی کی جا سکتی ہے، یہ کہنا کہ بینک اس روپیہ کو سودی کاروبار میں لگاتا ہے، انعامی بانڈز کے فریق اور اس کی فروخت سے حاصل شدہ رقم کے مصرف کے بارے میں صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے غلط اور ساقط ہے۔

یاد رکھیے احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے باطنی امور کے جانچنے اور کھنگالنے کا ہمیں مکلف کیا گیا ہے نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں امور ظاہریہ کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اندرون خانہ کی تفصیلات میں جانے سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ان ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومۃ بباب حجرتہ فخرج الیھم فقال انما انا بشر انہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ قد صدق و اقضی لہ بذلک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا او یترکھا۔ [۱]

زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا میں ایک بشر ہوں میرے پاس لوگ مقدمہ لے کر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی فریق اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس اگر میں نے کسی شخص کو (حجت ظاہری کی بناء پر) دوسرے مسلمان کا حق دے دیا تو وہ آگ کا ٹکڑا ہے، وہ چاہے اس کو لے یا چھوڑ دے۔

۱؎ - امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ ھ

اس حدیث سے بہ صراحت معلوم ہوگیا کہ احکام شرعیہ کا مدار ظاہر پر ہے اگر کسی شخص کا ظاہر درست ہو اور باطن نادرست ہو تو ہم اس کے ظاہر کے اعتبار سے اس کے ساتھ معاملہ کریں گے اس کے باطن کو نہیں کھنگالیں گے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔ اس لیے جب حکومت نے اعلان کر دیا کہ انعامی بانڈز کا لین دین خرید و فروخت ہے اور اس پر انعام دیا جاتا ہے تو اگر حکومت کا طریقہ کار بالفرض اس کے خلاف ہوتا اور واقع میں یہ صورت حال نہ ہوتی پھر بھی ہم ظاہر کے پابند تھے اور باطن میں تجسس کر کے صحیح صورت حال کو کھنگال کر لانے کے مکلف نہ تھے۔

کیا بانڈز پر انعامات اور حکومت کے دیگر عطیات کا حکم الگ الگ ہے؟

حکومت کی طرف سے جو عطیات ملتے ہیں اور تعلیمی اداروں کو گرانٹ دی جاتی ہے۔ قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبروں کو وظائف، وزیروں اور گورنروں کو مشاہرے اور سرکاری ملازمین کو تنخواہیں دی جاتی ہیں اور انعامی بانڈز پر انعامات دیے جاتے ہیں یہ سب سرکاری خزانہ (اسٹیٹ بینک) سے دیے جاتے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اسٹیٹ بینک میں روپوں کی الگ الگ تخصیص ہو اور سرکاری نوازشات اور دینی اداروں کو دی جانی والی گرانٹ کے روپے الگ ہوں اور انعامی بانڈز پر انعامات دیے جانے والے روپے نشان زد کر کے الگ رکھے ہوں، حکومت کی تمام آمدنی خواہ بانڈز سے حاصل شدہ رقم کی تجارت کے ذریعہ ہو یا ٹیکسوں کے ذریعہ ہو، اندرون ملک یا بیرون ملک تجارت کی آمدنی ہو یا غیر ملکی امداد ہو یہ تمام رقوم اسٹیٹ بینک میں جمع کر دی جاتی ہیں، اور عطیات، تنخواہیں اور انعامات اور سرکاری نوازشات اسی مجموعی آمدنی سے کی جاتی ہیں، پھر انعامی بانڈز سے انعامات کو اس لیے ناجائز کہنا کہ یہ اس آمدنی سے دیے جاتے ہیں جس میں سود کی آمیزش ہے یا اس کی تجارت میں نقصان کی شرکت نہیں ہے اور سرکاری نوازشات، عطیات اور تنخواہوں کو ناجائز نہ کہنا ناقابل فہم ہے جب کہ حکومت اپنے تمام اخراجات انعامی بانڈز کی آمدنی یا اس جیسی آمدنی سے ہی کرتی ہے۔

کیا نیت پر حکم لگانا صحیح ہے؟

سید مودودی نے لکھا ہے "کہ جو شخص انعامی بانڈز خریدتا ہے اس میں نیت سودی لین دین ہی کی ہوتی ہے" جبکہ حکومت یہ انعام سود کے عنوان سے نہیں دیتی نہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے پھر تمام مسلمانوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سود ایسی حرام چیز کے لین دین کی نیت کرتے ہیں، مسلمانوں کے بارے میں سوءِ ظن کے سوا اور کچھ نہیں ہے، نیت ایک مخفی چیز اور غیب ہے۔ سید مودودی کا تعلق اس مکتب فکر سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی غیب کا علم تسلیم نہیں کرتا پھر ان تمام مسلمانوں کی نیت کے بارے میں ایسا حکم لگانا جس کا تعلق علم غیب سے ہو، نہایت حیرت انگیز ہے!

قمار کی تحقیق

سید مودودی لکھتے ہیں کہ بانڈز کے انعامات کی تقسیم لاٹری کے طرز پر ہوتی ہے یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے لیکن اس میں روح قمار ضرور موجود ہے، آئیے پہلے یہ دیکھیں کہ قمار (جوا) کیا چیز ہے پھر اس کا فیصلہ ہوگا کہ اس میں قمار کی روح ہے یا قمار کا جسم ہے؟۔

لوئیس معلوف قمار کا معنی لکھتے ہیں:

القمار: کل لعب یشترط فیه ان یأخذ الغالب من المغلوب شیئا سواء

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب مغلوب سے کوئی چیز لے گا خواہ وہ چاندی ہو یا

كان بالورق او غيره ۔[1]

کوئی اور چیز۔

میر سید شریف لکھتے ہیں:

القمار: كل لعب يشترط فيه غالبًا من المتغالبين شئ من المغلوب ۔[2]

ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی قمار ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

ان القمار من القمر الذى يزداد تارة و ينقص اخرى وسمى القمار قمارا لان كل واحد من المقامرين ممن يجوز ان يذهب ماله الى صاحبه و يجوز ان يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص ولا كذلك اذا شرط من جانب واحد۔ (زيلعى)[3]

قمار، قمر سے ماخوذ ہے جو کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، اور جوئے کو قمار اس لیے کہتے ہیں کہ جوا کھیلنے والوں میں سے ہر ایک اپنا مال اپنے ساتھی کو دینے اور اپنے ساتھی کا مال لینے کو (شرط کے ساتھ) جائز سمجھتا ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے اور اگر صرف ایک جانب سے شرط لگائی جائے تو جائز ہے۔

(اس کی تفصیل علامہ زیلعی کی عبارت میں آ رہی ہے)۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ولا خلاف بين اهل العلم فى تحريم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار وان اهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذلك مباحا الى ان ورد تحريمه وقد خاطر ابوبكر الصديق المشركين حين نزلت الم غلبت الروم وقال له النبى صلى الله عليه وسلم زده فى الخطر وابعد فى الاجل ثم حظر ذلك ونسخ بتحريم القمار ولا خلاف فى حظره الا ما رخص فيه من الرهان فى السبق فى الدواب والابل والنصال اذا كان الذى يستحق واحدا ولا يستحق الاخران

اہل علم کا قمار کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آپس میں شرط لگانا قمار ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے، پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورۂ روم نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے رومیوں کے ایرانیوں سے غالب ہونے پر مشرکین سے شرط لگائی گئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرط کی زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو، پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا اور قمار کی حرمت نازل ہو گئی، اس کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ شتر سواری، گھوڑے سواری اور تیر بازی میں سابقیت کی شرط لگانے کی رخصت ہے جبکہ سب سے آگے نکلنے والے کو انعام دیا جائے

[1] لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد ص ۶۵۳ مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت، الطبعۃ التاسعۃ عشرۃ ۱۹۲۰ء

[2] میر سید شریف متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۷۷، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۶ھ

[3] علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۵ ص ۳۵۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

سبق وان شرط ان من سبق اخذ ومن سبق اعطی فھذا باطل فان ادخلا بینھما رجلا ان سبق استحق وان سبق لم یعط فھذا جائز وھذا الدخیل سماہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم محللا[1]

اور پیچھے رہنے والے کو نہ دیا جائے، اور اگر یہ شرط لگائی جائے کہ دونوں میں سے جو آگے نکل جائے گا وہ لے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ ناجائز ہے اور اگر وہ کسی تیسرے شخص کو داخل کر دیں کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو لے گا اور اگر پیچھے رہ گیا تو کچھ نہیں دے گا تو یہ جائز ہے اس دخیل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل فرمایا ہے۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

وعن ابن سیرین ومجاھد وعطاء کل شئ فیہ خطر فھو من المیسر (الی قولہ) وقال الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ اذا خلا الشطرنج عن الرھان واللسان عن الطغیان والصلوۃ عن النسیان لم یکن حراما وھو خارج عن المیسر لان المیسر یوجب دفع المال او اخذ مال فلا یکون قمارا ولا میسرا۔[2]

ابن سیرین، مجاہد اور عطاء سے روایت ہے جس چیز میں بھی شرط لگائی جائے وہ میسر (جوا) ہے، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب شطرنج شرط یا وہ گوئی اور نماز کی غفلت سے خالی ہو تو حرام نہیں ہے اور میسر سے خارج ہے کیونکہ مَیْسِر مال کے دینے یا لینے کو واجب کرتا ہے پس وہ نہ قمار ہے نہ مَیْسِر ہے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

قال ابن عباس کان الرجل فی الجاھلیۃ یخاطر الرجل علی اھلہ ومالہ فایھما قمر صاحبہ ذھب بمالہ واھلہ فنزلت الآیۃ[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص بھی اپنے ساتھی پر غالب ہوتا (شرط جیت لیتا) وہ اپنے ساتھی کے مال اور اہل کو لے لیتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر (بقرہ: ۲۱۹)

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

قال مالک المیسر میسران میسر اللھو ومیسر القمار فمن میسر اللھو النرد والشطرنج والملاھی کلھا، ومیسر القمار ما یتخاطر الناس علیہ[4]

امام مالک نے فرمایا مَیْسِر کی دو قسمیں ہیں، مَیْسِر اللھو اور مَیْسِر القمار، مَیْسِر اللھو میں نرد، شطرنج اور تمام ملاہی ہیں اور مَیْسِر القمار ہر وہ عقد ہے جس میں لوگ شرط لگائیں۔

---

[1] علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

[2] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[3] علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[4] 〃 〃 〃 الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۴، 〃

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

کل لعب فیہ قمار فھو محرم ای لعب کان، وھو من المیسر الذی امر اللہ تعالی باجتنابہ ومن تکرر منہ ذلک ردت شھادتہ، وما خلا من القمار وھو اللعب الذی لا عوض فیہ من الجانبین ولا من احدھما فمنہ ما ھو محرم ومنہ ما ھو مباح فاما المحرم فاللعب بالنرد وھذا قول ابی حنیفۃ واکثر اصحاب الشافعی وقال بعضھم ھو مکروہ غیر محرم [1]

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو وہ حرام ہے خواہ کسی قسم کا کھیل ہو اور یہ اس میسر میں داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے اور جو شخص بار بار جوا کھیلے اس کی شہادت مردود ہوگی اور جو کھیل قمار سے خالی ہوں اور یہ وہ ہیں جن میں جانبین یا کسی ایک جانب سے عوض نہ ہو ان کھیلوں میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں، امام ابوحنیفہ اور اکثر اصحاب شافعی کے نزدیک نرد حرام ہے اور بعض نے کہا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

فاما الشطرنج فھو کالنرد فی التحریم الی قولہ وسائر اللعب اذا لم یتضمن ضررا ولا شغلا عن فرض فالاصل اباحتہ [2]

شطرنج کی تحریم میں نرد کی طرح اقوال ہیں اور باقی کھیل جب ضرر اور فرائض میں غفلت سے خالی ہوں تو اپنی اصل پر مباح ہیں۔

علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں:

والمسابقۃ بالفرس والابل والارجل والرمی جائزۃ وحرم شرط الجعل من الجانبین لا من احد الجانبین۔ [3]

گھوڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں مقابلہ کرنا جائز ہے اور جانبین سے شرط رکھنا حرام ہے اور ایک جانب سے شرط رکھنا حرام نہیں ہے۔

علامہ زیلعی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ومعنی شرط الجعل من الجانبین ان یقول ان سبق فرسک فلک علی کذا وان سبق فرسی فلی علیک کذا وھو قمار فلا یجوز (الی قولہ) ولا کذلک اذا شرط من جانب واحد بان یقول ان سبقتنی فلک علی کذا وان سبقتک فلا شیء

جانبین سے شرط رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ اگر تمہارا گھوڑا نکل گیا تو میں تم کو اتنے پیسے دوں گا اور اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تم کو اتنے پیسے دینے ہوں گے، اور یہ قمار ہے اس لیے جائز نہیں ہے، اور جب شرط ایک جانب سے ہو بایں طور کہ ایک شخص یہ کہے اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو مجھ پر

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] " " " " ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۷۳ - ۱۷۱ " " "

[3] علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ، کنز الدقائق ص ۴۳۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

لي عليك لان النقصان والزيادة يمكن الزيادة وفي الآخر النقصان فقط فلا يكون مقامرة لان المقامرة مفاعلة منه فتقتضي ان تكون من الجانبين واذا لم يكن في معناه جاز استحسانا لما روينا والقياس ان لا يجوز لما فيه من تعليق التمليك على الخطر ولهذا لا يجوز فيما عدا الاربعة المذكورة في الكتاب كالبغل وان كان الجعل مشروطا من احد الجانبين ۔ ؎

اتنے ملے لازم ہو، اور اگر وہ آگے نکل گیا تو تو دے گا۔ یہ قمار میں ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف ایک فریق کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ لازم آرہا ہے اس لیے یہ مقامرہ نہیں ہے اور مقامرہ چونکہ باب مفاعلہ سے ہے اس لیے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جانبین سے ہو (یعنی ہر فریق کو نقصان یا فائدہ لازم ہو) اور جب ایک جانب سے شرط رکھنا مقامرہ نہیں ہے تو یہ اس حدیث کے اعتبار سے استحسانا جائز ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ (علامہ زیلعی نے حضرت ابن عمر کی یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ دوڑ میں مقابلہ کرایا اور شرط رکھی اور ج ۶ ص ۳۲ پر مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں کی دوڑ، نیزے بازی اور گھوڑ دوڑ کے سوا شرط رکھنا جائز نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور قیاساً یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں ملکیت کو شرط پر معلق کرنا ہے اس لیے ان چار چیزوں (اونٹ، گھوڑے، پیدل اور تیر اندازی) کے سوا مثلاً خچر دوڑانے وغیرہ میں ایک جانب سے بھی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مذاہب اربعہ میں قمار حرام ہے اور اس کی حرمت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے، علماء احناف کے نزدیک قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس میں جانبین سے شرط ہو یعنی جس عقد یا کھیل میں ہر فریق کو فائدہ یا نقصان لازم ہو وہ قمار ہے نیز فقہاء احناف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ گھوڑ دوڑ، شتر سواری پیدل چلنے اور تیر اندازی میں ایک جانب سے نفع یا نقصان کی شرط جائز ہے اس کے علاوہ کسی عقد یا کھیل میں نفع یا نقصان کی شرط ایک جانب سے بھی جائز نہیں ہے اور یہ بھی حکماً قمار ہے اور ناجائز ہے۔

کیا بانڈز کے انعامات میں قمار کی روح ہے؟

قمار کی تعریف معلوم ہونے کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز کے انعامات میں قمار بالکل نہیں ہے کیونکہ اس میں شرط بالکل نہیں ہے دونوں جانبوں سے نہ ایک جانب سے، بانڈز کی خریداری کے لیے کوئی شرط ہے نہ فروخت کے لیے، خریدنے اور بیچنے والے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو بھی نفع یا نقصان

؎ علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۷ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

لازم نہیں ہے۔ خریدار جتنے روپوں کا بانڈ خریدتا ہے جب چاہے اتنے روپوں میں اس کو فروخت کر دیتا ہے، اور حکومت جو بانڈز پر انعام دیتی ہے وہ محض تبرع ہیں جو محض بانڈز خریدنے کی ترغیب کے لیے جاری کیے جاتے ہیں جیسے بعض کمپنیاں شربت کی بوتل کے ساتھ گلاس مفت دے دیتی ہیں یا بعض ٹوتھ پیسٹ کمپنیاں دو ٹوتھ پیسٹ خریدنے پر تیسری ٹوتھ پیسٹ مفت دے دیتی ہیں،^ بعض کمپنیاں خریداری پر ڈائری اور کیلنڈر دیتی ہیں، یہ تمام چیزیں لازم یا کسی استحقاق کا نتیجہ نہیں ہیں اسی طرح حکومت خریداری کا شوق بڑھانے یا ترغیب دلانے کے لیے انعامات جاری کرتی ہے، اس میں کوئی شرط ہے نہ خریدنے والے کا کوئی استحقاق ہے کیونکہ یہ صرف بیع ہے، نہ قرض ہے نہ شراکت! اس لیے اس میں سود کا شائبہ ہے نہ قمار کا۔

سید مودودی لکھتے ہیں: جمع شدہ سود کی وہ رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقہ پر ہوتا ہے جس پر لاٹری میں لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقم قرض نہیں ماری جاتی بلکہ صرف وہ سود جو سودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے، انھیں نہیں ملتا، بلکہ قرعہ کے ذریعہ سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے اس بنا پر یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روح قمار ضرور موجود ہے۔[1]

کیا سید مودودی کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ سب کے حصوں کا سود چند آدمیوں کی بجائے اگر سب آدمیوں کو مل جائے تو پھر اس عقد سے روح قمار نکل جائے گی؟ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ یہ صرف عقد بیع ہے یہاں کسی سود یا قمار کا کوئی شائبہ نہیں ہے البتہ اگر کسی کو یہ خدشہ ہو کہ بانڈز کی خریداری سے جو حکومت کو پیسہ حاصل ہوتا ہے وہ تمام خریداروں کا روپیہ ہوتا ہے۔ اب اگر اس روپیہ سے حکومت کو تجارت کے ذریعہ نفع ہوتا ہے تو اس نفع کو تمام خریداروں میں تقسیم کرنا چاہیے۔ صرف چند خریداروں میں قرعہ اندازی کے ذریعہ انعامات تقسیم کرنا انصاف کے خلاف ہے لیکن یہ خدشہ اس لیے ساقط ہے کہ خریداروں نے حکومت کے ساتھ کوئی عقد شراکت نہیں کیا انھوں نے صرف بانڈز کا عقد بیع کیا ہے۔ بانڈز کی رقم سے اول تو کوئی آمدنی نہیں ہوتی کیونکہ یہ رقم مختلف منصوبوں پر خرچ کی جاتی ہے ثانیاً اگر بانڈز کے پیسوں کے ذریعہ حکومت کو آمدنی ہوتی ہے تو اس میں کسی خریدار کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ اور حکومت ترغیب اور تشویق کی خاطر محض تبرعاً انعامات کی تقسیم کرتی ہے۔

اس تمام بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ انعامی بانڈز کی خریداری، حکومت کا ان پر انعام دینا اور لوگوں کا انعام وصول کرنا جائز ہے۔ مجھ سے تین سال پہلے بعض دوستوں نے فرمائش کی تھی کہ میں انعامی بانڈز کے سلسلہ میں اپنا موقف

^ میکلفس ٹوتھ پیسٹ کی قیمت تین سال پہلے دس روپیہ تھی لیکن اگر دو ٹوتھ پیسٹ لو تو بیس روپوں میں تین ٹوتھ پیسٹ مل جاتی تھیں۔ ـــــ ۲۵ جولائی ۱۹۸۸ء ـ سعیدی غفرلہٗ۔

[1] سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل و مسائل ج ۳ ص ۲۳۶ مطبوعہ ہیں اسلامک پبلیکیشنز، لاہور بارہ پنجم ۱۹۷۵ء

دلائل کے ساتھ پیش کروں بہر حال اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ بیع الحصاۃ اور بیع غرر کی شرح میں، میں نے بیع تعاطی اور انعامی بانڈز کی بیع پر مفصل بحث کی۔ میری یہ کوشش صرف حلال اور حرام کا فرق واضح کرنے کے لیے ہے تاکہ بعض علماء کے فتاویٰ سے جو عام مسلمان اس بیع کے اندر خلجان میں مبتلا رہتے ہیں ان پر حق واضح ہو جائے اور جواز اور عدم جواز کے دلائل پر غور کر کے وہ خود نتیجہ اخذ کر سکیں، الہ العلمین میری اس کوشش کو قبول فرما، مجھے صحیح مسلم کی شرح مکمل کرنے اور اس کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی توفیق دے۔ میری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما، مجھے علوم نافعہ اور اعمال صالحہ سے نواز، میرا ایمان پر خاتمہ فرما اور دارین کی خیر کو میرے لیے مقدر کر دے۔ امین یارب العالمین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید الشافعین والمشفعین قائد الغر المحجلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ اجمعین۔

باب ۴۸۵ تَحْرِيْمِ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

حمل کی بیع کی ممانعت

۳۶۹۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا نَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ (جانور) کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۳۷۰۰ - وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا يَحْيٰى وَهُوَ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَتَبَايَعُوْنَ لَحْمَ الْجَزُوْرِ اِلٰى حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تَحْمِلُ الَّتِيْ نُتِجَتْ فَنَهَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اونٹ کا گوشت حاملہ کے حمل تک فروخت کرتے تھے اور حاملہ کے حمل سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی سے ایک اونٹنی پیدا ہو پھر بڑی ہو کر یہ اونٹنی حاملہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔

لفظ حبل کی تحقیق

اس باب کی احادیث میں حاملہ جانور کے لیے حبلہ کا لفظ استعمال ہوا ہے، علامہ نووی اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل اللغت نے کہا ہے کہ حبلۃ حابل کی جمع ہے جیسے ظالم کی جمع ظلمۃ، فاجر کی جمع فجرۃ اور کاتب کی جمع کتبۃ ہے، اخفش نے کہا جب عورت حاملہ ہو تو حابل کہتے ہیں اور

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس کی جمع حبلۃ ہے۔ ابن انباری نے کہا کہ حبلۃ میں تا مبالغہ کے لیے ہے، اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ حمل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اور آدمیوں کے علاوہ حمل کا لفظ استعمال ہوتا ہے، عورت کے لیے حاملہ اور حابلہ دونوں لفظ مستعمل ہیں اور جانوروں کے لیے صرف حاملہ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے مثلاً بکری یا اونٹنی کو حاملہ کہتے ہیں، حیوانات کے لیے حابلہ کا لفظ صرف اس حدیث میں استعمال ہوا ہے۔ [۱]

علامہ بدرالدین عینی نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ ابن درید نے کہا ہے کہ ہر مونث کے لیے حابلہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان، ہروی اور اخفش نے بھی اپنے نوادر میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور جامع میں ہے "امرأة حبلی (حاملہ عورت)" اور "سنور حبلی" (حاملہ بلی) اور ان اشعار سے استشہاد کیا ہے:

ان فی دارنا ثلاث حبالی فوددنا ان قد وضعنا جمیعا

(ہمارے گھر میں تین حاملہ ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ان سب کا حمل وضع ہو)

جارتی ثم هرتی ثم شاتی فاذا ما وضعن کن ربیعا

میری پڑوسن، میری بلی اور میری بکری۔ جب ان کے بچے ہو جائیں گے تو بہار آجائے گی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ ان اشعار سے واضح ہو گیا کہ حدیث میں حبل کا استعمال اپنے محل پر ہے اور علامہ نووی کا اعتراض صحیح نہیں ہے [۲]

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں حَبَل کا معنی پیٹ میں اٹھایا ہوا بچہ یا حمل ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حَبَلِ الحَبَلَة" سے منع فرمایا ہے پہلے حبل سے اونٹنیوں کے پیٹ کا حمل مراد ہے اور دوسرے لفظ سے اونٹنیوں کے پیٹ کا بچہ مراد ہے [۳]

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ حابلۃ ہر مونث کی صفت ہو سکتی ہے یا خاص مونث کی صفت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حیوانات میں اس کا اطلاق صرف اس حدیث میں ہے، ابو عبیدہ نے کہا اونٹنی کے پیٹ کے بچے کو حبل الحبلہ کہتے ہیں، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ علامہ ابن منظور نے متعدد اقوال نقل کر کے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ لفظ عام ہے اخیر میں لکھا ہے "سنورة حبلی وشاة حبلی"۔ [۴]

علامہ زبیدی نے بھی اس لفظ پر بحث کی ہے اور علامہ سہیلی سے نقل کیا ہے کہ "حبلۃ" کی تا سے لوگوں کو اشتباہ پڑ گیا اور انھوں نے بے سر و پا باتیں کہیں اور ابن الانباری سے نقل کیا ہے کہ "حبل الحبلہ" پیٹ کے بچے کو کہتے ہیں [۵]

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ۔

[۲] علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۶۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

[۳] علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۱ ص ۳۳۴ مطبوعہ موسسۃ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

[۴] علامہ جمال الدین ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۳۰ - ۱۳۹ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[۵] السید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

حبل الحبلۃ کی تفسیر میں فقہاء کے اقوال

اس باب کی حدیث نمبر ۳۶۹۹ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبل الحبلۃ (حاملہ اونٹنی کے حمل) کی بیع سے منع فرمایا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے حبل الحبلۃ کی چار تفسیریں ذکر کی ہیں:

(الاول): کسی چیز کو خریدا جائے اور کہا جائے کہ اس کی قیمت اس وقت دی جائے گی جب اس حاملہ اونٹنی کے بچی ہو پھر وہ بڑی ہو کر بچہ دے، یہ تفسیر حضرت ابن عمر سے صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔

(الثانی): کسی چیز کی میعادی قیمت پر بیع کی جائے اور کہا جائے کہ قیمت اس وقت دی جائے گی جب یہ حاملہ اونٹنی اپنا حمل وضع کرے گی، یہ تفسیر ابن مسیب سے منقول ہے، امام مالک، امام شافعی اور فقہاء کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(الثالث): کسی چیز کی میعادی قیمت پر بیع ہو اور قیمت اس وقت دی جائے جب اونٹنی کی بچی پیدا ہونے کے بعد حاملہ ہو جائے اور اس کے وضع حمل کی شرط نہ ہو، یہ تفسیر حضرت ابن عمر سے منقول ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۷۰۰ سے ظاہر ہے۔ ان تینوں صورتوں میں بیع اس لیے ممنوع ہے کہ قیمت کی ادائیگی کی مدت مجہول ہے۔

(الرابع): حاملہ اونٹنی کے پیٹ کے بچے یا پیٹ کے بچے کے بچے کی بیع کی جائے، امام ترمذی نے اس تفسیر پر اعتماد کیا ہے، امام احمد، ابو عبیدہ اور اسحاق نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ اس صورت میں بیع کے ممنوع ہونے کی وجہ غرر اور مبیع کی جہالت ہے، کیونکہ پیٹ کے بچہ کا خود پیدا ہونا یقینی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کے بچہ کا پیدا ہونا یقینی ہو۔[1]

بیع غرر کے احکام کی تفصیل

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ بیع غرر (وہ بیع جس میں دھوکا ہو) سے ممانعت بیع کا ایک اہم اصول ہے، اور اس کے تحت بہت سے مسائل داخل ہیں مثلاً معدوم چیز کی بیع (جیسے ہمارے ملک میں رواج ہے کہ باغ کے پھلوں کی بیع اس وقت کی جاتی ہے جب اس میں پھلوں کا بور بھی نہیں لگا ہوتا) مجہول چیز کی بیع، جس چیز کے دینے پر بائع قادر نہ ہو، جس چیز پر بائع کی ملکیت نہ ہو، دریا یا سمندر میں مچھلیوں کی بیع، جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بیع، جانور کے پیٹ میں حمل کی بیع، غلہ کے ڈھیر کی بیع جس کی مقدار مجہول ہو، کسی غیر معین کپڑے یا غیر معین جانور کی بیع، ان چیزوں اور ان کی مثل دوسری چیزوں کی بیع باطل ہے کیونکہ اس میں غرر ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ غرر کی بعض صورتیں ضرورت کی بناء پر مستثنیٰ ہیں مثلاً کسی حاملہ جانور کو فروخت کیا جائے یا کسی دودھ دینے والے جانور کو فروخت کیا جائے تو چونکہ پیٹ کے حال اور تھنوں میں دودھ کی مقدار کا جاننا عادۃً اور عام ذرائع سے ممکن نہیں ہے اس لیے اس قدر جہالت اور غرر کے ساتھ بیع صحیح ہے، اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غرر حقیر کے ساتھ بیع جائز ہے، مثلاً لحاف کی بیع جائز ہے حالانکہ اس میں روئی کی مقدار مجہول ہے یا جس کوٹ یا جیکٹ میں کچھ بھرائی ہو اور بھرائی کی مقدار مجہول ہو، اسی طرح ایک ماہ کے لیے مکان یا کسی چیز کو کرایہ پر دینا جائز ہے حالانکہ مہینہ کبھی انتیس کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا ہوتا ہے۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ اجرت دے کر حمام میں غسل کرنا جائز ہے، حالانکہ پانی استعمال کرنے میں لوگوں کی عادات مختلف ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ جانوروں کے پیٹ کے بچوں کی اور ہوا میں پرندوں کی

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۳۵۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

بیع ناجائز ہے اور اس کا عدم جواز غرر کی وجہ سے ہے، البتہ اگر غرر ناگزیر ہو اور بغیر مشقت شدیدہ کے اس سے احتراز ممکن نہ ہو تو بیع اور اجارہ میں غرر حقیر جائز ہے جیسا کہ ہماری دی ہوئی مثالوں سے ظاہر ہو گیا۔[۱]

بَابُ ۴۸۶ تَحْرِيْمِ بَيْعِ الرَّجُلِ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَسَوْمِهٖ وَتَحْرِيْمِ النَّجْشِ وَتَحْرِيْمِ التَّصْرِيَةِ

کسی کی بیع اور نرخ پر بیع اور نرخ کرنے اور تھنوں میں دودھ روکنے کی حرمت

۳۷۰۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔

۳۷۰۲ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، نہ کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے سوا اس کے کہ وہ اجازت دے دے۔

۳۷۰۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلٰى سَوْمِ الْمُسْلِمِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے نرخ کرتے وقت نرخ نہ کرے۔

۳۷۰۴ - وَحَدَّثَنِيْهِ اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ۔

الدَّوْرَقِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْعَلَاءِ وَسُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ وَهُوَ ابْنُ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَسْتَامَ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ وَفِي رِوَايَةِ الدَّوْرَقِيِّ عَلَى سِيمَةِ أَخِيهِ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ کرنے سے منع فرمایا۔

٣٧٠٥ ۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا فَإِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تجارتی) قافلہ (کے شہر پہنچنے سے پہلے) اس سے بیع کے لیے ملاقات نہ کرو، اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش (اس لفظ کی وضاحت شرح میں آئے گی) نہ کرو اور شہری دیہاتی کے مال کو فروخت نہ کرے اور اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ نہ روکو اور اگر کوئی شخص ایسے جانور کو خریدے تو اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، اگر وہ جانور اس کو پسند ہے تو اسی قیمت پر رکھ لے اور اگر اس کو پسند نہیں ہے تو جانور واپس کر دے اور (دودھ کے عوض) ایک صاع (چار کلو گرام اور ڈھائی سو گرام) کھجوریں واپس کرے۔

٣٧٠٦ ۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ وَهُوَ ابْنُ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے اور یہ کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے اور نجش نہ کرے اور تھنوں میں دودھ روکنے سے اور اپنے

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ التَّلَقِّیْ وَاَنْ یَّبِیْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ وَاَنْ تَسْاَلَ الْمَرْاَۃُ طَلَاقَ اُخْتِھَا وَعَنِ النَّجْشِ وَالتَّصْرِیَۃِ وَاَنْ یَّسْتَامَ الرَّجُلُ عَلٰی سَوْمِ اَخِیْہِ۔

بھائی کے نرخ پر نرخ کرنے سے منع فرمایا۔

۳۷۰۷۔ وَحَدَّثَنِیْہِ اَبُوْ بَکْرِ بْنُ نَافِعٍ قَالَ نَا غُنْدَرٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا وَھْبُ بْنُ جَرِیْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ نَا اَبِیْ قَالُوْا جَمِیْعًا نَا شُعْبَۃُ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ فِیْ حَدِیْثِ غُنْدَرٍ وَوَھْبٍ نُھِیَ وَفِیْ حَدِیْثِ عَبْدِ الصَّمَدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی بِمِثْلِ حَدِیْثِ مُعَاذٍ عَنْ شُعْبَۃَ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے غندر اور وہب کی روایت میں ہے "منع فرمایا" اور عبدالصمد کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

۳۷۰۸۔ وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ قَرَاْتُ عَلٰی مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ النَّجْشِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا۔

بیع پر بیع اور نرخ پر نرخ کی صورتیں

حدیث نمبر ۳۷۰۱ میں بیع پر بیع کرنے کی ممانعت ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے مدت خیار میں کوئی چیز خریدی اس سے کوئی شخص یہ کہے کہ اس بیع کو فسخ کر دو، میں تم کو یہ چیز اس سے کم قیمت پر فروخت کر دوں گا، یہ حرام ہے یا خریدار کہے تم اس بیع کو فسخ کر دو میں تم کو اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت دوں گا، یہ بھی حرام ہے۔

حدیث نمبر ۳۷۰۳ میں نرخ پر نرخ کرنے کی ممانعت ہے کہ خریدار اور بائع دونوں کسی چیز کی بیع پر راغب اور راضی ہوں لیکن ابھی عقد بیع نہ ہوا ہو کہ ایک اور شخص بائع سے کہے میں زیادہ قیمت دوں گا قیمت طے ہو جانے کے بعد یہ بھی حرام ہے، البتہ نیلام میں زیادہ بولی دینا جائز ہے، اس کی تفصیلی بحث عنقریب آ رہی ہے، رہا کسی عورت کا اپنی بہن کی طلاق کا سوال کرنا اور منگنی پر منگنی کرنا اس پر تفصیلی گفتگو شرح صحیح مسلم جلد ثالث کی کتاب النکاح میں گزر چکی ہے[1]

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

بیع پر بیع کی ممانعت میں مذاہب اور مصنف کا تجزیہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بیع پر بیع اور نرخ پر نرخ ممنوع ہے، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اس حکم کا خلاف کر کے بیع پر بیع کر لی تو وہ گنہگار ہوگا اور بیع منعقد ہو جائے گی، داؤد ظاہری نے کہا کہ بیع منعقد نہیں ہوگی، امام مالک سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔[1]

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی لکھتے ہیں: نرخ پر نرخ کرنا حرام ہے جبکہ فریقین کی رضامندی صراحۃً ہو، ایک قول یہ ہے کہ ظاہراً ہو، ایک قول یہ ہے کہ جب دونوں امر مساوی ہوں، ایک قول یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ جب بائع اور مشتری عقد کر چکے ہوں تو مدت خیار میں اس پر بیع کرنا صحیح نہیں ہے۔[2]

علامہ مرداوی حنبلی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیع پر بیع کی ممانعت کا حکم خیار مجلس یا خیار شرط کے زمانے کے ساتھ خاص ہے اور اس کے بعد ممانعت نہیں ہے۔ محرر، رعایتین، حاویین میں بھی اسی پر جزم ہے۔ امام احمد کے کلام سے بھی بظاہر اسی طرح معلوم ہوتا ہے (علامہ مرداوی لکھتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ابن رجب نے شرح النووبہ میں لکھا ہے کہ امام احمد کا اس قول کی طرف میلان ہے کہ یہ ممانعت دونوں زمانوں میں عام ہے یعنی مدت خیار اور عقد لازم ہونے کے بعد ہر صورت میں بیع پر بیع ممنوع ہے۔ فقہاء حنابلہ کی ایک جماعت کا اسی طرف میلان ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے۔[3]

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے" امام مالک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی قیمت پر قیمت نہ لگائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب بائع قیمت لگانے والے کی طرف راغب ہو چکا ہو اور بیع منعقد ہونے میں معمولی سا مسئلہ رہتا ہو، مثلاً بائع دینار میں قیمت لینا چاہتا ہو اور خریدار درہم میں قیمت دینا چاہتا ہو یا خریدار عیب کی شرط لگانا چاہتا ہو اور بائع عیب سے برأت کی شرط لگا رہا ہو، امام ابوحنیفہ نے بھی اس حدیث کی تشریح، امام مالک کی طرح کی ہے۔

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: کہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے کر لی تو بیع نافذ ہو جائے گی کیونکہ یہ اس بیع پر قیمت لگائی گئی ہے جو ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ داؤد ظاہری اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بیع ہو جائے تو فسخ کر دی جائے گی خواہ کسی حالت میں ہو (یعنی بیع تام ہونے سے پہلے یا بعد) انھوں نے عموم سے استدلال کیا ہے، امام مالک اور ان کے بعض اصحاب سے یہ بھی روایت ہے کہ جب تک مبیع فوت نہ ہو بیع کو فسخ کر دیا جائے گا۔

نیز قاضی ابن رشد مالکی فرماتے ہیں: آیا اس ممانعت میں ذمی کی بیع بھی داخل ہے یا نہیں؟ جمہور یہ کہتے ہیں کہ ذمی اور غیر ذمی میں کوئی فرق نہیں ہے، امام اوزاعی یہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے اور ذمی ہمارا بھائی نہیں ہے۔[4]

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ ھ۔

[2] علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبداللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ ھ، کتاب الفروع ج ۴ ص ۵۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ ھ

[3] علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ ھ، تصحیح الفروع ج ۴ ص ۳۶،

[4] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت

فقہاء احناف نے بالعموم بیع پر بیع کی ممانعت کو نرخ پر نرخ کی ممانعت پر محمول کیا ہے علامہ ابن نجیم نے اسی طرح لکھا ہے[1] اور علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: یہ ممانعت دوسرے شخص کے نقصان کی وجہ سے ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب فریقین قیمت پر راضی ہو جائیں[2] علامہ حصکفی نے بھی درمختار میں اسی طرح لکھا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے اس ممانعت کو دونوں صورتوں میں عام رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ نرخ پر نرخ لگانے کی صورت یہ ہے کہ فریقین ایک قیمت پر راضی ہو جائیں اور عقد پر ان کا میلان ہو پھر ایک اور شخص اگر زیادہ قیمت کی پیش کش کرے یا اسی قیمت کی پیش کش کرے لیکن وہ شخص بائع کے نزدیک صاحب وجاہت ہو اس وجہ سے وہ اس کے ہاتھ مبیع کو فروخت کر دے، اور بیع پر بیع کرنے کی صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری ایک چیز کی ایک قیمت پر راضی ہو جائیں پھر ایک شخص اگر کہے میں تم کو یہ چیز اس سے کم قیمت پر دوں گا اس سے فروخت کرنے والے کو ضرر ہو گا، پس ظاہر ہو گیا کہ بیع پر بیع اور نرخ پر نرخ کی الگ الگ صورتیں ہیں اور دونوں کے سلسلہ میں حدیثیں ہیں اس وجہ سے اس حدیث میں بیع کو مجازاً نرخ پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کی گنجائش اس وقت ہوتی جب نرخ پر نرخ کی ممانعت کی حدیث نہ ہوتی اور جب یہ حدیث موجود ہے تو بیع کو نرخ پر محمول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟[3]

راقم الحروف یہ کہتا ہے کہ بیع پر بیع کی صحیح اور مفصل صورت علامہ نووی شافعی نے بیان کی ہے اور علامہ نووی سے زیادہ تفصیل علامہ مرداوی حنبلی نے بیان کی ہے، ان دونوں کی عبارات ہم بیان کر چکے ہیں۔

فقہاء مذاہب اربعہ کی عبارات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ نے نرخ پر نرخ لگانے اور بیع پر بیع کرنے دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے، فقہاء مالکیہ نے بیع پر بیع کرنے کو نرخ پر نرخ لگانے پر محمول کیا ہے، فقہاء احناف میں سے اکثر کے اقوال مالکیہ کی طرح ہیں، علامہ ابن ہمام نے ہر چند کہ باقی فقہاء سے اختلاف کر کے دونوں صورتوں کو الگ الگ قرار دیا ہے لیکن انہوں نے جو دو صورتیں بیان کی ہیں وہ دونوں درحقیقت نرخ پر نرخ لگانے کی صورتیں ہیں کیونکہ دونوں صورتیں بیع منعقد ہونے سے پہلے کی ہیں۔

علامہ شامی نے بھی حدیث شریف کے مطابق نرخ اور بیع دونوں کی ممانعت بیان کی ہے، البتہ بیع پر بیع کی صورت فتح القدیر کے حوالے سے انہوں نے وہی بیان کی ہے جو نرخ پر نرخ لگانے کی صورت ہے، اس مسئلہ پر انہوں نے خود غور نہیں کیا، ایک چیز زائد انہوں نے علامہ خیر الدین رملی کے حوالے سے یہ بیان کی ہے کہ اجارہ پر اجارہ بھی ممنوع ہے[4]

نجش کے حکم میں مذاہب اربعہ

حدیث نمبر ۳۷۰۵ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ نجش کا لغوی معنی جوش دلانا ہے، ابن قتیبہ نے کہا اس کا معنی دھوکا دینا ہے، ہروی نے کہا اس کا معنی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے۔ علامہ نووی نجش کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ نجش یہ ہے کہ

---

[1] علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۹۹ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۱۸۳ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

ایک آدمی مبیع کی قیمت زیادہ لگائے اور اس سے اس کا مقصد مبیع میں رغبت اور اس کو خریدنا نہ ہو بلکہ اس کا مقصد دوسرے شخص کو دھوکے سے پھنسانا ہو وہ اس کو قیمت بڑھانے اور خریدنے پر برانگیختہ کرتا ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے، اور اگر اس دوسرے شخص نے اس مبیع کو خرید لیا تو بیع صحیح ہے اور اس کا گناہ نجش کرنے والے پر ہے اور اگر اس کی اور بائع دونوں کی ملی بھگت ہو تو دونوں پر گناہ ہے۔ امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے کیونکہ حدیث میں ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے[1]

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: جب کسی چیز کی اصل قیمت لگا دی جائے اس کے بعد کوئی شخص اس کی قیمت بڑھائے حالانکہ وہ خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو بلکہ دوسرے شخص کو ترغیب دینا چاہتا ہو تو یہ نجش ہے اور ممنوع ہے کیونکہ یہ مسلمان کو دھوکا دینا ہے اور اس پر ظلم ہے، ہاں اگر کسی چیز کی قیمت نہ لگائی گئی ہو اور وہ خریدنے کا ارادہ کیے بغیر اصل قیمت لگوانے کے لیے بڑھائے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں کسی کو ضرر پہنچائے بغیر مسلمان کو نفع پہنچانا ہے یہ اس وقت ہے جب دوسرا شخص اس چیز کو کم قیمت سے خریدنا چاہتا ہو[2]

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: نجش کے ممنوع ہونے پر علماء کا اتفاق ہے، البتہ جب نجش کے ساتھ بیع ہو جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ اہل ظاہر (غیر مقلدین) کا قول ہے کہ یہ بیع فاسد ہے، امام مالک کہتے ہیں کہ یہ عیب کی طرح ہے اور خریدار کو اس میں اختیار ہے، اگر وہ اس بیع کو رد کرے گا تو بیع رد کر دی جائے گی۔ اور اگر وہ مبیع کو رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نجش کرنے والا گنہگار ہوگا لیکن بیع ہو جائے گی۔ اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کیا نہی منہی عنہ کے فساد کو متضمن ہوتی ہے ؟ ہر چند کہ ممانعت نفس شئی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ خارج کی وجہ سے ہو، جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ نہی منہی عنہ کے فساد کو متضمن ہوتی ہے۔ وہ بیع کو جائز نہیں کہتے اور جو کہتے ہیں کہ نہی منہی عنہ کے فساد کو متضمن نہیں ہوتی وہ بیع کو جائز کہتے ہیں۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ نہی جب منہی عنہ کی ذات میں کسی وصف کی وجہ سے وارد ہوئی ہو تو فساد کو متضمن ہوتی ہے جیسے ربٰوا اور غرر سے نہی ہے۔ اور جب نہی کسی خارجی سبب سے آئی ہو تو فساد کو متضمن نہیں ہوتی۔[3]

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جس شخص کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو وہ سودے کی قیمت میں اضافہ کرے تاکہ خریدار دھوکے میں آکر قیمت بڑھائے تو یہ نجش ہے اور حرام ہے ——— اگر کوئی شخص نجش کے ساتھ کسی چیز کو خرید لے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس کا خریدنا صحیح ہے، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی موقف ہے، امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ بیع باطل ہے۔ فقیہ ابوبکر کا یہی مختار ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے کیونکہ نہی فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نہی ناجش کی طرف راجع ہے۔ عاقد کی طرف راجع نہیں ہے اس لیے بیع میں مؤثر نہیں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ نہی آدمی کے حق کی وجہ سے ہے، پس بیع فاسد نہیں ہوگی، جیسے

1۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

2۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

3۔ قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۶ - ۱۲۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت

عیب کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی، برخلاف اس کے عیب اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے ممانعت ہو، کیونکہ جو ممانعت آدمی کے حق کی وجہ سے ہو اس کی تلافی خیار فسخ سے ہو سکتی ہے۔ اگر نجش کے ساتھ بیع میں اتنا غبن کیا گیا ہو جتنا عادۃً نہیں ہوتا تو خریدار کو اختیار ہے گا خواہ وہ بیع فسخ کرے [illegible] اور اگر اتنا غبن [illegible] جو عادۃً ہوتا ہے تو خریدار کو اختیار نہیں ہے۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک نجش حرام اور ناجائز ہے لیکن اگر نجش کے ساتھ بیع ہو جائے تو امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بیع صحیح ہے اور امام مالک کے نزدیک بیع باطل ہے، امام احمد بن حنبل سے بھی یہ ایک روایت ہے لیکن یہ جمہور فقہاء حنبلیہ کا مختار نہیں ہے۔ علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی نے اس مسئلہ کی بہت عمدہ تقریر کی ہے۔

نیلام کی بیع میں مذاہب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے، اس وجہ سے بعض فقہاء نے نیلام کی بیع کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ نیلام میں بھی لوگ خریدار کی بولی پر بڑھ چڑھ کر بولی لگاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی کے نزدیک نیلام کی بیع مکروہ ہے، امام اوزاعی اور امام اسحاق کے نزدیک یہ بیع صرف غنائم اور مواریث میں جائز ہے اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک یہ بیع مطلقاً جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۵۴)۔ جو فقہاء اس بیع کو مکروہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے: امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن سفیان بن وھب قال: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن المزایدۃ

حضرت سفیان بن وہب کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیع میں بڑھ چڑھ کر قیمت لگانے سے منع فرماتے تھے۔

حافظ نور الدین الہیثمی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ [2]

جمہور فقہاء اس حدیث کو نجش پر محمول کرتے ہیں۔

جو فقہاء اس بیع کو صرف غنائم اور مواریث کے ساتھ خاص کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

عن زید بن اسلم قال سمعت رجلا یسئل ابن عمر عن بیع المزایدۃ فقال ابن عمر نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبیع احدکم علی بیع اخیہ الا الغنائم والمواریث۔ [3]

زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے نیلام کی بیع کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عمر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم اور مواریث کے سوا بھائی کی بیع پر بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا جواب حافظ الہیثمی کی حسب ذیل عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ ھ، المغنی (مع الشرح) ج ۴ ص ۳۰۱ - ۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ۔

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ ھ، کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۴ھ

[3] 〃 〃 〃 〃 ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ

[4] 〃 〃 〃 〃 ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴

قلت ھو فی الصحیح خلا قولہ الا الغنائم والمواریث رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط ۔[1]

میں کہتا ہوں کہ غنائم اور مواریث کے سوا الفاظ حدیث صحیح میں ہیں، اس کو احمد اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے: امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باع حلسا و قدحا وقال من یشتری ھذا الحلس والقدح فقال رجل اخذ تھما بدرھم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یزید علی درھم من یزید علی درھم فاعطاہ رجل درھمین فباعھما منہ ھذا حدیث حسن ۔[2]

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچا اور فرمایا اس چادر اور پیالے کو کون خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا میں ان کو ایک درہم میں لوں گا، آپ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک شخص نے دو درہم دیے۔ آپ نے وہ پیالہ اور چادر اس شخص کو دے دیے، امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے کتاب الزکوٰۃ میں بہت تفصیل سے روایت کیا ہے[3] امام نسائی نے اس کو کتاب البیوع میں نہایت اختصار سے روایت کیا ہے[4] امام ابن ماجہ نے اس کو ابواب التجارات میں تفصیل سے روایت کیا ہے[5] اور حافظ نور الدین الہیثمی نے اس کو مسند احمد کے حوالے سے تفصیلاً ذکر کیا ہے[6]

نیلام کی بیع کے جواز پر نجش کی ممانعت سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ آپ نے زیادہ قیمت لگانے سے اس وقت منع کیا ہے جب کہ قیمت لگانے والے کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو اس سے بطور مفہوم مخالف کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب خریدنے کے ارادہ سے قیمت زیادہ لگائی جائے تو جائز ہے۔ ہر چند کہ فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال درست نہیں ہے لیکن باقی ائمہ کے نزدیک یہ استدلال صحیح ہے اور نیلام کی بیع کا جواز ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اس باب کی احادیث میں تلقی الجلب اور مصراۃ کا بھی ذکر ہے لیکن چونکہ صحیح مسلم میں ان کا ذکر مستقل ابواب کے تحت ہے، اس لیے انشاء اللہ ہم ان پر وہیں بحث کریں گے۔

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ۔

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۹۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ،

[4] امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۵۹ - ۱۵۸

[6] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ

بَابُ ۴۸ تَحْرِيْمِ تَلَقِّي الْجَلَبِ

تلقی جلب کی ممانعت

۳۷۰۹ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ زَائِدَةَ ح قَالَ وَثَنَا اَبُو الْمُثَنّٰى قَالَ ثَنَا يَحْيَى يَعْنِيْ ابْنَ سَعِيْدٍ ح قَالَ وَثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِيْ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ تُتَلَقَّى السِّلَعُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْاَسْوَاقَ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ نُمَيْرٍ وَقَالَ الْاٰخَرَانِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّلَقِّيْ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودا بیچنے والوں کی ملاقات سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ خود بازار نہ پہنچ جائیں۔ یہ الفاظ ابن نمیر کی روایت میں ہیں، اور دوسرے راویوں نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملنے سے منع فرمایا۔

۳۷۱۰ - حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَّ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت کرتے ہیں۔

۳۷۱۱ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوْعِ۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (آگے جاکر) سوداگروں کے ملنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۷۱۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا هُشَيْمٌ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّتَلَقَّى الْجَلَبُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (آگے جاکر) سوداگروں کے ملنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۷۱۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ قَالَ نَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي هِشَامٌ الْقُرْدُوسِيُّ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّى فَاشْتَرَى مِنْهُ فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سودا بیچنے والوں سے (آگے جاکر) نہ ملو، جس نے پہلے آگے جاکر سودا خرید لیا پھر سودے کا مالک بازار گیا (اور اس کو بازار کا بھاؤ معلوم ہو گیا) تو اس کو (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے۔

تلقی جلب کا معنی

تلقی کا معنی ہے ملنا، ملاقات کرنا اور جلب کا معنی ہے کسی چیز کو ہانک کر لانا۔ جلب جالب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دیہاتوں سے سودا لے کر شہر میں بیچنے کے لیے آتے ہیں۔

تلقی جلب سے ممانعت کی حکمت

تلقی جلب کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شہر سے باہر نکل کر ان تاجروں کا استقبال کرے جو شہر میں فروخت کرنے کے لیے غلہ اور دیگر اجناس لاتے ہیں، اور وہ شخص ان تاجروں کے شہر میں داخل ہونے اور شہر کا نرخ معلوم ہونے سے پہلے ان سے ان کا مال خریدے۔ اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ تاجروں کو ضرر سے بچایا جائے کیونکہ جب وہ شہر کا بھاؤ معلوم ہونے سے پہلے اپنا مال فروخت کر دیں گے تو بسا اوقات ان سے ملاقات کرنے والا شہر کے نرخ سے کم قیمت پر ان سے مال خریدے گا اس طرح وہ تاجر نفع سے محروم رہیں گے۔ دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس ممانعت سے مقصود شہر والوں کو ضرر سے بچانا ہے کیونکہ اگر تاجر خود شہر آکر سستے داموں سے اپنا مال فروخت کرتے تو تمام شہر والے کم قیمت سے مال خرید کر فائدہ اٹھاتے اور اب صرف اس ایک شخص نے فائدہ اٹھایا اور باقی شہر والوں کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے منع فرما دیا۔

تلقی جلب میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی نے تلقی جلب کر کے تاجروں سے کوئی چیز خرید لی اور بازار میں جاکر تاجروں کو معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ غبن کیا گیا ہے تو اگر وہ بیع فسخ کرنا چاہیں تو بیع فسخ کر سکتے ہیں" اہل علم میں سے عمر بن عبد العزیز، امام مالک، لیث، اوزاعی، امام شافعی اور اسحاق نے اس بیع کو مکروہ قرار دیا ہے اور امام ابو حنیفہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اتباع کے زیادہ لائق ہے (یہاں ابن قدامہ کو تسامح ہوا ہے امام اعظم کے نزدیک ضرر کی صورت میں یہ بیع مکروہ تحریمی ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو پھر اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے اور باقی ائمہ کے اقوال کا بھی یہی مآل ہے۔ علامہ ابن قدامہ کا شکوہ بے جا ہے ــــ سعیدی غفرلہٗ) علامہ عبد البر نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اس حکم کی مخالفت کی اور تلقی جلب کر کے تاجروں سے کوئی چیز خرید لی تو تمام فقہاء کے نزدیک بیع صحیح ہے، امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلقی جلب نہ کرو پس جس شخص نے تلقی جلب کر کے تاجر سے کوئی چیز خرید لی اور پھر تاجر بازار گیا تو اس

کو اختیار ہے (صحیح مسلم) اور اختیار صرف عقد صحیح میں ہوتا ہے۔
دوسری دلیل یہ ہے کہ فی ذاتہ بیع کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے مگر یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ تاجروں کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے جس کی تلافی بائع کو خیار فسخ دے کر ہو سکتی ہے۔ پس یہ بیع مصراۃ کے مشابہ ہے (امام ابو حنیفہ کے بھی یہی دلائل ہیں جیسا کہ عنقریب واضح ہو گا۔ سعیدی غفرلہ) برخلاف شہری کی دیہاتی سے بیع کے، کیونکہ اس میں تاجر کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو ضرر ہے اور جب یہ مقرر ہو گیا تو بائع کو غبن کا علم ہونے کے بعد بیع رد کرنے کا اختیار ہے اور اصحاب رائے نے یہ کہا ہے کہ اس کو اختیار نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ ہے کہ بائع کو اختیار ہے اور آپ کے قول کے مقابلہ میں کسی کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ (دبہ اقول، سعیدی) اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ بائع کو صرف غبن کی صورت میں اختیار ہے کیونکہ یہ اختیار ضرر کی وجہ سے ہے اور عدم غبن کی شکل میں کوئی ضرر نہیں ہے۔ امام شافعی کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔[1]

تلقی جلب میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: تلقی رکبان (تلقی جلب) حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک جماعت طعام لے کر شہر آئے اور کوئی شخص ان کے شہر پہنچنے اور نرخ پر آگاہ ہونے سے پہلے ان سے مال خریدے۔ اس کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ ممانعت کا علم ہونے کے باوجود قصداً تلقی کرے۔ اور اگر کسی شخص نے اس حکم کی مخالفت کر کے تلقی کر لی اور مال خرید لیا تو وہ گنہگار ہو گا اور بیع صحیح ہے، اور جب تک تاجر شہر میں آ کر نرخ معلوم نہ کر لیں ان کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کے بعد ان کے لیے اختیار ثابت ہو گا بشرطیکہ ان سے شہر کی قیمت سے کم پر مال خریدا گیا ہو، خواہ خریدار نے ان کو صحیح خبر دی ہو یا جھوٹ، اور اگر ان سے شہر کی قیمت کے برابر یا زیادہ قیمت سے خریدا گیا ہو تو پھر دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں ان کو اختیار نہیں ہے، اور اگر تاجروں نے ملاقات کرنے والے سے خود خریدنے کی درخواست کی خواہ انہیں شہر کی قیمت کا علم تھا یا نہیں تو اس میں دو قول ہیں۔ اور اگر کسی شخص نے قصداً تلقی نہیں کی مثلاً وہ شکار یا کسی اور غرض سے شہر سے باہر نکلا اور تاجروں کو دیکھ کر ان سے کوئی چیز خرید لی تو اس میں بھی دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ گنہگار نہیں ہو گا کیونکہ اس نے قصداً تلقی نہیں کی، اور جمہور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ گنہگار ہو گا کیونکہ ممانعت اس صورت کو بھی شامل ہے۔ پہلے قول کی تقدیر پر ان کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہے اور دوسرے قول پر ان کو رد کرنے کا اختیار ہے۔
علامہ نووی فرماتے ہیں: جن صورتوں میں اختیار ہے ان میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ اختیار علی الفور ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اختیار تین دن تک رہے گا۔[2]

تلقی جلب میں فقہاء مالکیہ کا موقف

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: امام مالک نے فرمایا تلقی جلب کی ممانعت سے بازاروں کو ضرر سے بچانا مقصود ہے کیونکہ جب ایک

---

[1] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴، ص ۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔
[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۳ ص ۴۱۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

شخص شہر سے آگے جا کر تاجروں سے اشیاء خرید لے گا تو باقی بازار والے اس فائدے سے محروم رہیں گے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک تاجر شہر کے بازاروں میں نہ پہنچ جائیں کسی شخص کے لیے ان سے سودا خریدنا جائز نہیں ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب شہر کے قریب تاجروں سے مال خریدا جائے اور اگر دور جا کر خریدیں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اور مذہب یہ ہے کہ قرب کی حد اندازاً چھ میل ہے نیز امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر یہ بیع ہو گئی تو جائز ہے لیکن خریدار بازار والوں کو بھی اس سودے میں شریک کرے[1]

تلقی جلب میں غیر مقلدین کا موقف

شیخ ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں: کسی شخص کے لیے بھی تلقی جلب جائز نہیں ہے خواہ وہ اس کے لیے قصداً شہر سے نکلے یا تاجروں کے راستے پر کھڑا ہو، خواہ ملاقات کی جگہ شہر سے قریب ہو یا دور، خواہ وہ شہر سے ایک کوس کے فاصلہ پر کھڑا یا اس سے کم، قربانی کے لیے خریدنا چاہتا ہو یا کھانے پینے کے لیے، خواہ تلقی سے ضرر ہو یا نہ ہو، جس شخص نے تلقی جلب سے کوئی چیز خریدی خواہ وہ کوئی چیز ہو تو تاجروں کو بازار میں جانے کے بعد بیع رد کرنے کا اختیار ہے خواہ وہ کئی سالوں کے بعد بازار جائیں اور ان کی رضامندی کا اس وقت اعتبار ہوگا جب وہ اپنی رضامندی کی تصریح کریں ان کا خاموش ہونا رضامندی نہیں ہے خواہ انھیں علم ہو یا نہ ہو، اگر خریدار مر جائے پھر بھی تاجروں کا خیار باقی رہے گا اور اگر تاجر مر جائے تو بیع مکمل ہو جائے گی، شیخ ابن حزم نے اپنے موقف پر متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے اکثر صحیح مسلم کے اس باب میں مذکور ہیں ان کی جملہ یہ حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سودا بیچنے والوں سے (آگے جا کر) نہ ملو، جس نے پہلے جا کر سودا خرید لیا پھر وہ بازار گیا (اور اس کو بازار کا بھاؤ معلوم ہو گیا) تو اس کو (فسخ بیع کا) اختیار ہے۔[2]

تلقی جلب میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابو الحسن مرغینانی فرماتے ہیں: اگر تلقی جلب سے شہر والوں کو حرج ہو (مثلاً اس چیز کا قحط ہو) تو یہ مکروہ تحریمی ہے ورنہ کوئی حرج نہیں ہے، الا یہ کہ تلقی کرنے والا تاجروں پر قیمت ملتبس اور مشکبہ کر دے اس وقت غرر اور ضرر کی وجہ سے یہ بیع مکروہ تحریمی ہے۔[3]

فقہاء احناف کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن نافع عن عبد اللہ قال کنا نتلقی الرکبان فنشتری منھم الطعام فنھانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نبیعہ حتی نبلغ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم تاجروں سے ملاقات کر کے ان سے طعام خریدتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طعام کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع کیا جب تک کہ ہم

[1] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی متوفی ۵۹۵ ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[2] ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ ھ، المحلی ج ۸ ص ۴۴۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

[3] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ، الہدایہ اخیرین ص ۴۷، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، ۱۳۹۶ھ

به سوق الطعام۔ [1] اس طعام کو طعام کے بازار میں نہ لے جائیں۔

اس حدیث میں تلقی جلب کو مباح رکھا گیا ہے (اور قبضہ سے پہلے بیع کو منع کیا گیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں ممانعت ہے وہ کسی علت پر مبنی ہیں اور وہ علت ضرر ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تلقوا الجلب فمن تلقى فاشترى منه فاذا اتى سيده السوق فهو بالخيار۔ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلقی جلب نہ کرو، جس شخص نے تلقی کی اور تاجروں سے خرید لیا تو جب وہ تاجر بازار جائے گا تو اس کو بیع رد کرنے کا اختیار ہو گا۔

اگر تلقی جلب مطلقاً حرام اور ممنوع ہوتی جیسا کہ شیخ ابن حزم نے اسی حدیث سے سمجھا ہے تو یہ بیع مطلقاً باطل ہوتی اور بائع اور مشتری دونوں کو اس بیع کے فسخ کرنے پر مجبور کیا جاتا اور بازار جانے کی تقدیر پر بائع کو خیار فسخ نہ دیا جاتا۔ بائع کو خیار فسخ دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بیع کا انعقاد صحیح ہے البتہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بائع کو اس بیع میں دھوکا دیا گیا تھا تو غرر اور ضرر کی وجہ سے اس کو خیار فسخ ہو گا۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ بیع کی کراہت کی علت غَرَر اور ضَرَر ہے اور یہ وجہ نہ پائی جائے تو بیع صحیح ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

شیخ ابن حزم نے اپنی شیریں گفتاری کی وجہ سے احناف کے استدلال کو عادات خبیثہ سے تعبیر کیا ہے! [3]

تلقی جلب میں خیار کی نفی کی وجہ سے فقہاء احناف پر مخالفت حدیث کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس باب کی حدیث نمبر ۳۷۱۳ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص تلقی جلب کر کے تاجروں سے کوئی چیز خرید لے تو شہر میں آنے کے بعد تاجروں کو اس بیع کے رد کرنے کا اختیار ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین اس بیع میں تاجروں کے حق استرداد کے قائل ہیں البتہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ تاجروں کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہے، چونکہ ان کا یہ قول بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے اس وجہ سے فقہاء احناف نے اس حدیث کے متعدد جوابات دیے ہیں:

امام طحاوی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم تلقی کیے جانے والے بائع کے لیے اختیار نہیں مانتے حالانکہ حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے،

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۸۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۵ھ

[3] شیخ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۴۵۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، الطبعۃ الاولی ۱۳۵۰ھ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: البیعان بالخیار ما لم یتفرقا "جب تک بائع اور مشتری الگ الگ نہ ہوں ان کو بیع رد کرنے کا اختیار ہے۔" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب وہ الگ الگ ہو جائیں تو پھر ان کا اختیار نہیں رہتا۔ رہا خیار رویت تو چونکہ وہ تواتر کے ساتھ آثار صحابہ سے ثابت ہے اس لیے وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ احناف نے حدیث مذکور (البیعان بالخیار ما لم یتفرقا) کے قاعدہ سے "تلقی کیے جانے والے بائع کے اختیار کی نفی کی ہے، اور حضرت ابوہریرہ کی روایت میں جو اس کے لیے اختیار ثابت ہے وہ دیانت پر محمول ہے یعنی اس حدیث کے مطابق بائع کے لیے اختیار دیانۃً ہے قضاءً نہیں ہے جیسا کہ "البیعان بالخیار ما لم یتفرقا" کا مقتضیٰ ہے۔ ہم نے "البیعان بالخیار" کو اصل اور قضاء پر اور حضرت ابوہریرہ کی روایت کو دیانت پر اس لیے محمول کیا ہے کہ پہلی بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے اور دوسری روایت میں امام مسلم منفرد ہیں۔

علامہ ابن الملک حنفی نے کہا ہے کہ یہ حدیث متروک الظاہر ہے کیونکہ تلقی کرنے والا اگر بائع سے شہر کی قیمت پر مال خریدے یا اس سے زیادہ قیمت پر مال خریدے تو پھر بالاتفاق بائع کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہے یہی امام شافعی کا صحیح قول ہے (جیسا کہ روضۃ الطالبین کے حوالے سے گذر چکا ہے)۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ بغیر شرط کے اختیار ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "جب تم بیع کرو تو تین دن تک اختیار کی شرط لگا لیا کرو"[2] اس لیے بغیر شرط کے اختیار ثابت نہیں ہوگا، ہر چند کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے لیکن مخالفین پر حجت ہے۔ الغرض حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت چونکہ "البیعان بالخیار" اور حبان بن منقذ کی روایات اور اس کا عموم درایت کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ ابن الملک کی تقریر سے ظاہر ہو گیا اس لیے یہ حدیث متروک الظاہر ہے اور اس کی یہی توجیہ ہے کہ یہ دیانت پر محمول ہے۔

فقہاء احناف میں سے علامہ ابن ہمام نے ایک الگ موقف اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں چونکہ اس مسئلہ میں امام اعظم کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہے اس لیے حدیث پر عمل کیا جائے اور امام اعظم کے قول کو چھوڑ دیا جائے لکھتے ہیں:

وكذا البيع من القادمين مع حاجة المقيمين فانه لم يرض بالثمن المذكور الا على تقدير كونه سعر البلد فيجب ان يكون غير منعقد لعدم الرضا به

جب شہر والوں کو کسی چیز کی ضرورت ہو اس وقت اگر کوئی شخص باہر سے آنے والے تاجروں سے بیع کرے تو اس کا غیر منعقد ہونا واجب ہے۔ کیونکہ شہر کے بھاؤ پر فروخت کیے بغیر تاجر راضی نہیں ہوں گے۔ اس لیے عدم رضا و

---

[1] امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی مصری الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۰۱۔۲۰۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور، ۱۴۰۴ھ

[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۴۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

كقول مالك او يثبت له خيار الفسخ كقول الشافعي وكون الوصف مجاورًا اولازمًا لا ينفي ما ذكرنا اذ الاصطلاحات لا تنفي المعاني الحقيقية المقتضية البطلان او الفساد على ان معنى الفساد ليس الا كون العقد مطلوب التفاسخ للمعصية بمباشرة المنهي عنه[1]

کی بناء پر امام مالک کے قول کے مطابق اس بیع کا غیر منعقد ہونا واجب ہے یا امام شافعی کے قول کے مطابق اس میں بائع کے لیے خیار فسخ واجب ہے۔ جس وصف کی وجہ سے اس بیع کی ممانعت کی گئی ہے (ضرر یا غرر) ہر چند کہ وہ وصف بیع کو عارض یا لازم ہے اور بیع میں داخل نہیں ہے لیکن اس سے ہماری بات کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ اصطلاحات ان اسباب حقیقیہ کی نفی نہیں کرتیں جو بیع کے فساد یا بطلان کا تقاضا کرتی ہیں، کیونکہ فساد صرف اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اس عقد کی وجہ سے ممنوع کام کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے یہ عقد فسخ کا تقاضا کرتا ہے۔

علامہ ابن ہمام کی اس علمی اور دقیق گفتگو سے یہ معلوم ہو گیا کہ انہوں نے خیار فسخ کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی بناء حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ صحیح حدیث ہے، اور جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے سامنے کسی کے قول کا اعتبار نہیں ہے اس لیے واجب الاعتبار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اور جس طرح خیار رویت کو "البیعان بالخیار" سے خارج اور مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اسی طرح تلقی جلب میں بائع کے خیار کو بھی مستثنیٰ کرنا چاہیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو متروک قرار دینے کے بجائے امام اعظم کے قول کو ترک کر دینا چاہیے، هذا مذهبي وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

نوٹ: علامہ ابن ہمام سے یہاں امام مالک کا مذہب بیان کرنے میں تسامح ہوا ہے۔ امام مالک کا صحیح مذہب وہ ہے جس کو ہم نے بدایۃ المجتہد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک یہ بیع صحیح ہے۔

بَابُ[۴۸۹] تَحْرِيْمِ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِي

شہری کو دیہاتی کا مال فروخت کرنے کی ممانعت

۳۷۱۴ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَقَالَ زُهَيْرٌ عَنِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے۔ زہیر کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کو دیہاتی کے ساتھ بیع کرنے سے منع فرمایا۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ ۔

۳۷۱۵ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ وَأَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَوْلُهُ حَاضِرٌ لِبَادٍ قَالَ لَا يَكُنْ لَهُ سِمْسَارًا ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کو ملنے سے منع فرمایا اور شہری کو دیہاتی کے ساتھ بیع کرنے سے منع فرمایا۔ طاؤس کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا شہری کو دیہاتی کی بیع سے ممانعت کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا اس کا دلال نہ بنے۔

۳۷۱۶ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ قَالَ أَنَا أَبُوْ خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے، لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے۔

۳۷۱۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ ۔

امام مسلم ایک اور سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

۳۷۱۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نُهِيْنَا أَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ أَوْ أَبَاهُ ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اس چیز سے منع کیا گیا ہے کہ شہری دیہاتی سے بیع کرے خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بھائی ہو۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۷۱۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَنَسٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا مُعَاذٌ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نُهِیْنَا اَنْ یَّبِیْعَ حَاضِرٌ لِّبَادٍ۔

ہمیں اس چیز سے روک دیا گیا ہے کہ شہری دیہاتی سے بیع کرے۔

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: شہری کی دیہاتی سے بیع حرام ہے اور وہ یہ ہے کہ دیہاتی اس وقت کے نرخ پر سودا فروخت کرنے کیلئے شہر میں لائے اور اس کے پاس شہری آکر کہے کہ اپنا سامان میرے پاس رکھو تاکہ میں تمہارے سامان کو موجودہ نرخ سے زیادہ پر بتدریج بیچ دوں۔ اس بیع کی تحریم کی حسب ذیل شرطیں ہیں:

(ا) بیع کرنے والے کو علم ہو کہ یہ بیع منع ہے اور یہ شرط تمام ممنوعات کو شامل ہے۔

(ب) جس سودے کو بیچنے کے لیے لایا گیا ہو اس کی لوگوں کو عام حاجت ہو جیسے کھانے پینے کی چیزیں۔ اور جن چیزوں کی عام ضرورت نہیں ہوتی وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہیں۔

(ج) اس چیز کی بیع سے شہر میں وسعت ہو اگر شہر کے بڑے ہونے یا اس چیز کے کم ہونے یا اس چیز کے عام ہونے اور نرخ کے کم ہونے کی وجہ سے یہ وسعت نہ ہو تو پھر دو قول ہیں اور حدیث کے موافق یہ ہے کہ پھر بھی حرام ہے۔

(د) شہری، دیہاتی پر بیع پیش کرے اور اس کو بیع کی دعوت دے۔ لیکن اگر دیہاتی نے خود شہری سے بیع کی درخواست کی ہے یا اس چیز کو بیچنے کے لیے شہری کے پاس ٹھہرنے کا قصد کیا ہے اور شہری نے کہا یہ معاملہ میرے سپرد کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں لوگوں کو ضرر نہیں ہے۔

اگر ان چاروں شرطوں کے باوجود شہری دیہاتی سے سودا خریدے تو اس کا یہ فعل حرام ہے، وہ گنہ گار ہوگا اور بیع صحیح ہے اور خریدنے والے کے لیے خیار شرط نہیں ہوگا۔[1]

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: کہ اگر شہری دیہاتی سے بیع کرے تو یہ بیع باطل ہے (الی قولہ) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے، اور ابو اسحق بن شاقلا نے نقل کیا ہے کہ حسن بن علی مصری نے امام احمد سے پوچھا کہ شہری کا دیہاتی سے خریدنا جائز ہے؟ امام احمد نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے! حسن بن علی مصری نے کہا جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟ امام احمد نے فرمایا یہ ابتداء اسلام پر محمول ہے جب مسلمان تنگ حال تھے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے (امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بیع علی الاطلاق صحیح نہیں ہے بلکہ خاص صورت میں صحیح ہے علامہ ابن قدامہ نے امام

---

[1] علامہ یحیی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۳ ص ۴۱۲، مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ۔

ابوحنیفہ کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا ــــ سعیدی) علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ مختار پہلا قول ہے کیونکہ حدیث میں نہی عام ہے۔ خرقی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بیع کے حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں:

(الف) شہری دیہاتی سے بیع کرنے کا قصد کرے۔

(ب) دیہاتی کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو۔

(ج) دیہاتی شہر میں سودا فروخت کی غرض سے لایا ہو۔

قاضی نے دو شرطیں مزید عائد کی ہیں:-

(د) دیہاتی اس دن کے بھاؤ پر بیچنے کے لیے مال لایا ہو۔

(ہ) شہر والوں کو اس مال کی ضرورت ہو اور بیع میں تاخیر سے ان پر تنگی ہو۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ جب یہ شرائط پائی جائیں تو بیع حرام ہے۔ علامہ خرقی اور امام احمد نے اس بیع کے بطلان کی تصریح کی ہے اگرچہ امام احمد سے ایک قول اس بیع کے جواز کا بھی منقول ہے۔[۱]

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء مالکیہ کا موقف

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ شہری دیہاتیوں سے بالکل بیع نہ کرے۔ اور ابن حبیب سے یہ روایت ہے کہ شہریوں کا خانہ بدوشوں سے بیع کرنا جائز نہیں ہے۔[۲]

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک نے اس بیع کو بالخصوص خانہ بدوشوں پر محمول کیا ہے جو شہر کے نرخ سے ناواقف ہوتے ہیں اور شہریوں کی خانہ بدوشوں سے بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔[۳]

شہری کی دیہاتی سے بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: شہری کی دیہاتی سے بیع اس وقت منع ہے جب شہر میں قحط ہو یا اس چیز کی ضرورت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شہری دیہاتی سے مہنگے داموں بیچنے کی طمع میں کوئی چیز خریدے کیونکہ اس میں اہل شہر کو ضرر ہے۔ ہاں اگر ان کو ضرر نہ ہو تو پھر جائز ہے۔[۴]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: اس کی صورت یہ ہے کہ شہری دلال دیہاتی کو بیع سے روک دے، اور اس سے کہے تم خود نہ بیچو۔ میں اس کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور شہری اس سے خرید کر مہنگے داموں بیچ دے اور اگر وہ اس کو چھوڑ دیتا اور دیہاتی خود بیچتا تو شہر والے اس چیز کو سستے داموں سے خریدتے۔[۵]

۱۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۵۱ - ۱۵۰ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

۲۔ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی قرطبی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت

۳۔ علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۶۷ مطبوعہ مطبع مکتبہ شرکیہ ملتان ۱۳۹۶ھ

۵۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۰۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

www.NafseIslam.com

بَابُ ۳۸۹ حُكْمِ بَيْعِ الْمُصَرَّاةِ

بیع مصراة کا حکم

۳۷۲۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُصَرَّاةً فَلْيَنْقَلِبْ بِهَا فَلْيَحْلُبْهَا فَإِنْ رَضِيَ حِلَابَهَا أَمْسَكَهَا وَإِلَّا رَدَّهَا وَمَعَهَا صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مصراة (وہ دودھ دینے والی بکری یا گائے جس کے تھن باندھ کر دودھ روک دیا گیا ہو) خریدے پھر سے جا کر اس کا دودھ نکالے پھر اگر اس کو دودھ (کی مقدار) پسند آجائے تو اس کو رکھ لے ورنہ اس کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے۔ (ایک صاع ۴۰۲۵ گرام کے برابر ہے)۔

۳۷۲۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ فِيهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مصراة بکری خریدی اُس کو تین دن تک اس کا اختیار ہے کہ چاہے تو اس بکری کو رکھ لے اور اگر چاہے تو اس بکری کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے۔

۳۷۲۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ قَالَ نَا أَبُو عَامِرٍ يَعْنِي الْعَقَدِيَّ قَالَ نَا قُرَّةُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مصراة بکری خریدی اس کو تین دن تک اختیار ہے اگر وہ اس کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع طعام بھی دے گندم ضروری نہیں ہے۔

۳۷۲۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مصراة بکری

هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا وَاِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ لَا سَمْرَاءَ۔

خریدے اس کو دو باتوں کا اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اس بکری کو رکھ لے اور اگر چاہے تو اس بکری کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے، گندم دینا ضروری نہیں ہے۔

۳۷۲۴- وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ اَيُّوْبَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى مِنَ الْغَنَمِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اس میں بکری کے لیے شاۃ کی بجائے غنم کا لفظ ہے۔

۳۷۲۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ نَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَا اَحَدُكُمُ اشْتَرٰى لِقْحَةً مُصَرَّاةً اَوْ شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلُبَهَا اِمَّا هِيَ وَاِلَّا فَلْيَرُدَّهَا وَصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مصراۃ اونٹنی یا مصراۃ بکری خریدے تو دودھ دوہنے کے بعد اس کو دو چیزوں کا اختیار ہے یا تو اس کو رکھ لے یا واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس دے۔

مصراۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مصراۃ کا مصدر تصریہ ہے اور مادہ صری ہے اس کا معنی ہے جمع کرنا عرب کہتے ہیں "صریت الماء فی الحوض" "میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا" "صری الماء فی ظهره" "اس کی پشت میں پانی جمع ہے، یعنی اس نے شادی نہیں کی۔ ابو عبید نے کہا اس کا معنی روکنا ہے" التصریة حبس الماء "تصریہ کا معنی پانی روکنا ہے، امام شافعی نے کہا تصریہ، یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کے تھنوں کو باندھ دیا جائے اور دو تین دن ان کا دودھ نہ دوہا جائے حتیٰ کہ ان کا دودھ جمع ہو جائے اور اس وجہ سے خریدار یہ گمان کرے کہ یہ عادتاً اتنا دودھ دیتی ہے اور اس کی قیمت زیادہ لگائے۔

تصریہ خواہ بکری کا ہو یا اونٹنی کا یا کسی اور دودھ دینے والے جانور کا، یہ حرام ہے کیونکہ اس میں خریدار کو دھوکا دیا جاتا ہے اور بیع صحیح ہے اس میں حسب ذیل مذاہب ہیں:

مصراۃ کی بیع میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ تصریہ حرام ہے اور بیع صحیح ہے، اور جب خریدنے والے کو تصریہ کا علم ہو جائے تو وہ اس مصراۃ کو واپس کر سکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ دھوکے سے بیع کی گئی ہے۔ اس امر میں ہمارے اصحاب شافعیہ کا اختلاف ہے کہ علم کے باوجود آیا یہ اختیار اسی وقت ہوتا ہے یا تین دن تک رہتا ہے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اختیار اسی وقت ہوتا ہے البتہ اگر اس کو فوراً پتا نہ چلے تو تین دن تک یہ اختیار رہتا ہے کیونکہ عموماً تین دن سے پہلے اس کا پتا نہیں چلتا کیونکہ جب دوسرے دن پہلے دن سے کم دودھ نکلے تو یہ احتمال بھی ہے کہ اس نے اس دن کم کھایا ہو یا اور کوئی وجہ ہو لیکن جب لگاتار تین دن تک وہ کم دودھ دے تو اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مصراۃ ہے۔ پھر جب دودھ دوہنے کے بعد وہ مصراۃ کو واپس کرنے کا فیصلہ کرے تو اس کو ایک صاع کھجور بھی دینا ہوگی، خواہ دودھ کم دوہا ہو یا زیادہ اور خواہ مصراۃ بکری ہو، اونٹنی ہو یا گائے۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ امام مالک، لیث، ابن ابی لیلیٰ، ابو یوسف، ابو ثور اور دیگر فقہاء اور محدثین کا بھی یہی موقف ہے اور یہی نظریہ سنت کے موافق ہے اور ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کا قول یہ ہے کہ شہر کے عام طعام میں سے ایک صاع دے یہ کھجور کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ (ایک صاع چار کلو گرام اور ڈھائی سو گرام کے برابر ہے)، امام ابو حنیفہ، بعض مالکیہ اور عراق کے بعض علماء اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک صاع کھجور نہیں دی جائے گی کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی کوئی چیز تلف کر دے تو اگر وہ مثلی ہو تو اس کی مثل دی جاتی ہے، ورنہ اس کی قیمت اور اس کے بدلہ میں کسی اور جنس کی کوئی چیز دینا خلاف قاعدہ ہے، اور جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب کسی چیز کا سنت میں حکم آجائے تو اس پر عقل سے اعتراض نہیں کیا جاتا۔

حدیث میں جو ایک صاع کھجور واپس کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی عام خوراک کھجوریں تھیں، اس لیے شریعت کا حکم اسی پر باقی اور مستمر رہا۔ اور دودھ کی مثل یا اس کی قیمت کو نہیں واجب کیا بلکہ دودھ قلیل ہو یا کثیر ہر حال میں ایک صاع کھجوروں کو واجب کیا ہے تاکہ ایک شرعی ضابطہ مقرر ہو جائے اور اختلاف کی صورت میں اس ضابطہ کی طرف رجوع کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف اور نزاع دور کرنے پر بہت حریص تھے، نیز بیع مصراۃ اکثر دیہاتوں میں ہوتی ہے جہاں اکثر دودھ تلف ہو جاتا ہے اور اس کی قلت اور کثرت میں اختلاف ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے ان کے لیے ایک ضابطہ مقرر کر دیا جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو سکے اور وہ ایک صاع کھجوریں ہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ پیٹ کے بچہ کو اگر کوئی شخص ضائع کر دے تو اس کی جنایت ایک غرہ (غلام یا باندی) ہے خواہ پیٹ کا بچہ مذکر ہو یا مؤنث، اس کی خلقت پوری ہو یا ناقص، حسین ہو یا قبیح۔[1]

بیع مصراۃ میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص تدلیس سے قیمت زیادہ کرے مثلاً تھنوں میں دودھ روک لے تو خریدار اس جانور کو واپس کر سکتا ہے اور مصراۃ کے ساتھ دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجور بھی واپس کرے گا۔ علامہ مرداوی لکھتے ہیں کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ ایک صاع کھجوروں کا واپس کرنا شرط ہے خواہ ان کی قیمت دودھ سے زیادہ ہو یا کم اکثر اصحاب حنبلیہ کا یہی موقف ہے۔[2]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۴ ص ۳۹۹۔۳۹۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۶ھ

بیع مصراۃ میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک کا مشہور قول حدیث کے مطابق ہے یعنی خریدار چاہے تو مصراۃ کو واپس کر سکتا ہے اور اس کو ایک صاع کھجوریں دینی ہوں گی۔[1]

علامہ بدر الدین عینی نے امام مالک کا جو مذہب نقل کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ شہر میں جو خوراک عام طور پر کھائی جاتی ہے اس میں سے ایک صاع دینا ہوگا۔ علامہ اشبیلی مالکی نے شرح موطا امام مالک میں اسی طرح لکھا ہے، لیث، اسحاق، ابو ثور، ابو عبید، ابو سلیمان، ابن ابی لیلیٰ اور احناف میں سے ابو یوسف اور امام زفر کا نظریہ یہی ہے جو ائمہ ثلاثہ کا ہے۔[2]

بیع مصراۃ میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا موقف یہ ہے کہ خریدار مصراۃ کو واپس نہیں کر سکتا، کیونکہ تصریہ (تھنوں میں دودھ روکنا) عیب نہیں ہے، البتہ بائع نے جو اس سے تلبیس کی ہے اور اس وجہ سے خریدار کو معروف قیمت سے زیادہ قیمت لگانے کا جو نقصان ہوا ہے اس لیے خریدار بائع سے اتنے پیسے واپس لے سکتا ہے۔[3]

فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا کیونکہ اولاً تو یہ حدیث مضطرب ہے اس لیے لائق استدلال نہیں ہے، ثانیاً یہ حدیث قرآن مجید، سنت، اجماع اور قیاس کے مخالف ہے ثالثاً یہ حدیث منسوخ ہے۔ ان دلائل کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حدیث مصراۃ مضطرب ہے

حدیث مصراۃ کی بعض روایات میں ایک صاع کھجور دینا لازم ہے، بعض روایات میں ہے ایک صاع طعام دیا جائے گا جو گندم نہ ہو، بعض روایات میں ہے ایک صاع گندم ہو، بعض روایات میں ہے دودھ کی مقدار یا دوگنا گندم دیا جائے گا۔ ان کے حوالوں کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

والا ردها ومعها صاع من تمر[4]

ورنہ مصراۃ کو واپس کرے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں دے۔

امام مسلم حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں:

فان ردها، رد معها صاعا من طعام لا سمراء[5]

اگر مصراۃ واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع طعام واپس کرے جو گندم نہ ہو۔

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] " " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۰،

[4] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ

[5] " " " " ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴،

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رواہ البزار من طریق اشعث بن عبد الملک عن ابن سیرین بلفظ ان ردھا ردھا ومعہا صاع من بر لا سمراء[1]

امام بزار نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے: اگر مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع گندم بھی واپس کرے جو سمراء (گندم کی ایک قسم ہے) نہ ہو۔

امام ابو داؤد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

فان ردھا رد معہا مثل او مثل لبنہا قمحا۔[2]

اگر مصراۃ کو واپس کرے تو اس کے ساتھ دودھ کی مقدار یا اس کے مثل گندم دے۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام ابو داؤد اور امام ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عوض کی جنس اور اس کی مقدار دونوں میں اضطراب ہے۔

حدیث مصراۃ قرآن مجید کے خلاف ہے

حدیث مصراۃ کا یہ تقاضا ہے کہ خریدار نے جو دودھ استعمال کیا ہے اس کے عوض میں ایک صاع کھجور یا کوئی اور طعام دے اور ایک صاع کھجور یا طعام کی مالیت اس استعمال شدہ دودھ سے کم بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ بھی جبکہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ بدلے اور عوض میں مساوات ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ (بقرہ: ۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کے بدلے میں اتنی ہی زیادتی کرو۔

جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ (شوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ (نحل: ۱۲۶)

اگر تم کو تکلیف پہنچائی جائے تو تم بھی اتنی ہی سزا دو جتنی تکلیف تم کو پہنچائی گئی ہے۔

حدیث مصراۃ ان آیات کے خلاف ہے اور جو حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہے اور اس کا خلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قول رسول نہیں ہے۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن علی بن ابی طالب قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہا تکون بعدی رواۃ یروون عنی الحدیث فاعرضوا حدیثہم

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد کچھ لوگ مجھ سے احادیث روایت کریں گے، ان

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبع الثانی، ۱۴۰۵ھ

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

على القرآن، فما وافق القرآن فخذوا به، ومالم يوافق القرآن فلا تاخذوا به .[1]

احادیث کو قرآن پر پیش کرو، جو حدیث قرآن کے موافق ہو اس پر عمل کرو اور جو قرآن مجید کے موافق نہ ہو اس پر عمل نہ کرو۔

حدیث مصراۃ سنت کے خلاف ہے

حدیث مصراۃ میں ہے کہ بیع کے بعد خریدار مبیع کو واپس کر سکتا ہے اور یہ حکم اس حدیث کے خلاف ہے:

عن حكيم بن حزام عن النبي صلى الله عليه وسلم البيعان بالخيار مالم يتفرقا.[2]

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریدار اور بائع کو اس وقت تک اختیار ہوتا ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہو جائیں۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تفرق کے بعد بائع یا خریدار کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہے ہر چند کہ یہ استدلال مفہوم مخالف سے ہے لیکن ائمہ ثلاثہ چونکہ مفہوم مخالف کے قائل ہیں اس لیے یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

حدیث مصراۃ میں مصراۃ کے دودھ کے بدلے میں ایک صاع کھجور یا طعام لازم کیا گیا ہے، حالانکہ جو چیز کسی کی ضمان میں ہو (یعنی اس چیز کے تلف ہونے کی صورت میں اس کا تاوان کسی اور پر نہ ہو بلکہ خود اسی کا نقصان ہو) اس کی آمدنی بھی اسی کی ہوتی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شخص نے بکری خریدی اور اس کا دودھ استعمال کرتا رہا بعد میں وہ اس بکری کے کسی قدیم عیب پر مطلع ہوا جو عیب بائع کے ہاں سے آیا ہے تو وہ بکری واپس کر سکتا ہے اور دودھ کا تاوان اس پر نہیں ہوگا، کیونکہ بکری اس کی ضمان میں تھی اگر مر جاتی تو اس کا نقصان ہوتا بائع پر اس کا تاوان نہ ہوتا لہٰذا اس بکری کی آمدنی بھی اسی کی ہوگی اور یہ حکم اس حدیث سے ثابت ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الخراج بالضمان.[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز کا نفع (یا آمدنی) اس کے ضمانت کے سبب سے ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی[4]، امام نسائی[5]، امام ابن ماجہ[6] اور امام احمد بن حنبل[7] نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[1] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۰۶ھ، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰۹، ۲۰۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔
[2] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۸۱ھ
[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[4] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[5] امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[6] امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[7] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، المسند ج ۶ ص ۴۹، ص ۲۰۸، ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

امام ترمذی "الخراج بالضمان" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: خراج بالضمان کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور اس سے فائدہ اٹھایا پھر اس میں عیب نظر آیا تو وہ بائع کردہ غلام واپس کر دے گا اور اس کا حاصل شدہ فائدہ خریدار کا ہوگا کیونکہ اگر غلام ہلاک ہو جاتا تو خریدار کا مال ضائع ہوتا۔[۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الخراج بالضمان کا جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کے اعتبار سے مصراۃ کا دودھ خریدار کا ہے اور اس کے عوض میں ایک صاع طعام یا کوئی اور چیز بائع کو دینا لازم نہیں ہے اور حدیث مصراۃ اس کے خلاف ہے نیز واضح ہوا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت "البیعان بالخیار مالم یتفرقا" جب تک بائع اور مشتری متفرق نہ ہوں ان کو اختیار ہے اس کے بھی خلاف ہے اور آپ کی ایک اور قائم کردہ سنت "الخراج بالضمان" کے بھی خلاف ہے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے بھی خلاف ہے اور جو حدیث قرآن اور سنت کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: سیاتیکم عنی احادیث مختلفۃ، فما جاءکم موافقا لکتاب اللہ و سنتی فھو منی و ما جاءکم مخالفا لکتاب اللہ و سنتی فلیس منی۔[۶]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس مختلف احادیث پہنچیں گی۔ پس اگر تمہارے پاس ایسی حدیث آئے جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہو وہ میری حدیث ہے اور اگر تمہارے پاس ایسی حدیث آئے جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مخالف ہو وہ میری حدیث نہیں ہے

بیع مصراۃ قرآن اور سنت کے خلاف ہے اور جو روایت قرآن اور سنت کے خلاف ہو وہ حدیث رسول نہیں ہے لہٰذا اس روایت سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال باطل قرار پایا۔

حدیث مصراۃ اجماع امت کے خلاف ہے

اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ضمان کی دو قسمیں ہیں مثلی اور معنوی اور ایک صاع کھجوریں کسی قسم میں داخل نہیں ہیں دودھ کی مثل نہ ہونا تو ظاہر ہے اور ایک صاع کھجوریں استعمال شدہ دودھ کی قیمت نہیں ہیں یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ دودھ کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں اس کا بدل ایک صاع کھجوریں ہی ہیں۔

حدیث مصراۃ قیاس کے خلاف ہے

مصراۃ کے دودھ کے بدلے میں ایک صاع کھجوریں دینا قیاس کے بھی خلاف ہے، کیونکہ خریدار نے جس دودھ کو دوہا ہے اس میں وہ دودھ بھی شامل ہے جو بیع کے وقت مصراۃ میں تھا اور وہ دودھ بھی ہے جو بعد کو مصراۃ میں پیدا ہوا، اگر یہ کہا جائے کہ اس

۵۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۶۔ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۰۶ھ، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

تمام دودھ کی قیمت واپس کرنا خریدار پر لازم ہے تو اس میں خریدار کا نقصان ہے کیونکہ جو دودھ اس کی ملک میں پیدا ہوا اس کا واپس کرنا اس پر لازم نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ کسی دودھ کی قیمت واپس کرنا اس پر لازم نہیں ہے تو اس میں بائع کا نقصان ہے کیونکہ عقد بیع کے وقت مصراۃ میں جو دودھ تھا وہ بائع کی ملکیت تھا، اور اگر یہ کہا جائے کہ جو دودھ بیع کے وقت تھا صرف اس کی قیمت واپس کی جائے تو اس دودھ کی مقدار مجہول ہے اس لیے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت قیاس صحیح کے خلاف ہو اس پر عمل نہیں ہوتا مثلاً جب حضرت ابوہریرہ نے یہ روایت بیان کی کہ جو شخص جنازہ اٹھائے اس پر وضو لازم ہے تو حضرت ابن عباس نے اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا: کیا جو شخص خشک لکڑیاں اٹھائے اس پر وضو لازم ہے؟ اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس سے وضو لازم ہے۔[1]

جو خبر واحد، قرآن مجید، سنت معروفہ، اجماع یا عقل کے خلاف ہو وہ غیر مقبول ہے

حدیث مصراۃ پر ہم نے مفصل گفتگو کی ہے اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ حدیث نص قرآن، سنت ثابتہ، اجماع اُمت اور قیاس صحیح کے مخالف ہے اور جو خبر واحد ان اصول میں سے کسی ایک کے بھی مخالف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

ولا یقبل خبر الواحد فی منافاۃ حکم العقل وحکم القراٰن الثابت المحکم والسنۃ المعلومۃ والفعل الجاری مجری السنۃ وکل دلیل مقطوع بہ وانما یقبل بہ فیما لا یقطع بہ مما یجوز ورود التعبد بہ۔[2]

جو خبر واحد عقل، قرآن محکم، سنت معروفہ اور دلیل قطعی کے حکم کے مخالف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی، خبر واحد اُمور ظنیہ غیر قطعیہ میں مقبول ہوتی ہے جن اُمور کے ساتھ عبادت کرنا جائز ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ومنہا ما یؤخذ من حال المروی کان یکون مناقضًا لنص القراٰن او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی او صریح العقل حیث لا یقبل شیء من ذلک التاویل۔[3]

خبر موضوع کے قرائن میں سے یہ ہے کہ وہ نص قرآن، سنت متواترہ، اجماع قطعی یا عقل صریح کے مخالف ہو اور اس کی کوئی (صحیح) تاویل نہ ہو سکے۔

عبداللہ بن حسین خاطر السمین[4]، ملا علی قاری[5] اور قاضی محمد اکرم[6] سندھی نے شرح نخبۃ الفکر کی شروح میں اس قاعدہ کو برقرار رکھا ہے۔

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۴۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[2] حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ، الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۴۳۲ مطبوعہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ

[3] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، شرح نخبۃ الفکر

[4] علامہ عبداللہ بن حسین خاطر السمین، لقط الدرر ص ۸۳ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ مصطفٰی البابی حلبی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ

[5] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۶ - ۱۲۵ مطبوعہ، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ

[6] قاضی محمد اکرم سندھی، امعان النظر شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱۲۳ مطبوعہ اکادمی شاہ ولی اللہ حیدرآباد سندھ

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

ان من جملة دلائل الوضع ان يكون مخالفاً للعقل بحيث لا يقبل التأويل، ويلتحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة او يكون منافيا لدلالة الكتاب القطعية او السنة المتواترة او الاجماع القطعي.[1]

حدیث کے موضوع ہونے کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عقل کے مخالف ہو اور کسی تاویل کو قبول کرے اور اسی کے ساتھ یہ بھی لاحق ہے کہ حس اور مشاہدہ اس کو رد کرے یا وہ کسی آیت کی دلالت قطعیہ، سنت متواترہ یا اجماع قطعی کے منافی ہو۔

ہمارا مقصد اس حدیث کو موضوع قرار دینا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہ حدیث قرآن مجید کی قطعی الدلالۃ آیات، سنت معروفہ، اجماع امت اور قیاس صحیح کے خلاف ہے اس لیے یہ حدیث مقبول نہیں ہے اور اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، جیسا کہ خطیب بغدادی نے صراحۃً لکھا ہے اور باقی عبارات ہم نے اس کی تائید میں پیش کی ہیں۔ علامہ محب اللہ بہاری حدیث مصراۃ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی کے استدلال کو رد کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جزاء سيئة سيئة مثلها" اور "فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم" نیز اس پر اجماع ہو چکا ہے، اور یہ سنت مشہورہ "الخراج بالضمان" کے بھی خلاف ہے۔[2]

حدیث مصراۃ منسوخ ہے

حدیث مصراۃ کی اگر کوئی توجیہ کی جا سکتی ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث مصراۃ میں چونکہ علی الاطلاق دودھ کے بدلے میں ایک صاع کھجوریں دینے کا حکم ہے اور ایک صاع کھجوریں دودھ سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں اس لیے اس کا جواز اس وقت تک تھا جب تک سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اور سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس پر عمل منسوخ ہو گیا۔ یہ جواب علامہ عینی نے عیسیٰ بن ابان سے نقل کیا ہے۔[3]

حدیث مصراۃ کا محمل

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب کوئی شخص مصراۃ خریدے تو اپنے لیے خیار شرط رکھ لے، یہی وجہ ہے کہ اس کو واپس کرنے کے لیے حدیث میں تین دن کی شرط لگائی گئی ہو ورنہ عیب کی وجہ سے واپس کرنے کی کوئی حد نہیں ہے اور حدیث میں تصریہ کا ذکر اس لیے ہے تاکہ شرط خیار لگانے کا سبب بیان ہو جائے اور اگر شرط خیار نہیں لگائی تو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ مصراۃ کو ... واپس کرنے کا یہ حکم دیا نقص ہے تعناً نہیں ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۷۶ مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۲ھ

[2] علامہ محب اللہ بہاری، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۴۷ مطبوعہ مطبع کبری بولاق مصر ۱۳۲۴ھ

[3] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۷۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۳۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

بَابُ ۴۹ بُطْلَانِ بَيْعِ الْمَبِيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو بیچنا باطل ہے

۳۷۲۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ وَقُتَيْبَةُ قَالَا نَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اناج (غلہ) خریدے وہ اس اناج کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں میں ہر چیز کو اناج پر قیاس کرتا ہوں۔

۳۷۲۷ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَا نَا سُفْيَانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ وَهُوَ الثَّوْرِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۷۲۸ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ نَا وَقَالَ الْآخَرَانِ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ہر چیز کا حکم اناج کی طرح ہے۔

۳۷۲۹ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَبُوْ کُرَیْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنِ ابْنِ طَاوٗسٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِعْهُ حَتّٰی یَکْتَالَهٗ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا لِمَ فَقَالَ اَلَا تَرَاهُمْ یَتَبَایَعُوْنَ بِالذَّهَبِ وَالطَّعَامُ مُرْجًا وَلَمْ یَقُلْ اَبُوْ کُرَیْبٍ مُرْجًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو ناپنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ سونے اور اناج کے ساتھ میعادی بیع کرتے ہیں۔ ابوکریب کی روایت میں میعاد کا ذکر نہیں ہے۔

۳۷۳۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِیُّ قَالَ نَا مَالِكٌ ح قَالَ وَثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِعْهُ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اناج خریدے وہ اس کو وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔

۳۷۳۱ - حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبْتَاعُ الطَّعَامَ فَیَبْعَثُ عَلَیْنَا مَنْ یَّاْمُرُنَا بِانْتِقَالِهٖ مِنَ الْمَکَانِ الَّذِی ابْتَعْنَاهُ فِیْهِ اِلٰی مَکَانٍ سِوَاهُ قَبْلَ اَنْ نَّبِیْعَهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اناج خریدتے تھے پھر آپ ہمارے پاس ایک شخص کو بھیجتے جو ہمیں بیچنے سے پہلے اناج کو خریدی ہوئی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتا تھا۔

۳۷۳۲ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ نَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہ کرے حضرت ابن

WWW.NAFSEISLAM.COM

نُمَیرٍ وَاللَّفْظُ لَہٗ قَالَ نَا اَبِیْ قَالَ نَا عُبَیْدُ اللّٰہِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰی طَعَامًا فَلَا یَبِعْہُ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَہٗ قَالَ وَ کُنَّا نَشْتَرِی الطَّعَامَ مِنَ الرُّکْبَانِ جِزَافًا فَنَہَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَبِیْعَہٗ حَتّٰی نَنْقُلَہٗ مِنْ مَکَانِہٖ۔

عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم سواروں سے بغیر ناپ تول کے اندازاً اناج خریدتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس اناج کو وزن کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع کر دیا۔

۳۷۳۳- حَدَّثَنِیْ حَرْمَلَۃُ بْنُ یَحْیٰی قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ وَھْبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰی طَعَامًا فَلَا یَبِعْہُ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَہٗ وَ یَقْبِضَہٗ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو وزن کرنے اور قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے

۳۷۳۴- وَحَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی وَ عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ یَحْیٰی اَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ وَ قَالَ عَلِیٌّ نَا اِسْمٰعِیْلُ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ اَنَّہٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا یَبِعْہُ حَتّٰی یَقْبِضَہٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرے۔

۳۷۳۵- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ نَا عَبْدُ الْاَعْلٰی عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّہُمْ کَانُوْا یُضْرَبُوْنَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَرَوْا طَعَامًا جِزَافًا اَنْ یَبِیْعُوْہُ فِیْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں کو اس پر مارا جاتا تھا کہ وہ اندازاً اناج خریدتے اور اس کو منتقل کرنے سے پہلے فروخت کر دیتے تھے۔

مَكَانِهٖ حَتّٰى يُحَوِّلُوْهُ۔

۳۷۳۶۔ حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَبَاهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَدْ رَاَيْتُ النَّاسَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ابْتَاعُوْا طَعَامًا جُزَافًا يُضْرَبُوْنَ اَنْ يَّبِيْعُوْهُ فِيْ مَكَانِهِمْ ذٰلِكَ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَحَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ كَانَ يَشْتَرِي الطَّعَامَ جُزَافًا فَيَحْمِلُهُ اِلٰى اَهْلِهٖ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کو اس پر مار پڑتی تھی کہ لوگ اندازاً (ڈھیر کے ڈھیر) اناج خریدتے اور اس کو اپنے گھر منتقل کرنے سے پہلے فروخت کر دیتے تھے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ ان کے والد اناج کا ایک ڈھیر خریدتے تھے اور اس اناج کو اپنے گھر لے آتے تھے۔

۳۷۳۷۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ قَالُوْا نَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهُ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ بَكْرٍ مَنِ ابْتَاعَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو ناپنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ ابو بکر کی روایت میں (اشتری کی بجائے) "ابتاع" کا لفظ ہے۔

۳۷۳۸۔ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ الْمَخْزُوْمِيُّ قَالَ نَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ لِمَرْوَانَ اَحْلَلْتَ بَيْعَ الرِّبَا فَقَالَ مَرْوَانُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَحْلَلْتَ بَيْعَ

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان سے کہا: کیا تم نے سود کی بیع کو حلال کر دیا ہے؟ مروان نے کہا: میں نے کیا کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا تم نے ہنڈی (Bill of Exchange) کی بیع کو جائز کر دیا ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ سے پہلے اناج کی بیع کو منع فرمایا ہے۔ پھر مروان نے لوگوں کو خطبہ دیا اور لوگوں کو ہنڈی کی بیع سے منع کر دیا ۔۔۔ سلیمان کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ سپاہی لوگوں

الْخَيَالِكَ وَقَدْ نَهَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتّٰى يُسْتَوْفٰى فَخَطَبَ مَرْوَانُ النَّاسَ فَنَهٰى عَنْ بَيْعِهَا قَالَ سُلَيْمَانُ فَنَظَرْتُ إِلٰى حَرَسٍ يَاخُذُوْنَهَا مِنْ اَيْدِي النَّاسِ۔

کے ہاتھوں سے ہنڈیاں چھین رہے تھے۔

نوٹ: ہنڈی کی وضاحت شرح میں آئے گی۔

۳۷۳۹۔ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا رَوْحٌ قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا ابْتَعْتَ طَعَامًا فَلَا تَبِعْهُ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَهُ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اناج خریدو تو اس کا وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرو۔

بیع قبل القبض کی ممانعت کی حکمتیں

بیع قبل القبض سے ممانعت کی ایک واضح حکمت یہ ہے کہ جب خریدار مبیع پر قبضہ کرے گا تو اس میں بائع کے تصرف کرنے کا امکان ختم ہو جائے گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ بیچنے کے بعد بائع کو زیادہ منافع والا کوئی اور گاہک مل جائے تو وہ خریدار کو مبیع پر قبضہ نہ دے اور بیع فسخ کر دے۔

ہمارے زمانے میں اس حکم کی ایک حکمت یہ ظاہر ہوئی ہے کہ بیع قبل القبض کی وجہ سے سٹے کو فروغ ہوتا ہے اور اجناس کی قیمت دس بیس گنا زیادہ ہو جاتی ہے جس سے صارفین کا استحصال ہوتا ہے مثلاً جاپان سے ایک شخص بحری جہاز کے ذریعہ مصنوعات منگاتا ہے اور جہاز کے لنگر انداز ہونے سے پہلے وہ سامان کچھ منافع پر دوسرے شخص کو بیچ دیتا ہے یہ دوسرا شخص کچھ اور منافع لے کر یہ سامان تیسرے شخص کو بیچ دیتا ہے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ بندرگاہ پر جہاز کے پہنچنے تک ایک ہی چیز نفع در نفع سے دس بار تک بِک چکی ہوتی ہے، اور جو چیز جاپان سے دس روپیہ میں چلی تھی منافع خوروں کے غیر شرعی کاروبار کی وجہ سے وہ پاکستان میں دو سو روپیہ سے زائد کی پڑتی ہے۔

اگر بیع قبل القبض کا رواج ہو اور ایک شخص کسی سے دس روپیہ میں کوئی چیز خریدے اور اس چیز پر قبضہ کیے بغیر وہی چیز پندرہ روپوں میں کسی اور کو بیچ دے جبکہ وہ چیز ابھی بائع کے پاس ہے تو اس نے دس روپے کو پندرہ روپے میں بیچ دیا اور یہ حکماً سود ہے۔ (حقیقۃً سود اس لیے نہیں ہے کہ اس میں عقد الگ الگ ہیں)۔

سٹے کا عدم جواز

ہمارے ملک میں روزانہ لاکھوں روپے کا سٹے کا کاروبار ہوتا ہے اور چونکہ سٹے میں صرف کاروباری ساکھ کی بنیاد پر صرف کاغذات اور ٹیلی فون پر سونے اور روئی وغیرہ کی بیع ہوتی ہے

اور عملی طور پر خرید و فروخت نہیں ہوتی نہ مبیع پر قبضہ کیا جاتا ہے اس لیے اس حدیث کے تحت ستّے کا کاروبار ناجائز ہے۔

بیع قبل القبض میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں، ہمارا مذہب یہ ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے خواہ مبیع منقول چیز ہو (جیسے سامان) یا غیر منقول چیز ہو (جیسے زمین) یہ بیع بائع کی اجازت سے جائز ہے نہ اس کی اجازت کے بغیر، قیمت ادا کرنے سے پہلے جائز ہے نہ قیمت ادا کرنے کے بعد۔ [1]

بیع قبل القبض میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں: امام مالک کے نزدیک بیع قبل القبض بالخصوص طعام میں ممنوع ہے خواہ طعام (اناج) کی بیع ناپ سے ہو یا تول سے، اور قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ یہ بیع ہر اس چیز میں ناجائز ہے جس کی بیع ناپ، تول یا عدد سے ہوتی ہو، سحنون اور ابن حبیب نے کہا مشہور یہ ہے کہ یہ ممانعت طعام میں منحصر ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ یہ ممانعت ربوی اور غیر ربوی میں عام ہے اور ابن وہب کا قول یہ ہے کہ یہ ربوی میں منحصر ہے۔ [2]

بیع قبل القبض میں حنابلہ کا موقف

علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں: جب تک مبیع پر قبضہ نہ کرے اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ یہ مذہب مطلقاً ہے۔ فقہاء حنبلیہ کا یہی موقف ہے، امام احمد سے ایک روایت ہے کہ بائع کے لیے یہ بیع جائز ہے، شیخ تقی الدین نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن مذہب اس کے خلاف ہے۔ [3]

بیع قبل القبض میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن فرغانی لکھتے ہیں: جس شخص نے کسی منقول چیز کو خریدا اس چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے اور اس لیے کہ اس بیع میں غرر (دھوکا) ہے کیونکہ ہو سکتا ہے مبیع، بائع کے پاس ہلاک ہو جائے، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین کی بیع قبل القبض جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مطلقاً بیع قبل القبض سے منع فرمایا گیا ہے، نیز وہ غیر منقول کو منقول پر قیاس کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اس بیع میں تمام ارکان اور شرائط پائے گئے ہیں اور اس میں غرر نہیں ہے، کیونکہ زمین کا ہلاک ہونا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ برخلاف منقولات کے، اور حدیث میں ممانعت کی علت غرر ہے کیونکہ دوسرے دلائل سے اس بیع کا جواز ثابت ہے، لہٰذا یہ بیع جائز ہے۔ [4]

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب ج ۹ ص ۲۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[2] علامہ ابو عبد اللہ دشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۴ ص ۴۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۶ھ

[4] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۷۵ - ۷۴ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

امام شافعی، امام احمد اور امام محمد کی دلیل امام محمد، امام شافعی اور امام احمد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: امام نسائی اور امام احمد نے اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان بیوع (چیزوں) کو خریدتا ہوں اور بیچتا ہوں، میرے لیے ان بیوع میں سے کون سی حلال ہیں اور کون سی حرام ہیں؟ آپ نے فرمایا کسی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت مت کرو۔[1]

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے خواہ وہ زمین کی بیع ہو یا منقول کی، امام شافعی، امام احمد اور امام محمد کا استدلال اس حدیث کے عموم اور اطلاق سے ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل علامہ ابن ہمام نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ عورت اپنے مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع کر سکتی ہے، اسی طرح اس پر اجماع ہے کہ شوہر بدل خلع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کر سکتا ہے، اسی طرح صلح عن دم العمد اور میراث کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے، اور جب حدیث کے عموم میں اجماع سے ان چیزوں کی تخصیص کر دی گئی ہے تو غرر نہ ہونے کی وجہ سے زمین کی بھی تخصیص کی جا سکتی ہے۔[2]

امام اعظم کے موقف پر ایک خدشہ بیع قبل القبض کی ممانعت میں امام شافعی، امام احمد اور امام محمد بن حسن شیبانی کا موقف اس حدیث صحیح اور صریح کے عموم کے مطابق ہے جس کو ہم نسائی، بیہقی اور مسند احمد کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں، امام مالک صرف طعام میں بیع قبل القبض کی ممانعت کے قائل ہیں۔ ان کا نظریہ بھی اس حدیث کے عموم کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ نے زمین میں بیع قبل القبض جائز قرار دی ہے۔ یہ بھی اس حدیث کے عموم کے خلاف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لا تبیعن شیئا حتی تقبضہ" "قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت مت کرو"۔ صاحب ہدایہ نے زمین کو خاص کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس میں غرر نہیں ہے، لیکن یہ نص صریح کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح دینا ہے، علامہ ابن ہمام نے چند اجماعی مسائل کی تخصیص کی بناء پر زمین کی تخصیص کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان سب چیزوں پر حدیث رسول مقدم ہے اور صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں بعض فقہاء کے اقوال کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں امام محمد بن حسن شیبانی کے قول پر ہی فتویٰ دینا چاہیے۔ اور صحیح اور صریح حدیث کے عموم کو ترک کرنے کے بجائے امام اعظم اور امام ابویوسف کی تخصیص کو ترک کر دینا چاہیے۔ علامہ سرخسی حنفی نے بھی مبسوط ج ۱۳ ص ۸ سے ص ۱۰ تک اس مسئلہ پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ وہی ہے جو ہم فتح القدیر

---

[1] امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
(ایضاً)، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
(ایضاً)۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۳۱۳ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۳۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

WWW.NAFSEISLAM.COM

کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔
امام محمد فرماتے ہیں: طعام ہو یا غیر طعام کسی چیز کی بھی قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے مگر وہ غیر منقول چیزوں مثلاً گھروں اور زمینوں میں قبضہ سے پہلے بیع کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہم قبضہ سے پہلے کسی چیز کی بیع کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔[1]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ گندم اور کھجور وغیرہ کے ڈھیر کی بیع، ناپ تول کے بغیر جائز ہے، حرام نہیں ہے، آیا وہ مکروہ بھی ہے یا نہیں؟ اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے۔[2]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: جو چیزیں ناپ اور تول سے فروخت ہوتی ہیں ان کی بغیر ناپ اور تول کے بیع جائز ہے کیونکہ غور اور فکر سے ان کی مقدار کا اندازہ ہو جاتا ہے اور ہر وقت ناپ اور تول کے آلات میسر نہیں ہوتے (الی قولہ) جو چیزیں ناپ اور تول سے فروخت نہیں ہوتیں جیسے کپڑے، بڑی مچھلیاں اور شہتیر وغیرہ ان کی بیع اندازے سے جائز نہیں ہے۔[3]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: غیر ربوی اور غیر متماثل چیزوں میں جزافاً (بغیر ناپ اور تول کے) بیع جائز ہے اور ناپ اور تول کے ساتھ بھی بیع جائز ہے۔ خرقی اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ علامہ ابن منذر نے کہا کہ ایک قسم کی چیز کے دو ڈھیر ہوں اور ہمیں ان میں سے کسی کی مقدار کا علم نہ ہو ناپ سے نہ تول سے تو ان کی ایک دوسرے کے بدلے میں بیع جائز نہیں ہے اور جب دو ڈھیر الگ الگ قسم کی چیزوں کے ہوں تو ان کی بیع جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "فاذا اختلف الجنسان فبیعوا کیف شئتم" جب دو مختلف اجناس ہوں تو ان کی جس طرح چاہو بیع کرو۔ ہمارے بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو چیز ناپی جاتی ہے اس کی ناپی جانے والی چیزوں کے ساتھ، اور جو چیز وزن کی جاتی ہے اس کی وزن کی جانے والی چیزوں کے ساتھ جزافاً بیع کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ مختلف الاجناس ہوں یا نہ ہوں۔ اور ناپی جانے والی چیزوں کی وزن کی جانے والی چیزوں کے ساتھ جزافاً بیع کرنا جائز ہے۔ یہ قاضی اور شریف ابوجعفر حنبلی کا قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام کی طعام کے ساتھ مجازفۃً (بغیر ناپ اور تول کے) بیع سے منع فرمایا ہے۔ نیز انہوں نے متفق الجنس

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، مؤطا امام محمد ص ۳۳۱ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
[3] علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کو مختلف الجنس پر قیاس کیا ہے۔

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری (جمہور فقہاء حنبلیہ) کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو جنسیں مختلف ہوں تو ان کی جس طرح چاہو بیع کرو" نیز جب جنسیں مختلف ہوں تو ان کی زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہے تو جزافاً بھی جائز ہوگی جیسا کہ ناپ والی کی وزن کی جانے والی کے ساتھ مجازفۃً بیع جائز ہے۔ اور جب حقیقی زیادتی اس بیع میں ممنوع نہیں ہے تو بیع مجازفۃً جس میں زیادتی کا احتمال ہے، کس طرح ممنوع ہوگی، اور انہوں نے جو حدیث پیش کی ہے وہ ایک نوع کے طعام پر محمول ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں: آپ نے کھجور کے ایک ڈھیر کی بیع کو جس کی مقدار معلوم نہ ہو دوسرے کھجور کے ڈھیر کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ان حضرات نے مختلف الجنس کو متفق الجنس پر جو قیاس کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ جب دو چیزوں کی جنس ایک ہو تو ان کی مقداروں میں تماثل واجب ہے اس لیے ان کی مجازفۃً بیع سے منع کیا گیا ہے کیونکہ مجازفۃً بیع سے تماثل نہیں رہے گا، اور جب دو مختلف جنسیں ہوں تو ان میں حقیقۃً زیادتی کے ساتھ بیع منع نہیں ہے تو زیادتی کے احتمال (جزاف کی صورت میں) کے ساتھ تو بیع بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔[1]

ناپ اور تول کے بغیر بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ایک جنس کی چیزوں کی بیع مجازفۃً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ربوٰ کا احتمال ہے، البتہ مختلف الاجناس چیزوں کی بیع مجازفۃً جائز ہے۔[2]

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں، ایک جنس کی چیزوں میں مجازفۃً بیع کا عدم جواز اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب وہ جنس اموال ربویہ میں سے ہو (یعنی جن چیزوں کی بیع ناپ اور وزن کے ساتھ ہوتی ہو) پس اموال ربویہ میں سے ایک جنس کی چیزوں کی مجازفۃً بیع احتمال ربوٰ کی وجہ سے حقیقۃً ربوٰ کی طرح ناجائز ہے، اور یہ عدم جواز بھی اس مقدار کے ساتھ مقید ہے جو معیاری ناپ اور تول میں داخل ہو ورنہ ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے ساتھ جائز ہے۔[3]

دستاویز کی بیع

حضرت ابوہریرہ نے جس دستاویز کی بیع سے منع کیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ زید، عمرو سے کچھ مال خریدے اور قیمت کے بجائے اسے ایک دستاویز فراہم کرے کہ میں نے اتنے مال کے عوض تم کو اتنی رقم ادا کرنی ہے، عمرو اس رقم پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ دستاویز مثلاً بکر کو فروخت کر دے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس کے جواز اور عدم جواز میں علماء کا اختلاف ہے، فقہاء شافعیہ اور دوسرے فقہاء کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، جو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ظاہر قول پر عمل کرتے ہیں اور جو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح وارث مال وراثت پر قبضہ کرنے

---

[1] علامہ شمس الدین عبدالرحمٰن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۸۔ ۱۲۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۱۶، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

سے پہلے اس کی بیع کرسکتا ہے اسی طرح دستاویز کی رقم پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع ہو سکتی ہے کیونکہ یہ حقیقۃً بیع قبل القبض نہیں ہے۔[1]

دستاویز کی بیع میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد فرماتے ہیں: جس شخص نے کسی سے قرض وصول کرنا ہو وہ قرض کی رقم پر قبضہ سے پہلے اس کو فروخت نہیں کرسکتا کیونکہ وہ (قرض کی دستاویز) غرر ہے معلوم نہیں وصول ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

ہنڈی کی بیع کا شرعی حکم

ہنڈی (Bill of Exchange) بھنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً زید نے عمرو سے مال خریدا اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا، اس کے لیے زید نے عمرو کو ایک دستاویز (ہنڈی) فراہم کی جس میں اس نے لکھ دیا کہ وہ تین ماہ بعد عمرو کو مثلاً ایک ہزار روپیہ ادا کرنے کا پابند ہے، بائع عمرو یہ ہنڈی لے کر بینک الف کے پاس گیا اور پانچ فیصد کمیشن پر نوسو پچاس (٩٥٠) روپے میں یہ ہنڈی بینک الف کو فروخت کر دی، پھر بینک مقررہ تاریخ پر عمرو سے ایک ہزار روپے وصول کر لیتا ہے، بینک کو اس کارروائی کے عوض پچاس روپے مل جاتے ہیں اور بائع (عمرو) کو اپنی رقم جلد مل جاتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پہلا بینک وہ ہنڈی دوسرے بینک کو فروخت کر دیتا ہے، ادائیگی رقم کی میعاد جتنی زیادہ ہوتی ہے کمیشن زیادہ ہوتا ہے اور میعاد جس قدر کم ہوتی ہے کمیشن بھی کم ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کفل الفقیہ میں نوٹ کی بیع کو کمی اور زیادتی کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ نوٹ ایک کاغذ ہے اور مال متقوم ہے جس کو بائع باہمی رضامندی سے جس قیمت پر چاہے بیچ سکتا ہے اور فتح القدیر سے یہ جزئیہ پیش کیا ہے کہ ایک کاغذ ایک ہزار میں فروخت کرنا جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے[3] بنا بریں دس روپے کا نوٹ آٹھ روپے میں بھی بیچا جا سکتا ہے اور پندرہ روپے میں بھی۔[4]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس اصول پر ہنڈی کا کاروبار جائز قرار پاتا ہے کیونکہ ہنڈی بھی بہر حال ایک کاغذ ہے جس کو کمی اور زیادتی کے ساتھ بیچا جا سکتا ہے!

لیکن نظر عمیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہنڈی ایک عام کاغذ نہیں ہے، نہ اس کی بیع محض کاغذ ہونے کی وجہ سے ہو رہی ہے یہ بیع دراصل ادائیگی رقم کی دستاویز کی وجہ سے ہو رہی ہے، اس بیع میں کاغذ کی خصوصیت کا دخل نہیں ہے بلکہ کاغذ پر جو خریدار کا اقرار لکھا ہوا ہے اس لکھائی کی خصوصیت کا دخل ہے اور درحقیقت یہ قرض کی بیع ہے اور بائع اپنا قرض اس شخص (بینک) پر بیچ رہا ہے جس پر اس کا قرض واجب نہیں ہے اور یہ ناجائز ہے۔

دراصل اس بیع کے عدم جواز کی قوی وجہ یہ ہے کہ اس بیع میں غرر ہے کیونکہ فرض کیجئے مشتری (زید جو مقروض ہے) دیوالیہ ہو جائے تو بینک کی رقم ڈوب جائے گی یا بالفرض مشتری میعاد مقررسے پہلے اپنی تمام املاک بیچ کر ملک سے باہر چلا جائے یا ڈاکو اس کا مال لوٹ کر لے جائیں یا کوئی حادثہ ہو جائے تو اس دستاویز کی حیثیت ایک ردی کاغذ کی ہوگی، اور بینک

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ، شرح مسلم ج ٢ ص ٦ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٧٥ھ

[2] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ١٨٩ھ، موطا امام محمد ص ٣٥٣ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ٨٦١ھ، فتح القدیر ج ٦ ص ٣٢٤ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] اعلیٰ حضرت احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ١٣٤٠ھ، کفل الفقیہ الفاہم ص ٥٩ مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت بریلی ١٣٢٩ھ

نے اس دستاویز کے عوض جو رقم بائع (عمرو) کو فراہم کی تھی وہ ضائع جائے گی اور اس کو اس کے عوض کچھ نہیں ملے گا، اس لیے غرر کی بناء پر یہ بیع ناجائز ہے۔

شیخ تقی عثمانی نے اس بیع کے عدم جواز میں یہ لکھا ہے کہ یہ تاخیر اور زیادتی کے ساتھ نقود کا نقود سے تبادلہ ہے اور اس کی حرمت ربوٰ الفضل میں منصوص ہے[1] لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک ہزار روپے کی ہنڈی کو نو سو پچاس روپے میں بیچنا اور چیز ہے اور ایک ہزار روپوں کو نو سو پچاس روپوں میں بیچنا اور چیز ہے، مؤخر الذکر صورت صراحۃً ربوٰ ہے (اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے برخلاف[2]) اور پہلی صورت ربوٰ نہیں ہے کیونکہ ایک ہزار کی دستاویز "ایک ہزار روپے ہیں" اور نہ ہی اس کے حکم میں ہے کیونکہ بالفرض اگر مشتری دیوالیہ ہو گیا تو اس دستاویز کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ہنڈی بھنانے کی جائز صورت

ہنڈی کے کاروبار میں اگر کچھ تغیر کیا جائے تو پھر اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں رہے گی، اور وہ یہ ہے کہ بائع اس دستاویز کی رقم خریدار سے وصول کرنے کے لیے بینک کو وکیل بنائے اور اس بینک کو اس کی اجرت ادا کرے، یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بینک کو ہنڈی کی رقم کا مثلاً پانچ فیصد بطور اجرت ادا کرے، پھر ہنڈی کی ساکھ پر بینک سے قرض حاصل کرے مثلاً اگر ایک ہزار روپے کی ہنڈی ہے تو اس کی ضمانت پر بینک سے نو سو یا نو سو پچاس روپے قرض حاصل کرے، اب یہ دو الگ الگ معاملے ہیں ایک معاملہ اجرت پر بینک کو وکیل بنانا ہے اور دوسرا معاملہ ہنڈی کی ساکھ پر بینک سے قرض لینا ہے اور یہ دونوں شرعاً جائز ہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک معاملہ دوسرے معاملہ کے لیے شرط نہ بنایا جائے مثلاً بائع کہے میں بینک کو وکیل تب بناؤں گا جب وہ مجھے اتنی رقم قرض دے گا یا بینک کہے کہ میں قرض تب دوں گا جب مجھے اتنی اجرت پر وکیل بناؤ کیونکہ یہ بیع در بیع اور قرض میں منفعت کی شرط کی وجہ سے باطل ہے۔

حقوق کی بیع کا حکم

کسی شخص کے لیے کوئی حق شرعاً یا قانوناً ثابت ہو تو آیا اس حق کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو سامان فروخت کیا اور اس کے لیے شرعاً قیمت وصول کرنے کا حق ثابت ہو گیا یا اس نے کسی شخص کو کچھ رقم ایک ماہ کے لیے قرض دی تو ایک ماہ بعد اس کے لیے قرض وصول کرنے کا حق ثابت ہو گیا یا حکومت نے اس کے لیے کسی عطیہ کا اعلان کیا تو اس کے لیے قانوناً اس عطیہ یا گرانٹ کو وصول کرنے کا حق ثابت ہو گیا، اب اس شخص کو میعاد مقررہ سے پہلے پیسوں کی ضرورت ہے تو وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا حق فروخت کر دے۔ اور کہے کہ فلاں تاریخ کو تم فلاں سے قیمت یا قرض وصول کر لینا یا حکومت سے گرانٹ لے لینا اور اس کے عوض مجھ کو اب اتنی رقم دے دو تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس چیز کی بیع کر رہا ہے جو اس کے پاس موجود نہیں ہے اور معدوم کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے اس کو مت فروخت کرو۔

---

[1] شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الثانی ۱۴۰۷ھ

[2] اعلیٰ حضرت کی تحقیق اس اصول پر مبنی ہے کہ احناف کے نزدیک دو دی چیزوں میں ربوٰ نہیں ہے اس پر مفصل بحث باب الربوٰ میں آئے گی۔ ——— سعیدی غفرلہ

ٹکٹوں کی بیع کا حکم

جو ٹکٹ کسی معین شخص کے نام ہوتے ہیں جیسے ہوائی جہاز کے ٹکٹ، یا ریل میں ریزرویشن کے ٹکٹ، ان کو خریدنے کے بعد کسی اور شخص کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے اول تو اس لیے کہ ان ٹکٹوں کے ذریعہ عقد اجارہ ایک شخص کے ساتھ منعقد ہوا ہے اور متعلقہ ادارے (مجیر) کی اجازت کے بغیر یہ ٹکٹ دوسرے شخص کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے ثانیاً اس لیے کہ یہ فریب اور دھوکا دہی ہے اور ثالثاً اس لیے کہ چیکنگ کے وقت وہ شخص جھوٹ بول کر اپنے نام کی بجائے ٹکٹ والے کا نام بتائے گا۔ اسی طرح ایک شخص نے ریل یا بس کا پاس بنوایا ہو تو دوسرا شخص اس کو شرعاً استعمال نہیں کر سکتا۔ البتہ جو ٹکٹ کسی معین شخص کے نام نہیں ہوتے جیسے عام ریل کے ٹکٹ، یا ڈاک کے ٹکٹ ان کو خریدنے کے بعد استعمال سے پہلے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ استعمال شدہ ٹکٹوں کو فروخت کرنا یا دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ کی بیع کا حکم

حکومت سیاسی نوازشات کے طور پر بعض لوگوں کو امپورٹ لائسنس جاری کرتی ہے جو پیشہ ور تاجر نہیں ہوتے اس لیے وہ اس لائسنس کو پیشہ ور تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اسی طرح روٹ پرمٹ بھی بعض ایسے لوگوں کو دیئے جاتے ہیں۔ جو اس پیشے سے منسلک نہیں ہوتے اس لیے وہ اس کو پیشہ ور لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں آیا یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اگر امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ کسی خاص شخص کے نام ہوتے ہیں تو انہیں دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بیع جھوٹ اور دھوکا دہی کو مستلزم ہے اور اگر یہ کسی خاص شخص کے نام نہ ہو بلکہ ان کی حیثیت ایک ایسی دستاویز کی ہو کہ جو شخص بھی اس دستاویز کا حامل ہو وہ اس کے ذریعہ بیرون ملک سے مال منگوا سکتا ہے یا اس دستاویز کے ذریعہ اندرون شہر یا بیرون شہر بس چلا سکتا ہے تو پھر ان کی بیع جائز ہے۔ کیونکہ اس وقت ان کی حیثیت ڈاک کے ٹکٹوں کی طرح ہوگی۔

امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ سے استفادہ کی جائز صورت

ہمارے ملک میں امپورٹ لائسنس اور روٹ پرمٹ عام اجازت نامہ نہیں ہوتے بلکہ یہ کسی خاص شخص یا خاص ادارے کے لیے تجارت یا بس چلانے کی اجازت ہوتی ہے اور اس کی دوسرے شخص کو بیع جائز نہیں ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانے کی جائز صورت یہ ہے کہ جس شخص کے نام تجارتی لائسنس ہے وہ کسی تاجر کو اپنا وکیل بنا دے اور وکیل اصل شخص کے نام پر مال منگوائے اور اس کو فروخت کرے اور جو نفع حاصل ہو وہ اصل حامل لائسنس کو دے اور اصل شخص وکیل کو حق خدمت ادا کرے جو پہلے طے کر لیا جائے یہ حق خدمت لمسم بھی دیا جا سکتا ہے اور نفع کے تناسب سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ روٹ پرمٹ میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔

کتابوں پر رائلٹی کا حکم

مصنف کا اپنے مسودے کو بیچنا شرعاً جائز ہے خواہ اس مسودے کی یک مشت قیمت لے یا مثلاً یہ مقرر کرے کہ جب تک کتاب چھپتی رہے گی وہ اس کی لکھی ہوئی قیمت کا چھٹا حصہ وصول کرتا رہے گا۔ ہمارے ہاں عام قانون یہی ہے۔ شیخ تقی عثمانی لکھتے ہیں: یہ شرعاً جائز نہیں ہے کہ ناشر حقوق طباعت کو اپنے ساتھ خاص کرے نہ حق اشاعت کو مصنف فروخت کر سکتا ہے کیونکہ حقوق کی بیع جائز نہیں ہے، اس کی اصل وہ

حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَلاء کی بیع سے منع فرمایا ہے[1] نیز بیع مال کی ہوتی ہے جواز قبیل اعیان ہے، اور حق اشاعت مال اور عین نہیں ہے۔

کیا حقوق اشاعت کو اپنے ساتھ خاص کر لینا جائز ہے؟

ایک فکر یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک کتاب خرید لیتا ہے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے وہ اس کو دوبارہ نقل بھی کر سکتا ہے اور چھاپ بھی سکتا ہے اس پر یہ پابندی لگانا کہ وہ اس کتاب کو چھاپ نہیں سکتا شرعاً ناجائز ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ اصل چھاپنے والے کے نفع میں کمی واقع ہو اور نفع میں کمی ہونا شرعاً قباحت نہیں ہے، نیز کسی کتاب کی اشاعت کو اپنے ساتھ خاص کر لینا اور دوسرے لوگوں کو اجازت نہ دینا ایک طرح کا احتکار ہے کیونکہ اس طرح ناشر اس کتاب کی من مانی قیمت مقرر کر کے مہنگے داموں بیچتا رہے گا جس سے لوگوں کو ضرر ہوگا، اور جب اس کتاب کو متعدد ناشرین چھاپیں گے تو مقابلہ میں اس کی قیمت ارزاں ہوگی جس سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔[2]

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناشر مصنف کو رائلٹی دیتا ہے، کتاب کی کتابت کرا کے کاتب کو اجرت دیتا ہے، تصحیح کراتا ہے، جس پر اچھی خاصی رقم اور محنت خرچ ہوتی ہے اور وقت صرف ہوتا ہے اور جب کتاب چل پڑتی ہے اور نفع حاصل کرنے کا وقت آتا ہے تو چور بازار سے ایک ناشر اس کتاب کا فوٹو لے کر چھاپ دیتا ہے اور بغیر کسی محنت کے رقم اور پیسہ خرچ کیے بغیر وہ نفع میں اصل ناشر کا شریک ہو جاتا ہے، نیز فوٹو لینے کی وجہ سے اس دوسرے ناشر کا کتاب پر زیادہ خرچ نہیں ہوتا اس لیے وہ سستے داموں پر کتاب مارکیٹ میں لے آتا ہے جس سے اصل ناشر کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے اصل ناشر کو ضرر سے بچانے کے لیے کتاب کی اشاعت پر پابندی لگانا جائز ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ کسی شخص کا کسی کتاب کو چوری چھپے اصل ادارے کے نام سے چھاپنا جھوٹ اور دھوکا دہی کی وجہ سے ناجائز ہے۔

پگڑی کی بیع کا حکم

ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہے کہ کرائے کے مکان اور دکانیں پگڑی پر اٹھائے جاتے ہیں ایک بار کرایہ دار جب مکان یا دکان دوسرے کرایہ دار کو منتقل کرتا ہے تو مکان یا دکان پر قبضہ دینے کے عوض پگڑی طلب کرتا ہے اور پگڑی کی رقم موقع اور محل کی اہمیت کے اعتبار سے ایک ہزار سے کئی لاکھ روپیہ تک لی اور دی جاتی ہے، اور قبضہ دینا کوئی حسی اور عینی چیز یا مال نہیں ہے اس لیے یہ بیع باطل ہے۔

بعض حیلہ جو فقہاء نے پگڑی کو جائز کرنے کا یہ حیلہ نکالا ہے کہ خالی مکان یا دکان میں کچھ ساز و سامان مثلاً پنکھا، الماری، میز، کرسی وغیرہ رکھ دی جائیں اور ان کی قیمت حسب منشاء لگائی جائے یعنی جس قدر پگڑی لینی ہو اتنی ہی قیمت کسی پنکھے یا الماری کی لگا کر وہ قیمت وصول کر لی جائے اس طرح فقہی طور پر تو یہ عقد جائز ہو جائے گا، اور ظاہر شرع کے لحاظ سے اس پر کوئی دار و گیر نہیں ہوگی، لیکن یہ معاملہ تو اس کے ہاں پیش ہونا ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ دلوں کے حال اور نیات کو خوب جانتا ہے، اس لیے حیلوں اور بہانوں سے حرام کو حلال نہیں کرنا چاہیے۔

---

[1] ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وَلاء کی بیع اور ہبہ سے منع فرما دیا۔ (صحیح مسلم ج ١ ص ٤٩٥۔ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ١٣٧٥ھ)

[2] ۔ شیخ محمد تقی عثمانی، تکملہ فتح الملہم ج ١ ص ٣٦٥، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی، الطبع الثانی، ١٤٠٧ھ

باب ۴۹۱ تَحْرِيْمِ بَيْعِ صُبْرَةِ التَّمْرِ الْمَجْهُوْلَةِ الْقَدْرِ بِتَمْرٍ!

کھجور کے جس ڈھیر کی مقدار مجہول ہو اس کی دوسری کھجوروں سے بیع ممنوع ہے

۳۷۴۰ - حَدَّثَنِىْ اَبُو الطَّاهِرِ اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِىْ ابْنُ جُرَيْجٍ اَنَّ اَبَا الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيْلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کھجوروں کے جس ڈھیر کی بیع پیمائش کے معروف طریقے سے معلوم نہ ہو اس کو معین کھجوروں کے عوض بیچنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

۳۷۴۱ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا رَوْحٌ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِىْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ مِنَ التَّمْرِ فِىْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا (حسب سابق) البتہ اس حدیث کے آخر میں کھجوروں کا ذکر نہیں ہے۔

(ف) اس باب کی حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ جب تک کسی چیز کی مقدار معلوم نہ ہو اس کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ ایک جنس کی چیزوں میں جب تک مساوات کا علم نہ ہو یہ خطرہ رہتا ہے کہ کسی ایک جانب زیادتی ہوگی اور یہ ربوٰ کو مستلزم ہے اور جس طرح حقیقۃً ربوٰ کے ساتھ بیع ممنوع ہے احتمال ربوٰ کے ساتھ بھی بیع ممنوع ہے۔

باب ۴۹۲ ثُبُوْتِ خِيَارِ الْمَجْلِسِ لِلْمُتَبَايِعَيْنِ

بیع سے پہلے عاقدین کے لیے خیار مجلس

۳۷۴۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بائع اور مشتری جب تک الگ الگ نہ ہوں اس وقت تک ہر ایک کو دوسرے کے عقد کو فسخ کرنے کا اختیار ہے ماسوا بیع اختیار کے (وہ بیع جس میں اختیار کی شرط لگائی

كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ۔

گئی ہو)

۳۷۴۳ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَا نَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيلُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنَّى وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ ح وَثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ أَنَا الضَّحَّاكُ كِلَاهُمَا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ۔

امام مسلم نے پانچ مختلف سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت ذکر کی ہے۔

۳۷۴۴ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعًا أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذَلِكَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں تو ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ ہونے سے پہلے (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے، جب تک وہ ایک ساتھ رہیں یا ان میں سے ایک فریق دوسرے کو اختیار دے دے، جب ایک فریق نے دوسرے کو اختیار دے دیا اور انھوں نے اس پر بیع کر لی تو بیع واجب ہو گئی، اور اگر بیع کے بعد وہ دونوں متفرق ہو گئے اور ان میں سے کسی فریق نے بیع کو فسخ نہیں کیا تو بیع واجب ہو گئی۔

www.nafseislam.com

فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ۔

۳۷۴۵- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ قَالَ زُهَيْرٌ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَمْلَى عَلَيَّ نَافِعٌ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ بِالْبَيْعِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ يَكُونُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَإِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ نَافِعٌ فَكَانَ إِذَا بَايَعَ رَجُلًا فَأَرَادَ أَنْ لَا يُقِيلَهُ قَامَ فَمَشَى هُنَيْهَةً ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں تو جب تک وہ متفرق نہ ہوں ان میں سے ہر ایک اختیار ہے، الا یہ کہ ان کی بیع شرط خیار سے ہو اور جب وہ اپنے اختیار سے بیع کر لیں تو بیع واجب ہو جائے گی۔
نافع کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر کسی شخص سے بیع کرتے اور ان کی خواہش ہوتی کہ یہ بیع فسخ نہ ہو تو (مجلس سے) کھڑے ہو جاتے اور کچھ دور چل کر واپس آجاتے۔

۳۷۴۶- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ نَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَيِّعَيْنِ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتَّى يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیع کرنے والے ہر دو فریقوں کی اس وقت تک بیع (لازم) نہیں ہو گی جب تک کہ وہ متفرق نہ ہو جائیں ماسوا بیع خیار کے۔

۳۷۴۷- حَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ ح قَالَ وَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ نَا

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرید اور فروخت کرنے والے فریقین جب تک الگ الگ نہ ہوں ان کو اختیار ہے، اگر وہ دونوں سچ بولیں اور (عیوب کو) بیان

شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

کردی تو ان دونوں کی بیع میں برکت ہوگی۔ اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور (عیوب کو) چھپائیں تو ان کی بیع کی برکت مٹادی جائے گی۔

۳۷۴۸ - وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ نَا هَمَّامٌ عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ قَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ وُلِدَ حَكِيْمُ بْنُ حِزَامٍ فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ وَعَاشَ مِائَةً وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً.

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت بیان کی ہے، امام مسلم فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام کعبہ میں پیدا ہوئے اور ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔

خیار مجلس میں فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہما اور تابعین میں سے طاؤس، سعید بن مسیب، عطاء، شریح قاضی، حسن بصری، شعبی، زہری اور فقہاء مجتہدین میں سے امام اوزاعی، امام سفیان بن عیینہ، امام عبداللہ بن مبارک، امام علی بن مدینی، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہ نظریہ ہے کہ بائع اور مشتری جب تک مجلس سے اٹھ نہ جائیں انہیں بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور جب فریقین میں سے کوئی ایک مجلس سے اٹھ جائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے اور اختیار ختم ہوجاتا ہے۔ ان فقہاء نے اس باب کی ظاہر احادیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث میں جو تفرق کا لفظ ہے اس سے مراد تفرق بالابدان لیا ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام مالک اس حدیث میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال لیتے ہیں اور ایجاب وقبول کے بعد بیع لازم ہوجاتی ہے اور کسی فریق کو بھی بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا ماسوا خیار شرط، خیار رویت اور خیار عیب کی صورتوں کے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ احادیث صحیحہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے خلاف ہیں اور ان کے پاس ان احادیث کا کوئی صحیح جواب نہیں ہے۔[۱]

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

خیار مجلس میں فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کے موقف پر دلائل

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ بائع اور مشتری جب تک دونوں جسمانی طور پر ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں اور ایک مجلس میں جمع ہوں ان میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک مجلس سے چلا جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے اور اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنے موقف کے ثبوت میں احادیث پیش کیں (یہ احادیث اس باب میں مذکور ہیں) اور لکھا ہے کہ فقہاء احناف ان احادیث میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال لیتے ہیں یعنی مشتری کہے "میں نے خرید لیا" کے بعد بائع میں نے "بیچا" کہہ دے تو تفرق بالاقوال ہو گیا اور بیع لازم ہو گئی۔ علامہ ابن قدامہ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حدیث میں ہے: اذا تبایع الرجلان فکل واحد منھما بالخیار "جب دو آدمیوں نے بیع کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے"۔ اس حدیث میں بیع کے بعد اختیار کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بیع ایجاب و قبول کے مکمل ہونے یعنی تفرق بالاقوال سے ہوتی ہے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ تفرق بالاقوال یعنی بیع کے بعد اختیار باقی رہتا ہے اور تفرق بالاقوال سے ختم نہیں ہوتا، نیز حدیث میں ہے: وان تفرقا بعد ان تبایعا ولم یترک احدھما البیع فقد وجب البیع "جب بائع اور مشتری بیع کے بعد متفرق ہو جائیں اور کوئی فریق بیع کو فسخ نہ کرے تو بیع لازم ہو جاتی ہے"۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہو گیا کہ بیع (یعنی تفرق بالاقوال) کے بعد اختیار باقی رہتا ہے حتیٰ کہ بائع اور مشتری متفرق ہو جائیں اور بیع کے بعد جس تفرق کا ذکر ہے اس سے مراد تفرق بالاقوال نہیں ہو سکتا اس لیے اس سے لامحالہ تفرق بالابدان مراد ہوگا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو اس حدیث کی تفسیر کی ہے اس سے مراد تفرق بالابدان لیا ہے کیونکہ جب وہ کسی شخص سے بیع کرتے تو مجلس سے اٹھ کر چند قدم چل لیتے تاکہ بیع لازم ہو جائے اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے اور یہ دونوں اس حدیث کے راوی ہیں اور اس حدیث کا معنی زیادہ بہتر جانتے ہیں، حضرت عمر نے پہلے اس کے خلاف کہا تھا بعد میں اپنے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف رجوع کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سامنے کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔[۱]

خیار مجلس میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابوالولید باجی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: "بائع اور مشتری جب تک دونوں متفرق نہ ہوں ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر اختیار ہے"۔ اس حدیث کی تاویل میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ اس حدیث میں متبایعان سے مراد متساومان ہے (یعنی قیمت لگانے والے دو فریق) کیونکہ بیع کرتے وقت متبایعان درحقیقت قیمت لگانے کے وصف سے متصف ہوتے ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: لا یبیع بعضکم علی بیع بعض "یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کی قیمت پر قیمت نہ لگائے"، اس اعتبار سے اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ دو قیمت لگانے والے جب ایجاب و

---

[۱] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

قبول کو مکمل کر لیں تو پھر ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور تفرق سے تفرق بالقول مراد ہوگا کیونکہ تفرق کا اطلاق معنوی افتراق پر بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے: وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتهم البینة۔ "اہل کتاب نے کتاب آنے کے بعد ہی افتراق کیا" اس افتراق سے مجلس کا افتراق مراد نہیں ہے بلکہ دین میں اختلاف اور افتراق مراد ہے اس لحاظ سے زیر بحث حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ دو قیمت لگانے والوں (بائع اور مشتری) کو اس وقت تک بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ (ایجاب و قبول سے) بیع کو مکمل نہیں کر لیتے، امام ابو حنیفہ نخعی اور ربیعہ بن عبد الرحمن کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تفرق سے تفرق عن المجلس مراد ہے یعنی بیع کے وقت بائع اور مشتری کو اس وقت تک اختیار رہے گا جب تک کہ وہ شخصی طور پر ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہوتے[1]

خیار مجلس میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں اور اس میں اختیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ عقد کریں بیع واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نہ ہوں، اور اہل مدینہ نے کہا کہ ان کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے، جب تک وہ اپنے مقام سے یا مجلس سے الگ الگ نہ ہو جائیں اور ان کی یہ بیع بالخیار ہوتی ہے، امام محمد فرماتے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ جب وہ اختیار کی شرط نہ لگائیں تو الگ الگ ہونے سے پہلے ان کو اختیار ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا نافع حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر متفرق ہونے سے پہلے اختیار ہوتا ہے۔ ماسوا بیع الخیار کے ہم نے کہا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر مجلس یا مقام سے متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے؟ انھوں نے کہا ہر چند کہ مجلس یا جگہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں ان سے یہ کہا گیا کہ تم سے اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ بیع کے اقوال سے متفرق نہ ہو جائیں، جب بائع نے کہا "میں نے یہ چیز فروخت کی" تو اب مشتری کو اختیار ہے وہ اس قول کو قبول کرے یا نہ کرے (اور قبول کرنے کے بعد بیع لازم ہے اور اختیار نہیں ہے) حدیث کی تفسیر اس طریقہ سے ہے، امام محمد نے فرمایا ابراہیم نخعی نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ کیونکہ جب انھوں نے رکاب میں پیر رکھا تو فرمایا: لوگ کل کہیں گے کہ عمر نے کیا کہا ہے؟ سنو بیع صفقہ (سودا طے ہونے) سے ہوتی ہے یا خیار سے" (امام محمد فرماتے ہیں) تو کیا سودا طے ہونے کے بعد اختیار ہو سکتا ہے؟ نیز ہمیں شریح سے یہ روایت پہنچی ہے کہ "جب دو شخص بیع کر لیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی اختیار نہیں ہوتا" نیز امام محمد نے اہل مدینہ پر معارضہ

---

[1] علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۵ ص ۵۵ مطبوعہ دار الفکر العربی بیروت
[2] اس کی مزید وضاحت علامہ سرخسی کی عبارت میں آ رہی ہے۔

کرتے ہوئے فرمایا: اگر تفرق عن المجلس سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو بتاؤ کہ جب تفرق سے پہلے ایک شخص اختیار کی شرط لگائے اور دوسرا شرط نہ لگائے تو جس شخص نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کے لیے اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں ہے تو تمہارے قول کے خلاف ہے۔ [۱]

خیار مجلس میں فقہاء احناف کے موقف پر قرآن مجید سے استدلال

ایجاب وقبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے اور پھر فریقین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، فقہاء احناف نے یہ نظریہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے قائم کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ (مائدہ: ۱)
اے ایمان والو! عقد کو پورا کرو۔

عقد ایجاب وقبول کو کہتے ہیں، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بائع اور مشتری کو عقد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور خیار مجلس ایفاء عقد کے منافی ہے۔

یایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ (نساء: ۲۹)
اے ایمان والو! آپس میں ناحق مال مت کھاؤ، البتہ تم باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو۔

تراضی کے ساتھ تجارت ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے، اس لیے اب کسی فریق کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مجلس میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بیع فسخ کر دے۔

واشھدوا اذا تبایعتم۔ (بقرۃ: ۲۸۲)
جب تم بیع کرو (تو اس بیع پر) گواہ کر لو۔

بیع ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، اگر بیع ایجاب وقبول سے مکمل نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

خیار مجلس میں احناف کے موقف پر احادیث سے استدلال

خیار مجلس میں احناف کا نظریہ حسب ذیل احادیث پر قائم ہے، امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ابتعت طعاما فلا تبعہ حتی تستوفیہ۔ [۲]
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اناج خریدو تو اس پر پورا قبضہ کرنے سے پہلے اس کو مت فروخت کرو۔

[۱] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۶۹۳ — ۶۸۰ ملخصا، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور
[۲] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۲ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

امام طحاوی فرماتے ہیں یہ حدیث خیار مجلس کی نفی پر دلیل ہے کیونکہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اناج پر قبضہ کے بعد اس کی بیع جائز ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار مجلس سے اٹھنے سے پہلے اناج پر قابض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تفرق عن البدن سے پہلے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا تو تفرق عن البدن سے پہلے خریدار کا مبیع کو بیچنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ مبیع پر قبضہ کے بعد تفرق سے پہلے یہ بیع جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ تفرق عن البدن تک خیار نہیں رہتا اور باب مذکور کی احادیث میں تفرق سے تفرق عن القول مراد ہے تفرق عن البدن مراد نہیں ہے۔ [۱]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر فکان یغلبنی فیتقدم امام القوم فیزجرہ عمر و یردہ ثم یتقدم فیزجرہ عمر و یردہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمر بعنیہ فقال ھو لک یا رسول اللہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعنیہ فباعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو لک یا عبد اللہ بن عمر تصنع بہ ما شئت [۲]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، میں حضرت عمر کے ایک اکھڑ اونٹ پر سوار تھا، جو میرے قابو میں نہیں آتا تھا اور قوم سے آگے نکل جاتا تھا، حضرت عمر اس کو جھڑک کر لوٹاتے وہ پھر آگے نکل جاتا۔ حضرت عمر پھر اس کو جھڑک کر لوٹاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دو، انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی ملکیت ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اونٹ فروخت کر دو، پھر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اونٹ فروخت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ بن عمر! یہ اونٹ تمہارا ہے تم اس سے جو چاہو کرو!

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدتے ہی تفرق عن المجلس سے پہلے وہ اونٹ حضرت عبداللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا اگر اس وقت یہ بیع لازم نہ ہوئی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خریدتے ہی وہ اونٹ ہبہ نہ کرتے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن رجل من کنانۃ قال، قال عمر حین وضع رجلہ فی الغرز وھو بمنی: اسمعوا ما اقول لکم ولا تقولوا، قال عمر، قال عمر!

کنانہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے فرمایا سنو میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ نہ کہنا کہ یہ عمر کا قول ہے، یہ عمر کا

---

[۱] امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۰۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ۔
[۲] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

البیع عن صفقة او خیار و لکل مسلم شرطه۔[1] قول ہے، بیع یا سودے سے ہوتی ہے یا خیار سے اور ہر مسلمان کو شرط لگانے کا حق ہے۔

امام عبد الرزاق نے یہ حدیث حجاج سے بھی روایت کی ہے۔[2]

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں صفقہ (سودا طے ہو جانا) اس بیع کو کہتے ہیں جو نافذ اور لازم ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی دو قسمیں ہیں ایک بیع لازم جس میں اختیار نہ ہو اور دوسری بیع لازم جس میں اختیار ہو، اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر بیع میں اختیار ہوتا ہے وہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔[3]

اس حدیث کی سند پر شیخ ابن حزم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پہلی روایت مجہول سے ہے اور دوسری حجاج بن ارطاۃ سے ہے اور وہ ضعیف ہے۔ لیکن چونکہ یہ حدیث طرق متعددہ سے مروی ہے اس لیے استدلال کے لائق ہے، خصوصاً اس لیے کہ امام مجتہد امام محمد بن حسن شیبانی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال اس کی تقویت کا موجب ہے۔

فقہاء شافعیہ و حنابلہ کے جوابات

فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنابلہ کے دلائل کے جوابات علامہ ابو الولید باجی مالکی اور امام محمد بن حسن شیبانی کی عبارات میں آچکے ہیں وہاں ملاحظہ کر لیے جائیں۔

الا بیع الخیار کی تشریح

حدیث نمبر ۳۷۴۲ میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بائع اور مشتری جب تک الگ الگ نہ ہوں اس وقت ہر ایک کو فسخ عقد کا اختیار ہے ماسوا بیع الخیار کے۔

اس حدیث میں اس استثناء کی تشریح میں فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء احناف نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تفرق بالقول (یعنی ایجاب و قبول کے بعد) بیع لازم ہو جاتی ہے البتہ فریقین میں سے کوئی ایک خیار شرط لگائے پھر بیع لازم نہیں ہوگی اور تفرق بالقول کے بعد بھی بیع بالخیار رہے گی، اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک معنی یہ ہے کہ بیع کے بعد تفرق بالبدن تک اختیار رہے گا اور اس کے بعد بیع لازم ہو جائے گی الا یہ کہ فریقین میں سے کوئی ایک خیار شرط لگائے پھر تفرق عن المجلس کے بعد بھی بیع لازم نہیں ہوگی۔

علامہ نووی شافعی نے اس استثناء کے تین محمل بیان کیے ہیں (ا) زیادہ صحیح یہ ہے کہ فریقین کو عقد کے بعد مجلس سے اٹھنے تک فسخ کا اختیار رہتا ہے الا یہ کہ دونوں مجلس میں بیع کو اختیار کر لیں پھر تفرق عن المجلس تک فسخ کا اختیار نہیں رہے گا اور بیع لازم ہو جائے گی (ب) فریقین کو تفرق عن المجلس تک اختیار رہے گا اور اس کے بعد بیع لازم ہو جائے گی الا یہ کہ کوئی فریق خیار شرط لگائے پھر تفرق عن المجلس کے بعد بھی بیع لازم نہیں ہوگی اور شرط لگانے والے کو اختیار رہے گا۔ (ج) فریقین کو تفرق عن المجلس تک اختیار رہتا ہے سوا اس بیع کے جس میں نفی اختیار کی شرط لگائی جائے پھر نفس بیع سے

---

[1] امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۵۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[2] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۵۲

[3] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۳ ص ۵۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ھ۔

خیار شرط میں مذاہب فقہاء اگر بیع کے وقت فریقین میں سے کوئی بعد میں بیع فسخ کرنے کی شرط لگائے تو اس کو خیار شرط کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک خیار شرط کی انتہائی مدت تین دن ہے، امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری اور ہمارے علماء میں سے امام ابویوسف اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے کوئی قید نہیں ہے جس مدت پر بھی فریقین کا اتفاق ہو جائے جائز ہے اور امام مالک کے نزدیک خیار کی مدت مبیع کے اعتبار سے ہے زمین کے لیے ایک ماہ کپڑے اور دیگر تجارتی اشیاء میں دو دن اور حیوانات میں پانچ دن ہے۔[۲]

بَابُ ۹۳ مَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ — جو شخص بیع میں دھوکا کھا جائے

۳۷۴۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَ يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَ قُتَيْبَةُ وَ ابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى اَنَا وَ قَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ ذَكَرَ رَجُلٌ لِّرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ اِذَا بَايَعَ يَقُوْلُ لَا خِيَابَةَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ اس کو بیوع میں دھوکا دیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جس شخص سے بیع کرو اس سے کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہیں ہوگا، وہ شخص جب بیع کرتا تو کہہ دیا کرتا کہ دھوکا نہیں ہوگا۔

۳۷۵۰۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيْعٌ قَالَ نَا سُفْيَانُ ح قَالَ وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِهِمَا فَكَانَ اِذَا بَايَعَ يَقُوْلُ لَا خِيَابَةَ۔

ایک اور سند سے بھی ایسی ہی روایت ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ جب وہ بیع کرتا تو کہتا دھوکا نہیں ہوگا۔ (وہ شخص لا خلابۃ کی جگہ لا خیابۃ کہتا تھا، اس کی زبان سے لام نہیں نکلتا تھا۔ کیونکہ ایک جنگ میں اس کے سر پر پتھر لگنے کی وجہ سے اس کی عقل اور زبان میں کچھ نقص واقع ہو گیا تھا)۔

---

[۱] علامہ یحیی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۵ھ

[۲] علامہ ابوالولید محمد بن احمد بن رشد اندلسی مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

WWW.NAFSEISLAM.COM

لاخلابۃ کہنے کی وجہ

یہ شخص (حبان بن منقذ) صاحب بصیرت نہیں تھا اور عدم بصیرت کی وجہ سے اس کو بیع اور شراء میں نقصان ہو جاتا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کلمات تلقین کیے تاکہ لوگ اس سے بیع کا معاملہ کرتے وقت اس کی اس کمزوری سے مطلع رہیں اور بیع میں از راہ ہمدردی اس کا خیال کریں کہ کہیں اس کو نقصان نہ ہو جائے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ایک جنگ میں اس کے سر پر پتھر لگنے کی وجہ سے اس کی زبان اور عقل میں کچھ نقص آ گیا تھا۔[1]

ناتجربہ کار کو زیادہ مہنگے داموں پر فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء

حضرت حبان بن منقذ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لاخلابۃ کہنے کا حکم دیا تھا اس بناء پر فقہاء کا اس امر میں اختلاف ہوا کہ مسترسل (جس شخص کو سودے کی قیمت کا پتا نہ ہو اور نہ ہی اس کو خرید و فروخت کا تجربہ ہو) اگر کوئی چیز خریدے اور بائع اس کے ساتھ غبن کرے (یعنی اس کی ناتجربہ کاری کی بناء پر زیادہ مہنگے داموں میں فروخت کرے) تو آیا اس کو خیار فسخ ہے یا نہیں؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ مسترسل کے ساتھ جب غیر معمولی غبن کیا جائے تو اس کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، امام مالک کا بھی یہی موقف ہے اور امام ابوحنیفہ، اور امام شافعی فرماتے ہیں اس کو سودا فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ جب چیز صحیح ہو اور اس کو کم قیمت پر فروخت کر دیا جائے تو اس سے بیع کے لزوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ غیر مسترسل پر کسی چیز کو فروخت کر دے یا جیسا کہ معمولی غبن میں خیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے غبن کی تفسیر میں کئی قول لکھے ہیں ایک یہ ہے کہ کسی چیز کی قیمت ایک تہائی سے زیادہ لگائی جائے یعنی دس روپیہ کی چیز پندرہ میں فروخت کر دی جائے امام مالک نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تہائی کثیر ہے، بعض فقہاء نے کہا چھٹا حصہ قیمت زیادہ ہو تو غبن ہے اور بعض فقہاء نے کہا جو قیمت تاجروں کے عام معمول سے زیادہ لگائی جائے وہ غبن ہے اور بعض فقہاء نے کہا یہ عرف پر موقوف ہے۔[2]

فقہاء مالکیہ اور حنابلہ نے مسترسل کے لیے خیار فسخ ثابت کرنے میں حضرت حبان بن منقذ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور فقہاء احناف اور شوافع کہتے ہیں کہ یہ ان کی خصوصیت تھی۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس حدیث میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے اس کے حکم کو حضرت حبان کے ساتھ خاص رکھا ہے، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا یہی نظریہ ہے اور امام مالک سے بھی یہی صحیح روایت ہے اور بغداد کے مالکی علماء اس حدیث کی بناء پر مسترسل (ناتجربہ کار) کے لیے خیار فسخ کے قائل ہیں۔[3]

غبن فاحش کی وجہ سے خیار کے حکم میں متاخرین فقہاء احناف کا موقف

متاخرین فقہاء احناف نے غبن فاحش کی صورت میں بیع فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۸، ۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

متاخرین نے غبن فاحش میں بیع کو رد کرنے کا اختیار دیا ہے یا مطلقاً، یا دھوکے کی صورت میں خریدار پر رحم کرتے ہوئے یہ حکم اس قاعدہ کے تحت بیان کیا ہے کہ مشقت، آسانی کا باعث ہوتی ہے[1]

علامہ حموی لکھتے ہیں: تنویر میں ہے ظاہر الروایہ کے مطابق غبن فاحش کی وجہ سے رد نہیں ہو سکتا اور فتویٰ یہ ہے کہ اگر خریدار کو دھوکا دیا جائے تو وہ بیع رد کر سکتا ہے، علامہ زیلعی نے فرمایا بائع نے مشتری سے کہا اس چیز کی (بازار میں) اتنی قیمت ہے اور اس نے وہ چیز خرید لی بعد میں معلوم ہوا اس کی قیمت کم ہے تو وہ بیع رد کر سکتا ہے کیونکہ اس کو دھوکا دیا گیا تھا۔ اور اگر اس نے اس طرح نہیں کہا تھا تو پھر رد کرنا جائز نہیں ہے (مثلاً یوں کہا ہو کہ میں اتنے کی دوں گا) صدر الشہید نے بھی اسی قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے ــــ دھوکے کی وجہ سے غبن فاحش کی بناء پر رد کرنے کا خیار بائع اور مشتری دونوں کو حاصل ہے اور کثیر فقہاء کے نزدیک یہی معتمد ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ خیار وارثوں کی طرف منتقل ہوتا ہے یا نہیں؛ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ اختیار وارثوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا ــــ غبن فاحش کا معیار یہ ہے کہ جو قیمت عام قیمت سے زیادہ ہو اور اتنی قیمت پر کوئی شخص اس چیز کو فروخت نہ کرتا ہو وہ غبن فاحش ہے[2]

بَابُ ۴۹۲ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلَاحِهَا بِغَيْرِ شَرْطِ الْقَطْعِ

ظہور صلاحیت سے پہلے درختوں پر پھلوں کی بیع کا عدم جواز

۳۷۵۱- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو بیچنے سے منع فرمایا۔ بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔

۳۷۵۲- حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔

۳۷۵۳- حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

[1] علامہ زین العابدین ابراہیم الشہیر بابن نجیم مصری ۹۷۰ھ، کتاب الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۵ھ

[2] سید احمد بن محمد حنفی حموی، غمز عیون البصائر ج ۱ ص ۲۵۸ - ۲۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتَّى تَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ وَنَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ سرخ یا زرد نہ ہو جائیں اور سفید ہونے سے پہلے بالیوں کی بیع سے منع فرمایا تاوقتیکہ وہ آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں، بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا۔

۳۷۵۴ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَيَذْهَبَ عَنْهُ الْآفَةُ قَالَ يَبْدُو صَلَاحُهَا حُمْرَتُهُ وَصُفْرَتُهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک پھلوں کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے اور وہ (قدرتی) آفات سے محفوظ نہ ہو جائیں ان کو مت فروخت کرو۔ آپ نے ظہور صلاحیت کا معیار یہ بیان فرمایا کہ وہ سرخ یا زرد ہو جائیں۔

۳۷۵۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ يَحْيَى بِهَذَا الْإِسْنَادِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ لَمْ يَذْكُرْ مَا بَعْدَهُ۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں صرف پھلوں کی ظہور صلاحیت کا ذکر ہے اور بعد کی علامتوں کا ذکر نہیں ہے

۳۷۵۶ - حَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ أَنَا الضَّحَّاكُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ عَبْدِ الْوَهَّابِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل بیان کی۔

۳۷۵۷ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت بیان کی۔

مَالِكٍ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ۔

۳۷۵۸- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ اَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو۔

۳۷۵۹- وَحَدَّثَنِيْهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ شُعْبَةَ فَقِيْلَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا مَا صَلَاحُهٗ قَالَ تَذْهَبُ عَاهَتُهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ پھلوں کی ظہور صلاحیت کا کیا معیار ہے؟ انھوں نے فرمایا وہ (قدرتی) آفات سے محفوظ ہو جائیں۔

۳۷۶۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اَنَا اَبُوْ خَيْثَمَةَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى اَوْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَطِيْبَ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

۳۷۶۱- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ عَاصِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَاللَّفْظُ لَهٗ قَالَ نَا رَوْحٌ قَالَ نَا زَكَرِيَّا ابْنُ اِسْحٰقَ قَالَ نَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الثمر حتی یبدو صلاحہ۔

۳۷۶۲- حدثنا محمد بن مثنی وابن بشار قالا نا محمد بن جعفر قال نا شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی البختری قال سألت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن بیع النخل فقال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع النخل حتی یاکل منہ او یوکل منہ وحتی یوزن قال فقلت ما یوزن فقال رجل عندہ حتی یحرز۔

ابو البختری کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کھجوروں کی بیع کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ کھائی جانے یا کھلائی جانے کے قابل اور وزن کے لائق ہو جائیں، میں نے پوچھا وزن کے لائق ہونے کا کیا مطلب ہے تو ان کے پاس (بیٹھا ہوا) ایک شخص بولا تاوقتیکہ وہ کاٹ کر محفوظ رکھنے کے لائق ہو جائیں۔

۳۷۶۳- وحدثنی ابو کریب محمد بن العلاء قال نا محمد بن فضیل عن ابیہ عن ابن ابی نعم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبتاعوا الثمار حتی یبدو صلاحہا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو۔

ظہور صلاحیت کی تفسیر میں اختلاف فقہاء

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت کا معنی یہ ہے کہ پھل اتنی مقدار کے ہو جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو جائیں اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کا معنی پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آجانا ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۸۹ مطبوعہ سکھر، ایضاً (مبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۶) ایضاً (بنایہ ج ۳ ص ۳۰) ایضاً (رد المحتار ج ۴ ص ۵۲ مطبوعہ استنبول) بعض معاصرین نے جو مدعی حنفیت ہیں ظہور صلاحیت کا معنی بیان کرتے ہوئے شافعیوں کی تفسیر لکھ دی ہے لکھتے ہیں: بدو الصلاح کا معنی یہ ہے کہ پھل کی ترشی اور سختی جاتی رہے اور اس میں مٹھاس اور نرمی آجائے۔ [1]

[1] مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری، ج ۳ ص ۴۳۵ مطبوعہ فیصل آباد

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع کی تین صورتیں ہیں:

(۱) - کوئی شخص درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کرے اور درختوں پر پھلوں کے لگے رہنے کی شرط لگائے یہ بیع بالاجماع باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے بائع اور مشتری دونوں کو منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم) اور نہی منہی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے۔

(۲) - کوئی شخص پھلوں کی بیع اس شرط کے ساتھ کرے کہ ان پھلوں کو فوراً توڑ لیا جائے گا، یہ بیع بالاجماع صحیح ہے کیونکہ بیع سے ممانعت اس وجہ سے تھی کہ اگر پھل درخت پر لگے رہے تو ان کے تلف ہونے یا قدرتی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اور جب ان کو فوراً توڑ لیا گیا تو یہ خطرہ نہیں رہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع کیا اور فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے پھلوں کو روک لیا تو تم اپنے بھائی کا مال کس وجہ سے حلال کرو گے (بخاری) اور پھل توڑ لیے جانے کی وجہ سے چونکہ پھل اس آفت سے محفوظ ہو گئے اس لیے یہ بیع جائز ہے۔

(۳) - خریدار پھلوں کی مطلقاً بیع کرے، پھلوں کو توڑنے کی شرط لگائے نہ درخت پر باقی رکھنے کی، امام احمد بن حنبل، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ بیع باطل ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ عقد کو مطلق رکھنے کا یہ تقاضا ہے کہ پھلوں کو توڑ لیا جائے اور جس طرح پھلوں کو توڑنے کی شرط سے بیع جائز ہے اسی طرح یہ مطلق عقد بھی جائز ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے بیع سے مطلقاً منع فرمایا ہے اور ممانعت کی صورت محل نزاع کو بھی شامل ہے۔[1]

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اسی طرح پھلوں کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اگر یہ شرط لگائی جائے کہ پھلوں کو درختوں پر رہنے دیا جائے گا اور توڑا نہیں جائے گا تب بھی اس بیع کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے ان کو توڑ لینے کی شرط کے ساتھ ان کی بیع جائز ہے، اسی طرح اس میں بھی اتفاق ہے کہ صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد پھلوں کی بیع جائز ہے لیکن ظہور صلاحیت کا معنی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پھل قدرتی آفات اور فساد سے محفوظ ہو جائیں (مثلاً بور بننے کا مرحلہ گذر جائے اور پھل اپنی ہیئت اختیار کر لیں) اور امام شافعی کے نزدیک ظہور صلاحیت کا معنی یہ ہے کہ پھل پک جائیں اور ان میں مٹھاس آجائے اور ظہور صلاحیت سے پہلے بیع کے جواز میں اختلاف، ظہور صلاحیت کے معنی میں اختلاف پر مبنی ہے، یعنی ظہور صلاحیت سے پہلے ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک

---

[1] - علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰، المغنی ج ۴ ص ۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

پھلوں کی بیع مطلقاً (بغیر توڑنے کی شرط کے) کرنا جائز نہیں ہے اور ہمارے نزدیک جائز ہے، البتہ اگر اس حال میں ہوں کہ ان سے کھانے میں بالکل فائدہ نہ اٹھایا جاسکے نہ ہی اس کو جانور کھا سکیں تو اس میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، قاضی خاں نے کہا ہے کہ ہمارے عام مشائخ اس کو ناجائز کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ ایسا مال ہے جس سے مستقبل میں فائدہ ہوسکتا ہے اگرچہ فی الحال اس سے فائدہ حاصل نہیں ہے ایسی صورت میں یعنی جب پھلوں کی صلاحیت ظاہر نہ ہو تو توڑنے کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے اور مطلقاً بھی بیع جائز ہے اور خریدار پر واجب ہے کہ فوراً پھلوں کو درختوں سے کاٹ لے اور اگر اس نے اس شرط کے ساتھ بیع کی ہے کہ پھلوں کو درخت پر چھوڑا جائے گا تو اگر پھل اپنی انتہائی مقدار تک نہیں پہنچے (یعنی پکے ہیں) تو سب کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے اور اگر پھل اپنی انتہائی مقدار تک پہنچ چکے ہیں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک پھر بھی یہ بیع ناجائز ہے اور یہی قیاس ہے، البتہ امام محمد اس بیع کو استحساناً جائز کہتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور امام طحاوی نے بھی اسی قول کو عموم بلویٰ کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ امام ابویوسف نے ان دونوں صورتوں میں عدم جواز کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور وہ غیر کی ملکیت میں تصرف ہے اور اگر اس کی اجرت دی جائے تو یہ بیع در بیع ہے۔[1]

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع کے جواز میں فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف کے نزدیک ظہور صلاحیت سے پہلے درخت پر پھلوں کی مطلقاً (یعنی کاٹ لینے کی شرط کے بغیر) بیع کرنا جائز ہے۔ فقہاء احناف نے اپنے موقف پر حسب ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من باع نخلا قد ابرت فثمرها للبائع الا ان يشترط المبتاع۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے پیوند لگے ہوئے کھجور کے درخت کو بیچا اس کے پھل بائع کے ہیں الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگا لے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ پیوند کاری ظہور صلاحیت سے پہلے کی جاتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیوند کاری کے متصل بعد بیع کی اجازت دی ہے اس صورت میں بیع کی یہ اجازت ظہور صلاحیت سے پہلے ہوگی، اگر یہ شبہ ہو کہ یہ بیع تو درخت کے تابع ہے جس سے یہ ثابت ہوگا کہ جو پھل درخت کے تابع ہوں ان کی بیع ظہور صلاحیت سے پہلے بھی ہوسکتی ہے اس سے علیحدہ پھلوں کی بیع کا جواز لازم نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جس متصل چیز کی بیع شرط کے ساتھ ہو اس کی بیع علیحدہ بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے بکری کا بچہ بکری کی بیع میں بغیر شرط

۱؎ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۸۹ - ۴۸۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲؎ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

کے داخل نہیں ہوتا اور بکری کے بچے کی علیحدہ بیع ہی ہو سکتی ہے

فقہاء احناف کی دوسری دلیل امام مالک کی حسب ذیل روایت ہے:

عن عمرة بنت عبد الرحمن تقول ابتاع رجل ثمر حائط فی زمان رسول الله صلی الله علیہ وسلم فعالجہ وقام فیہ حتی تبین لہ النقصان فسأل رب الحائط ان یضع لہ او ان یقیلہ فحلف ان لا یفعل فذھبت ام المشتری الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم فذکرت ذلك لہ فقال رسول الله صلی الله علیہ وسلم تالی ان لا یفعل خیرا فسمع بذلك رب الحائط فاتی رسول الله صلی الله علیہ وسلم فقال یا رسول الله ھو لہ [1]

عمرہ بنت عبد الرحمان بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک باغ کے پھل خریدے، پھر اس نے ان پھلوں پر کام کیا اور ان کے تیار ہونے تک ٹھہرا رہا حتیٰ کہ اسے پتہ چلا کہ اسے اس سودے میں نقصان ہوا ہے پھر اس نے باغ کے مالک سے کہا یا تو قیمت میں کمی کرے یا اپنے پھل واپس لے لے۔ باغ کے مالک نے قسم کھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ خریدار کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے خیر نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، باغ کے مالک نے یہ سن لیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ یہ (قیمت میں کمی یا سودے کی واپسی) اس کے لیے ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ پھل تیار ہونے سے پہلے فروخت کیے گئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع کو مقرر رکھا، اگر یہ بیع ناجائز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم باغ کو اقالہ یا صلح پر نہ برانگیختہ کرتے، بلکہ تقاضاً اس بیع کو فسخ فرما دیتے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس حدیث کو کتاب الصلح میں ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں دلیلیں علامہ ابن ہمام نے فقہاء احناف کے موقف پر قائم کی ہیں [2]

ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع کے عدم جواز میں ائمہ ثلاثہ کی حدیث کا جواب۔

ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے بیع سے منع فرمایا ہے۔ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اس صورت پر محمول ہے جب خریدار پھلوں کو درخت پر برقرار رکھنے کی شرط لگائے اور ہم اس پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن ہمام کی بیان کردہ صورت ثانیہ سے ظاہر ہے، رہا یہ سوال کہ حدیث میں تو عموم ہے خواہ خریدار درخت پر برقرار رکھنے کی شرط لگائے یا نہ لگائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عموم پر ائمہ ثلاثہ بھی

[1] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۵۰۵ - ۵۰۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۰۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

عمل نہیں کرتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب خریدار کاٹنے کی شرط لگائے تو ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع جائز ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ کی بیان کردہ دوسری اور علامہ ابن ہمام کی بیان کردہ تیسری صورت سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جب خریدار کاٹنے کی شرط نہ لگائے اور فقہاء احناف نے اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جب خریدار کاٹنے کی شرط لگائے گویا اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے۔

باغات کے پھلوں کی مروجہ بیع کا شرعی حکم

ہمارے زمانے کے اکثر اسلامی شہروں میں باغات کے پھلوں کی بیع کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع کی جاتی ہے اور پھلوں کو درختوں سے توڑ کر بیع نہیں کرتے، اور کبھی ان پھلوں کی صلاحیت کے ظہور (پکنے کے آثار) سے پہلے بیع ہوتی ہے اور زیادہ تر بیع اس وقت ہوتی ہے جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور صرف ان کا بور ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اس کے بھی ظہور سے پہلے بیع ہو جاتی ہے، پھلوں کی بیع کی یہ تمام مروجہ صورتیں باطل ہیں کیونکہ حدیث میں ہے: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها، نهى البائع والمبتاع۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، آپ نے خریدار اور بائع دونوں کو منع فرمایا ہے۔ نیز پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے عدم جواز پر تمام فقہاء کا اجماع ہے جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے پہلی صورت میں ذکر کیا ہے اور حدیث میں بھی معدوم کی بیع کی ممانعت ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع کے بطلان کی ایک وجہ پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خریدار ان پھلوں کو ایک معینہ عرصہ تک درختوں پر برقرار رکھتا ہے اور اگر خریدار پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کی شرط سے بیع کرے تو یہ بیع بھی بالاجماع باطل ہے جیسا کہ علامہ ابن قدامہ اور علامہ ابن ہمام کے حوالوں سے گذر چکا ہے۔ لیکن آج کل تقریباً تمام دنیا میں پھلوں کی بیع کا یہی طریقہ ہے اور اسلامی احکام سے جہالت کے غلبہ کی وجہ سے لوگ ایک مدت دراز سے اس معمول کے عادی ہو گئے ہیں اور اگر عدم جواز کے اس حکم کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو آج دنیا میں کسی جگہ کوئی پھل کھانا جائز نہیں ہوگا الا یہ کہ کوئی شخص اپنے باغ سے خود پھل توڑ کر کھائے۔ اس مشکل سے نجات کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان تاجروں کو اسلامی طریقہ سے باغات کے پھلوں کی بیع پر مجبور کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باغات کے پھلوں کی مروجہ بیع میں جواز کا پہلو تلاش کیا جائے۔ الحمد للہ ہمارے فقہاء نے غور و فکر کر کے ایسی فقہی صورتیں بیان کر دی ہیں جن کی رو سے پھلوں کی مروجہ بیع جائز ہو جاتی ہے۔ پہلے ہم پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کا حل ذکر کریں گے اور اس کے بعد ایک معین عرصہ تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل بیان کریں گے، و باللہ التوفیق:

پھلوں کے ظہور سے پہلے بیع کا حل

باغ کے پھلوں کے ظہور سے پہلے ان کی بیع کے جواز کے حل کی متعدد صورتیں عبارات فقہاء سے واضح ہوتی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ وہ ظہور سے پہلے پھلوں کو خریدے اور ایک مدت معینہ تک کے لیے باغ کی زمین کو کرایہ پر لے لے پھر پھلوں کے آثار نے تک جو زمین سے افزائش اور روئیدگی ہوگی وہ کرایہ کا عوض اور اس کا جائز حق ہوگا۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

ان ھنالك لو استأجر الارض مدة معلومة یجوز۔ [۱] اس صورت میں اگر وہ مدت معلومہ کے لیے زمین کو کرایہ پر لے لے تو جائز ہے۔

ہر چند کہ یہ حل بالکل صاف اور بے غبار ہے اور اس پر آسانی سے عمل ہو سکتا ہے لیکن تمام دنیا کے تاجروں کو یک لخت اس حل کی طرف لوٹا دینا عملاً مشکل ہے۔

دوسرا حل یہ ہے کہ اگر بعض پھلوں کے بور کا ظہور ہو گیا ہو اور بعض یا اکثر کا ظہور نہ ہوا ہو تو جن کا ظہور ہو گیا ہے ان کو اصل قرار دیا جائے اور جن کا ظہور نہیں ہوا ان کو تابع قرار دیا جائے۔ یہ امام مالک، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حلوانی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک جائز ہے اگرچہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

اذا صار بعض الثمار منتفعا به ولم یخرج البعض بعد او لم یصر منتفعا به ولم یخرج البعض او لم یصر منتفعا به کالتین ونحوہ فاشتری الکل فظاهر المذهب ان هذا العقد لا یجوز عندنا خلافا لمالك (الی قوله) قال رضی الله عنه وکان شیخنا الامام شمس الائمة یفتی بجواز هذا البیع فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیر ذلك وهكذا حکی عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل قال اجعل الموجود اصلا فی العقد وما یحدث بعد ذلك تبعا قال استحسن فیه لتعامل الناس فانهم تعاملوا بیع ثمار الکرم بهذه الصفة ولهم فی ذلك عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج بین قال وقد رأیت روایة فی هذا عن محمد وهو فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق ثم جوز البیع فی الکل مطلقا بهذا الطریق۔ [۲]

جب بعض پھل لائق نفع ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا بعض لائق نفع نہ ہوں اور بعض ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں یا قابل نفع نہ ہوں مثلاً تنکوں کی طرح ہوں (یا بور کی حالت میں ہوں) اور خریدار سب کو خریدے تو ظاہر مذہب میں یہ عقد باطل ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے، امام سرخسی فرماتے ہیں ہمارے استاذ شمس الائمہ (حلوانی) پھلوں، بیگن اور خربوزوں وغیرہ میں اس بیع کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، امام محمد بن فضل سے بھی یہ فتویٰ منقول ہے۔ انھوں نے کہا میں اس عقد میں موجود کو اصل اور جو بعد میں پیدا ہوں ان کو تابع قرار دیتا ہوں، انھوں نے کہا میرے نزدیک یہ بیع مستحسن ہے کیونکہ اس پر لوگوں کا تعامل ہے کیونکہ وہ انگوروں کو اسی طرح فروخت کرتے ہیں اور ان کی اس بیع میں عادت معروف ہے اور لوگوں سے ان کی عادات چھڑانے میں بہت حرج ہے۔ امام محمد بن فضل نے کہا میں نے اس مسئلہ میں امام محمد کی ایک روایت بھی دیکھی اور درختوں پر گلاب کے پھولوں کی بیع ہے کیونکہ پھول بعد میں بھی آتے ہیں، پھر انھوں نے تمام چیزوں میں اس طریقہ سے مطلقاً بیع کو جائز قرار دیا۔

---

[۱] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ھ

[۲] ″ ″ ″ ″ ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۷، ″

علامہ سرخسی نے متعدد مستند فقہاء کے حوالوں سے پھلوں کی بیع کی جو یہ صورت ذکر کی ہے یہ باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع پر مکمل صادق آتی ہے اور بیع کی اس صورت کے جواز سے مسلمانوں سے حرج عظیم دور ہو جاتا ہے ورنہ کسی مسلمان کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہیں ہوگا، علامہ سرخسی کی اس عبارت کو تلخیص کے ساتھ علامہ ابن ہمام[1]، علامہ ابن نجیم[2] اور علامہ حصکفی[3] نے بھی نقل کر کے بطور حل کے پیش کیا ہے۔

تیسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر جس قدر بھی بور یا پھل ہوں ان کو خریدار خرید لے اور اس کے بعد فصل تک جس قدر بھی پھل آئیں ان سب کو باغ کا مالک خریدار پر حلال کر دے۔ اور فی الواقع باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع اسی طرح ہوتی ہے خریدار موجود پھل (خواہ وہ جس حال میں بھی ہوں) خرید لیتا ہے اور باغ کا مالک فصل تک پیدا ہونے والے پھل اس کے لیے حلال کر دیتا ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

او یشتری الموجود بجمیع الثمن ویحل له البائع ان ینتفع بما یحدث فیحصل مقصودهما بهذا الطریق۔[4]

یا خریدار موجود پھلوں کو پوری قیمت سے خرید لے اور بائع اس کے لیے بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کا لینا حلال کر دے۔ اس طریقہ سے دونوں کا مقصود حل ہو جائے گا۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

فی ثمار الاشجار یشتری الموجود ویحل له البائع ما یوجد۔[5]

درختوں کے پھلوں میں جو موجود ہوں ان کو خرید لے اور (فصل تک) بعد میں پیدا ہونے والے پھلوں کو بائع مشتری کے لیے حلال کر دے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی نے بھی اس حل کا ذکر کیا ہے۔[6]

یہ تینوں حل اس صورت میں ہیں جب باغ کے درختوں میں سے کسی ایک پر بھی کم از کم بور لگ گیا ہو لیکن ہمارے ہاں عموماً اس وقت باغ کے پھلوں کی بیع ہوتی ہے جب باغ کے کسی ایک درخت پر بھی بور تک نہیں ہوتا یا چند درختوں پر بور آیا ہوا ہوتا ہے اس صورت میں صرف یہ حل ہے کہ اس بیع کو حکماً بیع سلم قرار دیا جائے اس لحاظ سے یہ بیع جائز ہو جائے گی اور پھلوں کا کھانا جائز ہو جائے گا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

قلت لکن لا یخفی تحقق الضرورة فی

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں ضرورت کا

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

[3] علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۵۲-۵۳، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[4] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۹۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[5] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[6] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

زماننا ولا سيما في مثل دمشق الشام كثيرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن الزامهم بالتخلص باحد الطرق المذكورة وان امكن ذلك بالنسبة الى بعض افراد الناس لا يمكن بالنسبة الى عامتهم وفي نزعهم عن عاداتهم حرج كما علمت ويلزم تحريم اكل الثمار في هذه البلدان اذ لا تباع الا كذلك والنبي صلى الله عليه وسلم انما رخص في السلم للضرورة مع انه بيع المعدوم فحيث تحققت الضرورة هنا ايضا امكن الحاقه بالسلم بطريق الدلالة فلم يكن مصادما للنص فلذا جعلوه من الاستحسان لان القياس عدم الجواز [1]

متحقق ہونا مخفی نہیں ہے۔ خاص طور پر دمشق میں جہاں پھلوں کے درخت اور پھل بہت زیادہ ہیں اور چونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے اس لیے شرعی حل پر ان سے عمل کرانا (مثلاً زمین کرایہ پر لینا) ناممکن ہے ہر چند کہ انفرادی طور پر بعض لوگوں سے اس پر عمل کرانا ممکن ہے لیکن دنیا کے تمام لوگوں سے اس پر عمل کرانا، ناممکن ہے، اور لوگوں سے ان کی عادات چھڑانے میں بہت حرج ہے۔ اور اس صورت میں جن شہروں میں صرف اس طرح پھلوں کی بیع ہوتی ہے یہ لازم آئے گا کہ پھلوں کا کھانا حرام ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع سلم کی رخصت ضرورت کی بناء پر دی ہے۔ حالانکہ وہ بیع المعدوم ہے پس چونکہ یہاں بھی ضرورت متحقق ہے اس لیے اس بیع کا بیع سلم کے ساتھ دلالت کے طریقہ سے لاحق کرنا ممکن ہے پس یہ بیع حدیث (لا یبیع احد ما لیس عندہ "کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے") کے مخالف نہ رہی اس لیے اس بیع کو استحساناً جائز کیا ہے کیونکہ قیاس ظاہر کا تقاضا عدم جواز ہے۔

باغ کے پھلوں کی مروجہ بیع میں پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھنے کا حل

تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پھل خریدنے کے بعد ان کا درخت سے اتارنا واجب ہے اور اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ وہ پکنے تک پھلوں کو درختوں پر برقرار رکھے گا تو اس کی یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ سودا در سودا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے یا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ بیع میں ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع کیا ہے۔ (طبرانی) باغ کے پھلوں کی بیع میں ایک خاص وقت تک پھل درخت پر رہنے دیے جاتے ہیں لہٰذا اس وجہ سے بھی اس بیع میں اشکال پیدا ہو گیا۔

اس اشکال کا ایک حل یہ ہے کہ بیع بغیر شرط ترک کے کی جائے اور پھر اگر بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دینے کی اجازت دے دے تو جائز ہے اور چونکہ عرف یہ ہے کہ بیع میں یہ شرط نہیں لگائی جاتی اور ایک مدت معینہ تک پھلوں کے درختوں پر برقرار رہنے پر بائع کو اعتراض نہیں ہوتا اس لیے یہاں حکماً بائع کی اجازت حاصل ہے۔

[1] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۵۳ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

علامہ ابوالحسن مرغینانی فرماتے ہیں:

ولو اشتراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الفضل۔[۱]

اگر خریدار نے پھلوں کی مطلقاً بیع کی اور بائع کی اجازت سے ان کو درختوں پر چھوڑ دیا تو اس سے جو زائد پھلوں کی پیداوار ہوگی وہ خریدار کے لیے حلال و طیب ہے۔

اس اشکال کا دوسرا حل یہ ہے کہ درختوں پر پھلوں کے باقی رکھنے کے عدم جواز کا سوال اس وقت پیدا ہوگا جب بیع کے وقت درختوں پر پھل یا پھلوں کا بور موجود ہو اور ان کی بیع پہلے مذکور دو طریقوں سے کی جائے لیکن اگر بیع کے وقت بور یا کوئی چیز موجود نہ ہو اور مروجہ بیع ایسے ہی ہوتی ہے تو یہ علامہ شامی کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق بیع سلم ہے جو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اور اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب مروجہ طریقہ کے مطابق بیع جائز قرار پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کو مت فروخت کرو" کا کیا محل ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اطلاق مواضع ضرورت کے ماسوا مواقع پر ہوگا اور مواضع ضرورت، ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسری حدیث سے تعارض ہے اور وہ ہے "لایبیع احد مالیس عندہ" "کوئی شخص وہ چیز فروخت نہ کرے جو اس کے پاس نہیں ہے"[۲] اور معدوم کی بیع مواضع ضرورت کے ماسوا میں ناجائز ہے اور جس طرح بیع سلم ضرورت کی بنا پر جائز ہے، اسی طرح پھلوں کی مروجہ بیع بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے فقہاء پر رحمتیں نازل فرمائے انھوں نے ایسی جزئیات بیان کر دی ہیں جس سے مروجہ بیع جائز ہوگئی اور بازار میں بکنے والے پھلوں کا کھانا جائز ہوگیا ورنہ کسی شخص کے لیے بازار سے پھل خرید کر کھانا جائز نہ ہوتا۔ وللہ الحمد۔

۴۹۹- بَابُ تَحْرِيمِ بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ إِلَّا فِي الْعَرَايَا

کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع کی ممانعت اور عرایا کا جواز

۳۷۶۳- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ اَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لَهُمَا قَالَا نَا سُفْيَانُ قَالَ نَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا اور تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں (چھواروں) کے عوض بیع سے منع فرمایا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی بیع کی

---

[۱] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۲۰، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

[۲] حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ

نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ فِيْ رِوَايَتِهٖ اَنْ تُبَاعَ۔

اجازت دی اور ابن نمیر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ عرایا کو بیچنے کی اجازت دی۔

۳۷۶۵- وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَا اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَاَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَحَدَّثَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ سَوَآءً۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہور صلاحیت سے پہلے پھل کو مت بیچو اور تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض مت فروخت کرو۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے۔

۳۷۶۶- وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا حُجَيْنٌ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ يُّبَاعَ ثَمَرُ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يُّبَاعَ الزَّرْعُ بِالْقَمْحِ وَاسْتِكْرَآءُ الْاَرْضِ بِالْقَمْحِ قَالَ وَاَخْبَرَنِيْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهٗ

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا، مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض فروخت کیا جائے اور محاقلہ یہ ہے کہ کھیت کی کھڑی فصل کو اناج کے بدلے میں فروخت کیا جائے (یعنی گندم کے خوشوں کو گندم کے عوض) اور گندم کے بدلے میں زمین کرایہ پر لینے سے آپ نے منع فرمایا ہے اور سالم بن عبداللہ بن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع مت کرو اور تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض مت فروخت کرو اور سالم نے کہا مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے

وَلَا تَبْتَاعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ وَقَالَ سَالِمٌ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِالرُّطَبِ أَوْ بِالتَّمْرِ وَلَمْ يُرَخِّصْ فِي غَيْرِ ذٰلِكَ۔

یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں "تازہ کھجوروں کی خشک کھجوروں کے ساتھ بیع کی اجازت دی اور عرایا کے علاوہ اور کسی صورت میں اجازت نہیں دی۔

۳۷۶۷ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَبِيعَهَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب عرایا کو اندازے سے خشک کھجوروں کے عوض "تازہ کھجوروں کی بیع کی اجازت دی ہے۔

۳۷۶۸ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يُحَدِّثُ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں یہ اجازت دی ہے کہ گھر والے اندازے کے ساتھ خشک کھجوریں دیں اور تازہ کھجوریں کھائیں۔

۳۷۶۹ - وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے

۳۷۷۰ - وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَالْعَرِيَّةُ النَّخْلَةُ تُجْعَلُ لِلْقَوْمِ فَيَبِيعُونَهَا بِخَرْصِهَا تَمْرًا۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اس طرح ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ عریہ کھجور کا وہ درخت ہے جو (نادار) لوگوں کو دیا جائے پھر اندازے سے اس کے پھلوں کو خشک کھجوروں کے بدلے میں خرید لیا جائے

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۷۷۱- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا قَالَ يَحْيَى الْعَرِيَّةُ أَنْ يَشْتَرِيَ الرَّجُلُ ثَمَرَ النَّخَلَاتِ لِطَعَامِ أَهْلِهِ رُطَبًا بِخَرْصِهَا تَمْرًا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریہ میں اندازے سے چھواروں کی بیع کی اجازت دی، یحیی نے کہا عریہ کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے اندازے سے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلہ میں خریدے۔

۳۷۷۲- وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا عُبَيْدُ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں ناپ کے اندازے سے بیع کی اجازت دی ہے۔

۳۷۷۳- وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ أَنْ تُؤْخَذَ بِخَرْصِهَا۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح مروی ہے۔

۳۷۷۴- وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيهِ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا۔

ایک اور سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں اندازے سے بیع کی اجازت دی ہے۔

۳۷۷۵- وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى وَهُوَ ابْنُ سَعِيدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ مِنْهُمْ

بشیر بن یسار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بعض صحابہ سے روایت کرتے ہیں جو ان کے گھر میں رہتے تھے، ان میں سے حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ ہیں جو یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے

سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ وَقَالَ ذٰلِكَ الرِّبَا تِلْكَ الْمُزَابَنَةُ إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ النَّخْلَةِ وَالنَّخْلَتَيْنِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُوْنَهَا رُطَبًا۔

منع کیا ہے اور فرمایا کہ یہی سود ہے اور یہی مزابنہ ہے البتہ آپ نے بیع عریہ میں اجازت دی ہے کہ ایک کھجور کے درخت یا دو درختوں (کی کھجوروں) کو گھر والے چھوارے دے کر خرید لیں۔

۳۷۷۶۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ قَالُوْا رَخَّصَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا۔

سعید بن بشیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ میں اندازے سے چھواروں کی بیع کی اجازت دی ہے

۳۷۷۷۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنًّى وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيْعًا عَنِ الثَّقَفِيِّ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ دَارِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى غَيْرَ أَنَّ إِسْحَاقَ وَابْنَ مُثَنًّى جَعَلَا مَكَانَ الرِّبَا الزَّبْنَ وَقَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ الرِّبَا۔

سعید بن بشیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ان اصحاب سے روایت کرتے ہیں جو ان کے گھر میں رہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پھر حسب سابق حدیث ذکر کی البتہ اسحاق اور ابن مثنیٰ کی روایت میں ربا کی جگہ مزابنہ کا ذکر ہے اور ابن ابی عمر کی روایت میں ربوٰ کا ذکر ہے۔

۳۷۷۸۔ وَحَدَّثَنَاهُ عَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

ایک اور سند سے امام مسلم نے حضرت سہل بن ابی حثمہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت ذکر کی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

۳۷۷۹۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَحَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ قَالَا نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ وَسَهْلَ ابْنَ أَبِي حَثْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ إِلَّا أَصْحَابَ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ یعنی کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے منع فرمایا، البتہ اصحاب عرایا کو اس بیع کی اجازت دی۔

۳۷۸۰۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا مَالِكٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةٍ يَشُكُّ دَاوُدُ قَالَ خَمْسَةٍ أَوْ دُونَ خَمْسَةٍ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا میں اندازے کے ساتھ بیع کی اجازت دی ہے جبکہ یہ بیع پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق ہو، راوی کو شک ہے۔

۳۷۸۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو ناپ کے ساتھ خشک کھجوروں کے بدلہ میں فروخت کرنا یا انگوروں کو ناپ کے ساتھ کشمش کے بدلہ میں فروخت کرنا۔

۳۷۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا نَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع

مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ ثَمَرِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الْعِنَبِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا وَبَيْعُ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ كَيْلًا۔

فرمایا ہے۔ بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض ناپ سے بیچنا، اسی طرح انگوروں کو کشمش کے ساتھ ناپ سے بیچنا اور ایسے ہی اندازے سے گندم کے کھیت کو گندم کے بدلہ میں فروخت کرنا۔

۳۷۸۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

۳۷۸۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَحُسَيْنُ بْنُ عِيسٰى قَالُوْا نَا أَبُوْ أُسَامَةَ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ ثَمَرِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَبَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْعِنَبِ كَيْلًا وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ بِخَرْصِهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض ناپ سے بیچا جائے اور انگور کو ناپ کے کشمش کے عوض، اور ہر پھل کو اندازے سے بیچا جائے۔

۳۷۸۵۔ وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ أَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ تُبَاعَ مَا فِي رُءُوْسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى إِنْ زَادَ فَلِيْ وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو معروف ناپ سے چھواروں کے عوض فروخت کیا جائے بایں طور کہ اگر زیادہ ہوں تو اس کا نفع میرا ہے اور اگر کم ہوئیں تو اس کا نقصان بھی مجھ پر ہے۔

۳۷۸۶۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو الرَّبِيْعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ قَالَ نَا أَيُّوْبُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۷۸۷ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ اَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ اِنْ كَانَتْ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا وَّ اِنْ كَانَ كَرْمًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا وَّاِنْ كَانَ زَرْعًا اَنْ يَّبِيْعَهٗ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَفِيْ رِوَايَةِ قُتَيْبَةَ اَوْ كَانَ زَرْعًا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ کی تعریف یہ ہے کہ اگر اس کے باغ کے پھل کھجوریں ہوں تو ان کو چھواروں کے عوض ناپ کر اور اگر انگور ہوں تو ان کو کشمش کے عوض ناپ کر اور اگر اس کا کھیت ہو تو اس کو اناج کے عوض ناپ کر فروخت کیا جائے، آپ نے ان تمام بیوع سے منع فرمایا۔ قتیبہ کی روایت میں او کان زرعا کے الفاظ ہیں۔

۳۷۸۸ - وَحَدَّثَنِيْهِ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ قَالَ اَخْبَرَنِي الضَّحَّاكُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْهِ سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى ابْنُ عُقْبَةَ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيْثِهِمْ۔

نافع نے اسی سند کے ساتھ ایسی ہی روایت بیان کی ہے۔

عرایا کا لغوی معنی

علامہ نووی لکھتے ہیں: عَرَایا، عَرِيَّة کی جمع ہے جیسے مَطَایا، مَطِيَّة کی جمع ہے اور ضَحَایا ضَحِيَّة کی جمع ہے، عَرِيَّة، تعرّی سے ماخوذ ہے جس کا معنی تجرد اور خالی ہونا ہے، کیونکہ عَرِيَّة کا حکم باغ کے باقی احکام سے مجرد اور خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو عَرِيَّة کہتے ہیں۔ جمہور کا مختار یہ ہے کہ یہ فعیلۃ کے وزن اور فاعلۃ کے معنی میں ہے، اور ہروی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ فعیلۃ کا وزن ہے اور مفعولۃ کے معنی میں ہے اور یہ عراہ یعرو ہ سے ماخوذ ہے اور یہ آنے جانے والے شخص کے لیے کہا جاتا ہے کیونکہ عریۃ والا باغ والے کے پاس بار بار آتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اس کا حکم باغ کے باقی احکام سے الگ کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اس کو عریۃ کہتے ہیں۔[1]

---

[1] علامہ یحیی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ ھ

عرایا کی تفسیر میں فقہاء کا اختلاف

اس باب کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی خشک پھلوں کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے لیکن عرایا کی اجازت دی ہے، اس لیے عرایا کو سمجھنا ضروری ہے، عرایا کی تفسیر میں ائمہ مجتہدین کے حسب ذیل اقوال ہیں:

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: عرایا یہ ہے کہ باغ والا کھجور کے درخت پر پھلوں کا اندازہ لگائے اور یہ کہے کہ یہ کھجوریں خشک ہوکر مثلاً تین وسق ہوں گی اور پھر ان کھجوروں کو تین وسق چھواروں کے عوض فروخت کر دے اور اسی مجلس میں فریقین قبضہ کرلیں، خریدار چھوارے دے دے اور بائع تازہ کھجوریں آنے دے۔ یہ بیع پانچ وسق سے کم میں جائز ہے اور پانچ وسق سے زیادہ میں ناجائز ہے اور پانچ وسق میں امام شافعی کے دو قول ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔[۱]

علامہ خرقی حنبلی لکھتے ہیں: جن عرایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کھجور کے اتنے درخت ہبہ کیے جائیں جس میں پانچ وسق سے کم کھجوریں ہوں پھر ان کھجوروں کو چھواروں کے عوض فروخت کردیا جائے تاکہ تازہ کھجوریں کھائی جاسکیں۔[۲]

قاضی ابوالولید ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: اس کی اصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے باغ سے کسی کو کھجوریں ہبہ کرتا ہے پھر ہبہ کیے جانے والے شخص کا باغ میں بار بار آنا اس پر گراں گزرتا ہے تو اس کے لیے یہ مباح کیا گیا ہے کہ وہ درخت کی کھجوروں کا اندازہ کرکے اس سے چھواروں کے بدلے میں وہ کھجوریں کٹائی کے وقت خرید لے۔[۳]

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے بیع عریہ میں فرمایا اگر صاحب عریہ کا کسی شخص کے باغ میں کھجور کا درخت ہو اور وہ پھل دے اور درخت کا مالک اس کے پھل کو کھجوروں کے عوض، میعاد مقرر پر یا فی الحال یا کٹائی تک باغ والے کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ ہاں اگر درخت کے مالک نے اس درخت کی کھجوریں کسی شخص کو بطور صلہ دی ہوں پھر ان کھجوروں کے بدلے میں اندازے سے کٹائی کے وقت یا میعاد مقرر پر چھوارے دے دے تو مناسب ہے۔[۴]

خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بیع عرایا ہدیہ اور ہبہ کی قسم ہے اور اس پر بیع کا اطلاق محض صورۃً ہے اور یہ صرف پانچ وسق سے کم میں ہوسکتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ حقیقۃً بیع ہے اور بیع مزابنہ ہے اور صرف پانچ وسق یا اس سے کم میں جائز ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں ہے اور یہ ہبہ کی شکل میں جائز ہے اور اس پر بیع کا اطلاق محض صورۃً ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور امام مالک کا نظریہ ہے، امام ابوحنیفہ کی تفسیر امام شافعی کے مقابلہ میں اس لیے راجح ہے کہ لغت میں بھی عریہ کا معنی ہبہ ہے۔

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ علامہ ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ بن احمد الخرقی حنبلی متوفی ۳۳۴ھ مختصر الخرقی مع المغنی ج ۴ ص ۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۔ قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۴ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت
۴۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۴۹-۵۴۷، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: واعرا النخلۃ: وھب لہ ثمرۃ عامھا " کھجور کا درخت عریۃ دیا یعنی اس سال کے پھل اس کو ہبہ کر دیے۔ [1]

نوٹ : ایک وسق ۲۵۵ کلوگرام کے برابر ہے۔

احناف کی بیان کردہ عرایا کی تفسیر پر فقہاء شافعیہ کے اعتراضات کے جوابات

امام ابوحنیفہ نے عرایا کی جو تفسیر کی ہے اس پر فقہاء شافعیہ نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اگر عرایا ہبہ کی تبدیلی کا نام ہے تو یہ تو ہر وقت جائز ہے پھر عرایا میں رخصت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ رخصت کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ معاملہ عرایا کے ماسوا میں جائز نہیں ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے رخصت دی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہبہ کو تبدیل کرنا وعدہ خلافی کو مستلزم ہے اور یہ مکروہ ہے اور عرایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کی وجہ سے کراہت اٹھ گئی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ عرایا کا بیع مزابنہ سے استثناء کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرایا درحقیقت مزابنہ میں داخل ہے اور فقہاء احناف نے عرایا کی جو تفسیر کی ہے اس کے اعتبار سے یہ مزابنہ میں داخل نہیں ہے، پھر استثناء کس طرح صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ عرایا پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے اور احناف کی تفسیر کے مطابق یہ بیع نہیں ہبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر بیع کا اطلاق صورۃً ہے۔

تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع میں مذاہب فقہاء

اس باب کی حدیث نمبر ۳۷۶۴ اور ۳۷۶۵ میں ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عرایا کے سوا تازہ کھجوروں کی چھواروں کے بدلہ میں بیع کرنا ناجائز ہے نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ انگوروں کی کشمش کے بدلہ میں اور خوشوں میں گندم کی صاف گندم کے بدلہ میں بیع ناجائز ہے خواہ انگور اور تازہ کھجوریں درخت پر ہوں یا درخت سے کاٹی ہوئی ہوں، اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تازہ کھجوریں درخت سے اتاری ہوئی ہوں تو ان کی چھواروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے۔ [2]

تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض بیع کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ کا مناظرہ

امام ابوحنیفہ تازہ کھجوروں کی چھواروں کے بدلہ میں بیع کو جائز قرار دیتے تھے جبکہ یہ بیع برابر برابر اور نقد ہو کیونکہ تازہ کھجور بھی چھوارا ہے اور چھوارے کی چھوارے کے بدلہ میں بیع جائز ہے جبکہ برابر، برابر ہو اور عمدہ اور ردی کا فرق نہیں ہے۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ اہل بغداد، امام ابوحنیفہ کے شدید مخالف تھے جب آپ بغداد گئے تو انھوں نے آپ سے اس مسئلہ میں گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تازہ کھجوریں یا تو چھوارے ہیں یا نہیں اگر چھوارے ہیں تو ان کی نقد بیع برابر برابر از روئے حدیث (التمر بالتمر مثلاً بمثل) جائز ہے، اور اگر تازہ

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور زبیدی مصری متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۵ ص ۴۹ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

کھجوریں چھواروں کی جنس سے نہیں ہیں تب بھی ان کی ایک دوسرے کے بدلہ میں بیع جائز ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے "اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم" "جب دو مختلف قسمیں ہوں تو ان کو جس طرح چاہو فروخت کرو" پھر اہل بغداد نے یہ حدیث پیش کی: عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ زید ابو عیاش نے کہا کہ انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے سوال کیا آیا بیضاء (جو کی ایک قسم) کی سُلت (بغیر چھلکے کا جو) کے بدلہ میں بیع جائز ہے؟ حضرت سعد نے پوچھا ان میں کون سا جو افضل ہے انھوں نے کہا بیضاء، ابو عیاش نے کہا حضرت سعد نے مجھے اس بیع سے منع کیا اور کہا میں نے خود سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا: کیا چھواروں کی تازہ کھجوروں کے بدلہ میں بیع جائز ہے؟ آپ نے پوچھا کیا تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں، صحابہ نے کہا جی! پھر آپ نے اس بیع سے منع فرمادیا۔ امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کے جواب میں فرمایا: اس حدیث کا مدار ابو عیاش پر ہے اور وہ ان راویوں میں سے ہے جس کی روایت مقبول نہیں ہوتی [1] صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ زید بن عیاش ناقلین کے نزدیک مجہول ہے۔ [2]

زید بن عیاش کو مجہول قرار دینے پر اعتراضات

مولانا عبد الحی لکھنوی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور زید مجہول نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ زید کی کنیت ابو عیاش ہے اور اس کے باپ کا نام عیاش ہے یہ مدنی تابعی ہے اور سچا ہے، امام مالک سے منقول ہے کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا آزاد کردہ غلام تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بنو مخزوم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے زید بن عیاش ابو عیاش زرقی اور ایک قول میں مخزومی، حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتا ہے اور اس سے عبد اللہ بن یزید اور عمران بن ابی انس روایت کرتے ہیں، امام ابن حبان نے اس کا ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، امام دار قطنی نے کہا یہ ثقہ راوی ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اہل نقل کا اس پر اجماع ہے کہ امام مالک کی تمام روایات صحیح ہیں خاص طور پر ان کی جو روایات اہل مدینہ سے ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کو اس لیے روایت نہیں کیا کیونکہ ان کو زید کے مجہول ہونے کا خدشہ تھا اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ زید بن عیاش' ابو عیاش زرقی مدنی کی روایت میں کوئی حرج نہیں، اور ہمارے مشائخ نے امام ابو حنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ زید مجہول ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے زید پر طعن کو رد کر دیا گیا ہے کیونکہ زید ثقہ ہے، امام مالک نے اس سے مؤطا میں روایت کی ہے اور وہ مجہول سے روایت نہیں کرتے۔ منذری نے کہا کہ زید کیسے مجہول ہو سکتا ہے جبکہ اس سے عبد اللہ بن یزید اور عمران بن ابی انس ایسے ثقہ راوی روایت کرتے ہیں اور ان دونوں سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور اس فن کے ائمہ نے اس کی تعریف کی ہے اور امام مالک نے اس کی روایت قبول کی ہے حالانکہ وہ راویوں میں بہت غور و فکر کرتے ہیں۔ علامہ ابن جوزی نے "تحقیق" میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے زید کو مجہول کہا ہے، ہو سکتا ہے امام ابو حنیفہ اس کو نہ جانتے ہوں لیکن ائمہ نقل اس کو جانتے ہیں، غایۃ البیان شرح ہدایہ میں بھی اس کو ثقہ لکھا ہے علامہ عینی نے بنایہ شرح

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۸۴ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان۔

ہدایہ میں لکھا ہے اس کو مجہول کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اہل نقل کے نزدیک ثقہ ہے، تلخیص الحبیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے زید کی جہالت کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے، ان میں امام طحاوی، امام طبری، شیخ ابن حزم، عبدالحق وغیرہ ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ دارقطنی نے کہا کہ یہ ثقہ ہے اور منذری نے کہا اس سے دو ثقہ راوی روایت کرتے ہیں امام مالک نے اس پر اعتماد کیا اور امام ترمذی اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا اور کہا ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے اس پر طعن کیا ہو۔ یہ اقوال ذکر کرنے کے بعد مولانا عبدالحی لکھتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ زید بن عیاش شخصاً مجہول ہے نہ وصفاً۔[ل]

زید بن عیاش کے معروف ہونے کے جوابات

مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوگیا کہ زید بن عیاش کو مجہول قرار دینے میں امام ابوحنیفہ منفرد نہیں ہیں بلکہ بقول حاکم امام بخاری اور امام مسلم نے بھی زید بن عیاش کے مجہول ہونے کے خدشہ سے اس سے روایت نہیں کی، نیز علامہ عسقلانی نے تلخیص میں صراحت کی ہے کہ امام طحاوی، امام طبری، شیخ ابن حزم اور عبدالحق نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اور مولانا عبدالحی نے التعلیق الممجد کے ص ۳۳۱ پر لکھا ہے امام عبداللہ بن مبارک نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اسی طرح مبسوط میں بھی ہے جن لوگوں نے زید بن عیاش سے جہالت دور کی ہے ان کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ اگر یہ مجہول ہوتا تو امام مالک اس سے روایت نہ کرتے، سب سے پہلے امام مالک نے اس کا اعتبار کیا اور بعد کے لوگوں نے امام مالک کی تقلید میں اس کی توثیق کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک میں اصولی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ زید بن عیاش پر جرح کرتے ہیں اور امام مالک اس کی توثیق کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ امام مالک کی تعدیل امام ابوحنیفہ کی جرح کے پائے کی نہیں ہے۔

زید بن عیاش کی روایت کی توجیہ

موطا امام مالک کی اس روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس روایت کا جواب یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کی چھواروں سے بیع کی ممانعت ادھار کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ سنن بیہقی اور سنن ابوداؤد میں جو زید بن عیاش کی روایت ہے اس میں اس ممانعت کو ادھار کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن یحیی بن ابی کثیر ان عبد اللہ ان ابا عیاش اخبرہ انہ سمع سعد بن ابی وقاص یقول نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ۔[ٹ]

یحیی بن ابی کثیر کہتے ہیں انھیں عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ابو عیاش نے خبر دی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کو چھواروں کے عوض ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

یحیی بن ابی کثیر کی روایت پر امام بیہقی کا اعتراض

امام بیہقی نے یحیی بن ابی کثیر کی اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یحیی بن ابی کثیر نے

ل۔ مولانا عبدالحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ، التعلیق الممجد ص ۳۳۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

ٹ۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۹۴ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

امام مالک، اسماعیل بن امیہ، ضحاک بن عثمان، اور اسامہ بن زید کی مخالفت کی ہے جنھوں نے عبداللہ بن یزید سے یہ روایت کی ہے اور اس میں نسیئۃ (ادھار) کا لفظ نہیں ہے لہٰذا یہ حدیث معلول ہے۔

امام بیہقی کے اعتراض کا جواب

امام بیہقی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابو داؤد نے بھی ابو عیاش کی اس روایت کو نسیئۃ کی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے:

اخبرنا عبد الله ان ابا عیاش اخبرہ انہ سمع سعد بن ابی وقاص یقول نھی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ قال ابو داؤد رواہ عمران بن ابی انس عن مولی لبنی مخزوم عن سعد نحوہ۔[1]

عبداللہ کہتے ہیں کہ ابو عیاش نے خبر دی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع سے منع فرمایا ہے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو عمران بن ابی انس نے بنو مخزوم کے مولیٰ (ابو عیاش) سے اور انھوں نے حضرت سعد سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر کی مزید تائید

علامہ ماردینی، امام بیہقی کے اس اعتراض پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ عمران بن انس روایت کرتے ہیں کہ بنو مخزوم کے مولیٰ (ابو عیاش) نے یہ حدیث بیان کی کہ انھوں نے حضرت سعد سے پوچھا کیا کوئی شخص تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع کر سکتا ہے؟ حضرت سعد نے کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہو گیا کہ عمران نے بھی یحییٰ کی موافقت میں نسیئۃ کی زیادتی کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس روایت کی سند (ثنا یونس ثنا ابن وھب اخبرنی عمرو بن الحارث ان بکیر بن عبد الله بن الاشج حدثہ عن عمران بن ابی انس) بیہقی کی سند سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ کیوں کہ یونس (ابن عبد الاعلیٰ) سے امام مسلم روایت کرتے ہیں اسی طرح عمرو بن حارث مصری بھی حافظ جلیل ہیں پھر امام طحاوی نے امام بیہقی کے ذکر کردہ چاروں راویوں پر بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان چاروں کی بہ نسبت یحییٰ بن ابی کثیر زیادہ ثقہ ہیں اور ان کی روایت قبول کے زیادہ لائق ہے کیونکہ انھوں نے حدیث میں ایک لفظ زیادہ ذکر کیا ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے نیز عمران بن ابی انس کی روایت۔ یحییٰ کی روایت کی تقویت کرتی ہے اور اس سے معلوم ہو گیا کہ نسیئۃ کی زیادتی میں یحییٰ بن ابی کثیر منفرد نہیں ہیں۔ عمران بن ابی انس بھی ان کے ساتھ ہیں اور اس تمام بحث سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس روایت میں سند اور متن کے اعتبار سے شدید اضطراب ہے اور اختلاف کے باوجود زید مجہول ہے۔ ابن حزم وغیرہ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ صاحب مستدرک نے اس حدیث کے کئی طرق ذکر کیے پھر یحییٰ کی روایت کو صحیح قرار دیا پھر کہا امام بخاری نے اس روایت کو اس لیے روایت نہیں کیا کیونکہ ان کو زید بن عیاش کے مجہول ہونے کا

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۰۹ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ۔

خدشہ تھا اور امام طبری نے تہذیب الآثار میں اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ زید اس روایت کے ساتھ منفرد ہے اور وہ اہل نقل کے نزدیک غیر معروف ہے۔[۱]

مدارِ حرمت، نسیئہ کو قرار دینے پر ایک اعتراض کا جواب

زید بن عیاش کی "نسیئۃ" والی روایت کو ترجیح دینے کی صورت میں یہ نکتہ حل طلب رہ جاتا ہے کہ جب حرمت کا مدار ادھار پر ہے اور مقدار میں عدم مساوات پر نہیں ہے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں سوال فرمایا تھا: کیا تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہیں کیونکہ جب حرمت کا مدار ادھار ہے تو تازہ کھجوریں کم ہوں یا نہ ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بہاؤ الدین مرجانی نے حاشیہ توضیح میں اس کا یہ جواب بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال سے اس پر متنبہ کیا ہے کہ اس بیع کو ادھار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ تازہ کھجوریں سوکھنے کے بعد کم ہو جاتی ہیں؛ ورنہ تحریم کا مدار صرف ادھار ہے۔

حدیث رسول کے مقابلہ میں کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ، امام محمد اور امام ابو یوسف[۲] زید بن عیاش کی حدیث کے پیش نظر تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض برابر برابر بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ از روئے قیاس اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں اس حدیث کے جواب میں امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اس کا مدار زید بن عیاش پر ہے اور وہ مجہول ہے لیکن زیادہ تر ماہرین حدیث کی تحقیق یہ ہے کہ زید بن عیاش مجہول اور مردود نہیں معروف اور ثقہ ہے اور حنفی محققین میں علامہ ذیلعی[۳] علامہ بدر الدین عینی[۴] اور علامہ کمال الدین ابن ہمام[۵] کی بھی یہی تحقیق ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کی طرف سے آخری توجیہ یہ کی گئی کہ حدیث میں جو ممانعت ہے وہ ادھار پر محمول ہے۔ امام طحاوی اور علامہ ماردینی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے لیکن یہ توجیہ بھی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت کے مطابق تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض ادھار بیع منع ہے اور اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ چونکہ ممانعت ادھار کے ساتھ خاص ہے اس لیے نقد بیع جائز ہے تو یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ امام ابو حنیفہ کے اصول کے مطابق صحیح نہیں ہے اس لیے بے خطر اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ تاویلات کی پیچ در پیچ وادیوں سے احتراز کر کے حدیث رسول کے دامن میں پناہ لی جائے اور اس حدیث صحیح[۶] کے مطابق امام محمد اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔

۱۔ علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۷۴۵ھ، الجوہر النقی علی البیہقی ج ۵ ص ۲۹۵ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۲۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر متوفی ۵۹۳ھ، الہدایہ اخیرین ص ۸۳ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

۳۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۱ مطبوعہ مجلس علمی ہند الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۷ھ

۴۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، البنایہ ج ۳ ص ۱۵۹ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور

۵۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۶۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۶۔ یہ روایت سنن اربعہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک، موطا امام مالک اور دیگر کتب حدیث میں ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ـــــ سعیدی غفرلہٗ۔

۴۹۶ بَابُ مَنْ بَاعَ نَخْلًا وَعَلَيْهَا ثَمَرٌ — درخت کی بیع میں اس کے پھلوں کا حکم

۳۷۸۹ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پیوند لگی کھجوروں کے درخت فروخت کیے تو اس پر لگے ہوئے پھل بائع کے ہیں الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگا لے۔

۳۷۹۰ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا نَخْلٍ اشْتُرِيَ أُصُولُهَا وَقَدْ أُبِّرَتْ فَإِنَّ ثَمَرَهَا لِلَّذِي أَبَّرَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الَّذِي اشْتَرَاهَا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے پورا درخت خرید لیا درآں حالیکہ اس میں پیوند لگایا گیا ہو تو اس درخت کے پھل پیوند لگانے والے کے لیے ہیں الا یہ کہ خریدار ان پھلوں کی شرط لگا لے۔

۳۷۹۱ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ أَبَّرَ نَخْلًا ثُمَّ بَاعَ أَصْلَهَا فَلِلَّذِي أَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کھجور کے درخت میں پیوند لگایا ہو پھر وہ اس درخت کو فروخت کر دے تو اس کے پھل پیوند لگانے والے کے لیے ہوں گے الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگا لے۔

۳۷۹۲ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيلُ كِلَاهُمَا

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن ایوب عن نافع بہذا الاسناد نحوہ۔

۳۷۹۳- وحدثنا یحیی بن یحیی و محمد بن رمح قالا انا اللیث ح قال وثنا قتیبۃ بن سعید قال انا اللیث عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ بن عمر عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتہا للذی باعہا الا ان یشترط المبتاع ومن ابتاع عبدا فمالہ للذی باعہ الا ان یشترط المبتاع۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قلم لگنے جانے کے بعد کھجور کا درخت خریدے تو اس کے پھل بائع کے لیے ہیں الا یہ کہ خریدار ان کی شرط لگائے۔ اور جو شخص کسی غلام کو خریدے تو اس کا مال بائع کے لیے ہے الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگائے۔

۳۷۹۴- وحدثناہ یحیی بن یحیی و ابو بکر بن ابی شیبۃ و زہیر بن حرب قال یحیی انا و قال الآخران ثنا سفیان بن عیینۃ عن الزہری بہذا الاسناد مثلہ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل روایت ہے۔

۳۷۹۵- وحدثنی حرملۃ بن یحیی قال انا ابن وہب قال اخبرنی یونس عن ابن شہاب قال حدثنی سالم بن عبد اللہ بن عمر ان اباہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بمثلہ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا... اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

تابیر کا لغوی معنی تابیر اور ابار کا لغوی معنی ہے شق کرنا، مادہ کھجور کے شگوفوں کو شق کر کے اس میں نر کھجور کے شگوفوں کی قلم لگانا یا نر کھجور کے شگوفوں کو مادہ کھجور میں پیوند کر دینا، تابیر کہلاتا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ تابیر ابرۃ سے بنا ہے ابرۃ سوئی کو کہتے ہیں اور تابیر کا معنی ہے سوئی چبھونا چونکہ نر کے شگوفے مادہ کے شگوفوں میں چبھو کر درست کر دیے جاتے ہیں اس لیے اس عمل کو تابیر کہتے ہیں نیز اس عمل کو عربی میں تلقیح بھی کہتے ہیں (جدید عربی میں تلقیح انجکشن لگانے کو کہتے ہیں۔ سعیدی) علامہ زبیدی نے لکھا ہے کہ تابیر کا معنی ہے اصلاح کرنا اور پھل

اس عمل سے کھجور کے درخت کی اصلاح ہوتی ہے اس لیے اس کو تابیر کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ہر چیز کی اصلاح کو تابیر کہتے ہیں اور حمید کے اس شعر سے استدلال کیا:

ان الحبالة الهتني ابارتها
حتی اصید کما فی بعضها قنصا

رسی کی اصلاح نے مجھے شکار کرنے سے مشغول رکھا۔ اس شعر میں رسی کی اصلاح پر ابارۃ کا اطلاق کیا گیا ہے[1]

کھجور کے درخت کی بیع کے بعد اس کا پھل بائع کا ہے یا خریدار کا؟

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ درختوں میں پیوند لگانا جائز ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ پیوند لگانے سے پہلے یا پیوند لگانے کے بعد فروخت کیے ہوئے درخت کے پھلوں کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ بائع کی ملک میں رہیں گے یا ان کا خریدار مالک ہوگا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ان پھلوں کا خریدار مالک ہوگا لیکن یہ قول اس صریح حدیث کے خلاف ہے۔ شاید ابن ابی لیلیٰ تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ اگر پیوند لگانے کے بعد درخت کو فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لیے ہوں گے الا یہ کہ خریدار بیع کے وقت پھلوں کو بھی بیع میں شامل کرے اور اگر پیوند لگانے سے پہلے درخت کو فروخت کیا تو اس کے پھل خریدار کے لیے ہوں گے الا یہ کہ بائع پھلوں کو رکھنے کی شرط لگائے، البتہ امام مالک فرماتے ہیں کہ بائع کے لیے شرط لگانا جائز نہیں ہے۔ پیوند لگانے کے بعد جمہور کا استدلال حدیث کے منطوق سے ہے اور پیوند لگانے سے پہلے ان کا استدلال حدیث کے مفہوم (مفہوم مخالف) سے ہے۔ اس کو اصول فقہ میں دلیل الخطاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ چونکہ مفہوم مخالف سے استدلال کے قائل نہیں ہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ پیوند لگایا گیا ہو یا نہ لگایا گیا ہو ہر صورت میں پھل بائع کے ہوں گے الا یہ کہ بیع کے وقت خریدار پھلوں کی شرط لگائے (مفہوم مخالف کی تعریف، اقسام اور مذاہب پر سیر حاصل بحث ہم کتاب النفقۃ ج ۲ باب ۷۰ میں کر چکے ہیں۔ ——— سعیدی) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض ہے کہ بیع میں ظاہر کا حکم باطن کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ اگر باندی حاملہ ہو اور اس کی بیع کی جائے تو پیٹ کا بچہ بھی بیع میں شامل ہوگا، یہ باطن کا حکم ہے اور ظاہر کا حکم اس کے خلاف ہے کیونکہ اگر باندی کی گود میں بچہ ہو تو وہ بیع میں شامل نہیں ہوگا[2]

علامہ نووی کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ محض اختراعی ہے، قرآن مجید اور احادیث میں اس قاعدہ کا ذکر نہیں ہے اور شوافع کا اختراعی قاعدہ احناف پر حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ احناف اس کے قائل ہیں کہ جب پھل ظاہر ہو جائیں تو بائع کے ہوں گے، خواہ پیوند لگایا گیا ہو یا نہیں، پس احناف اور شوافع میں کوئی اختلاف نہ رہا۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام احمد، اہل ظاہر (غیر مقلدین) اور فقہاء اصحاب حدیث کا موقف بھی امام شافعی کی طرح ہے اور امام اوزاعی کا نظریہ امام ابوحنیفہ کی طرح ہے۔[3]

---

[1] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۳ ص ۳۰۲ مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر، ۱۳۰۶ھ۔
[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[3] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

غلام کی بیع کے وقت اس کا مال لینے کی شرط میں فقہاء شافعیہ اور دیگر فقہاء کا موقف

اس باب کی حدیث نمبر ۳۷۹۳ میں ہے: "جس شخص نے غلام خریدا تو اس کا مال بائع کے لیے ہے الا یہ کہ خریدار اس مال کی شرط لگا دے۔" علامہ نووی لکھتے ہیں امام مالک کا موقف اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اور امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث کی تاویل میں یہ کہا ہے کہ یہ اضافت اختصاص کی بناء پر ہے ملکیت کی بناء پر نہیں ہے۔ یعنی غلام کے پاس جو مال ہوتا ہے وہ اس کی ملک نہیں ہوتا۔ مال اس کے مالک کا ہوتا ہے اور اختصاص کی بناء پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ غلام کا مال ہے جیسے کہا جاتا ہے گھوڑے کی زین اور گدھے کی جھل۔ اس لیے جب کوئی شخص غلام کو فروخت کرے گا تو اس کا مال بائع کا ہوگا کیونکہ وہ اس کی ملک ہے البتہ اگر خریدار نے مال کی بھی شرط لگائی تو یہ جائز ہے، اب گویا خریدار نے دو چیزیں خریدی ہیں: غلام اور مال اور دونوں کی ایک قیمت لگائی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے اپنے قول جدید میں یہ کہا ہے کہ اس بیع میں ربو سے احتراز ضروری ہے، امام شافعی نے کہا کہ اگر مال دراہم ہے تو دراہم کے بدلے میں بیع جائز نہیں ہے اور اگر مال دینار ہے تو سونے کے عوض بیع جائز نہیں اور اگر غلام کا مال گندم ہے تو گندم کے عوض ان کی بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا کہ اگر غلام کا مال دراہم ہو تو دراہم کے عوض بیع جائز ہے، علی ہذا القیاس تمام صورتوں میں بیع جائز ہے ان کا استدلال حدیث کے اطلاق سے ہے[1]۔

غلام کی بیع کے وقت اس کا مال لینے کی شرط میں فقہاء احناف کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ نے فرمایا جس شخص نے غلام کو خریدا تو اس کا مال بائع کا ہے الا یہ کہ خریدار اس کی شرط لگائے، اگر خریدار نے مال کی شرط لگائی اگر قیمت چاندی (دراہم) ہے اور غلام کے مال میں بھی اتنی ہی یا اس سے زیادہ چاندی ہے یا غلام کا کسی انسان پر قرض ہے تو یہ بیع جائز نہیں ہے کیونکہ قرض میں غرر ہے پتا نہیں وصول ہوگا یا نہیں اور اگر غلام کے مال میں چاندی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو یہ چاندی کی چاندی کے بدلہ میں زیادتی سے بیع ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[2]۔

غلام کی بیع کے وقت اس کا مال لینے کی شرط میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: اہل مدینہ (امام مالک) کا یہ قول ہے کہ جب خریدار مال کی شرط لگا دے تو وہ مال خریدار کا ہوگا خواہ وہ مال نقد (سونا، چاندی) ہو قرض ہو یا ساز و سامان ہو اس کی مقدار معلوم ہو یا مجہول خواہ وہ مال قیمت سے زیادہ ہو عام ازیں کہ قیمت نقد ہو قرض ہو یا ساز و سامان ہو[3]۔

امام محمد کا فقہاء مالکیہ پر تعاقب

امام محمد بن حسن شیبانی مالکیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل مدینہ کا یہ گمان ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی سے غلام خریدا اور غلام کے پاس ایک ہزار درہم مال

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۳، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

[3] 〃 〃 〃 کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۴ 〃 〃

تھا اور خریدار نے مال کی شرط لگائی اور پانچ سو درہم میں غلام اور مال کو خرید لیا، اب اس قاعدے سے خریدار کو پانچ سو درہم کے عوض ایک ہزار درہم اور ایک غلام مل جائے گا اور یہ کتنا بڑا گناہ ہے؟ [۱]

فقہاء مالکیہ کا جواب اور جواب الجواب

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: بیع کے وقت اگر خریدار یہ شرط لگائے کہ یہ مال غلام کا ہے اور قیمت غلام کے عوض ہو تو یہ ربوا نہیں ہے اور اگر خریدار مال کی شرط اپنے لیے لگائے اور قیمت مال کے عوض ہو تو یہ ربوا ہے [۲]

علامہ وشتانی مالکی نے جو اپل ذکر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک اعتباری فرق ہے کیونکہ جب خریدار نے یہ شرط لگائی کہ مثلاً ایک ہزار درہم غلام کے ہیں اور پھر کہا میں اس غلام کو پانچ سو درہم میں خرید رہا ہوں تو بہر حال خریدار پانچ سو درہم کے عوض ایک غلام اور ایک ہزار درہم خرید رہا ہے۔۔۔۔ اور یہ کھلا ہوا سود ہے!

باب ۴۹۷ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَعَنِ الْمُخَابَرَةِ وَبَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ بُدُوِّ صَلَاحِهَا وَعَنْ بَيْعِ الْمُعَاوَمَةِ وَهُوَ بَيْعُ السِّنِينَ

محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور ظہور صلاحیت سے پہلے بیع کی حرمت اور چند سالوں کی بیع کی ممانعت

۳۷۹۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا جَمِيعًا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ وَلَا يُبَاعُ إِلَّا بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ إِلَّا الْعَرَايَا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا اور ظہور صلاحیت سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا اور فرمایا کہ پھلوں کو صرف دینار اور درہم کے عوض فروخت کیا جائے البتہ عرایا میں کھجوروں کو چھواروں کے عوض فروخت کرنے کی اجازت ہے۔

۳۷۹۷ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ أَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ أَنَّهُمَا سَمِعَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے۔

---

[۱] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۰۴ مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور۔

[۲] امام ابو عبد اللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِهِ۔

۳۷۹۸- وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِیُّ قَالَ اَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيْدَ الْجَزَرِیُّ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَطَاءٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُطْعَمَ وَلَا تُبَاعُ اِلَّا بِالدَّنَانِيْرِ وَالدَّرَاهِمِ اِلَّا الْعَرَايَا قَالَ عَطَاءٌ فَسَّرَهَا لَنَا جَابِرٌ قَالَ اَمَّا الْمُخَابَرَةُ فَالْاَرْضُ الْبَيْضَاءُ يَدْفَعُهَا الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فَيُنْفِقُ فِيْهَا ثُمَّ يَاْخُذُ مِنَ الثَّمَرِ وَزَعَمَ اَنَّ الْمُزَابَنَةَ بَيْعُ الرُّطَبِ فِی النَّخْلِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا وَالْمُحَاقَلَةُ فِی الزَّرْعِ عَلٰى نَحْوِ ذٰلِكَ يَبِيْعُ الزَّرْعَ الْقَائِمَ بِالْحَبِّ كَيْلًا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ، محاقلہ، مزابنہ اور ان پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جو کھانے کے لائق نہ ہوں۔ اور عرایا کے سوا باقی پھل دینار اور درہم سے ہی فروخت کیے جائیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: مخابرہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو غیر آباد زمین دے وہ اس میں خرچ کرے اور جب پیداوار ہو تو اس میں سے حصہ لے، مزابنہ یہ ہے کہ (مثلاً) تازہ کھجوروں کی چھواروں کے عوض پیمائش سے بیع کی جائے محاقلہ کھیت میں اسی قسم کی بیع ہے مثلاً خوشوں میں گندم کی خشک گندم کے عوض پیمائش سے بیع کی جائے۔

۳۷۹۹- وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِیْ خَلَفٍ كِلَاهُمَا عَنْ زَكَرِيَّا قَالَ ابْنُ اَبِیْ خَلَفٍ نَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِیٍّ قَالَ اَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِیْ اُنَيْسَةَ قَالَ نَا اَبُو الْوَلِيْدِ الْمَكِّیُّ وَهُوَ جَالِسٌ عِنْدَ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ اور مخابرہ سے منع فرمایا اور جب تک پھل سرخ یا زرد نہ ہوں یا کھانے کے لائق نہ ہوں ان کی بیع سے منع فرمایا، محاقلہ یہ ہے، کہ کھیت کی فصل کو معین پیمانوں کے اناج کے عوض فروخت کر دیا جائے، اور مزابنہ یہ ہے کہ تازہ کھجوروں کی چند وسق چھواروں کے عوض بیع کی جائے۔ اور مخابرہ کھیت کی پیداوار کی تہائی، چوتھائی یا اس کی مثل کا لینا ہے زید کہتے ہیں میں نے عطاء بن ابی رباح سے پوچھا کیا تم نے

وَ اَنْ يُّشْتَرَى النَّخْلُ حَتّٰى يُشْقِهَ وَالْإِشْقَاهُ اَنْ يَّحْمَرَّ اَوْ يَصْفَرَّ اَوْ يُؤْكَلَ مِنْهُ شَيْءٌ وَالْمُحَاقَلَةُ اَنْ يُّبَاعَ الْحَقْلُ بِكَيْلٍ مِّنَ الطَّعَامِ مَعْلُوْمٍ وَالْمُزَابَنَةُ اَنْ تُبَاعَ النَّخْلُ بِاَوْسَاقٍ مِّنَ التَّمْرِ وَالْمُخَابَرَةُ الثُّلُثُ وَالرُّبُعُ وَاَشْبَاهُ ذٰلِكَ قَالَ زَيْدٌ قُلْتُ لِعَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ اَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَذْكُرُ هٰذَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ سنا ہے کہ وہ اس تفسیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے تھے انہوں نے کہا، ہاں!۔

۳۸۰۰ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ قَالَ نَا بَهْزٌ قَالَ نَا سَلِيْمُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ نَا سَعِيْدُ بْنُ مِيْنَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى تُشْقِحَ قَالَ قُلْتُ لِسَعِيْدٍ مَا تُشْقِحُ قَالَ تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ وَيُؤْكَلُ مِنْهَا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ، محاقلہ اور مخابرہ سے منع فرمایا اور جب تک پھل سرخ یا زرد یا کھانے کے لائق نہ ہوں ان کی بیع سے منع فرمایا۔

۳۸۰۱ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيْرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ نَا اَيُّوْبُ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدِ بْنِ مِيْنَاءَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَالْمُخَابَرَةِ قَالَ اَحَدُهُمَا بَيْعُ السِّنِيْنَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، معاومہ اور مخابرہ سے منع فرمایا۔ راویوں میں سے کسی ایک نے کہا کہ معاومہ چند سالوں کی بیع کرنا ہے، نیز آپ نے فرمایا کہ سوا بیع میں استثناء سے بھی منع فرمایا ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا.

۳۸۰۲ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا نَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَذْكُرُ بَيْعَ السِّنِينَ هِيَ الْمُعَاوَمَةُ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے مگر اس میں یہ نہیں ہے کہ معاومہ کئی سالوں کی بیع ہے۔

مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ اور معاومہ کی تعریفات اور احکام

مزابنہ: تازہ پھلوں کی اسی جنس کے خشک پھلوں کے عوض پیمانوں سے بیع کرنا۔ (یہ ناجائز ہے)

محاقلہ: کھیت کی فصل کی اسی جنس کے خشک اناج کے عوض پیمانوں سے بیع کرنا۔ (یہ ناجائز ہے)۔

مخابرہ: زمین کو بٹائی پر دینا، بایں طور کہ ایک شخص کی زمین ہو اور دوسرا شخص کھیتی باڑی کرے اور پیداوار کی پہلے سے طے شدہ حصہ کے مطابق تقسیم کر لی جائے اس کو مزارعت بھی کہتے ہیں، بعض علماء نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ اگر بیج زمین کے مالک کا ہو تو یہ مزارعت ہے اور اگر بیج عامل کا ہو تو یہ مخابرہ ہے۔ (اس کے حکم میں اختلاف ہے)۔

معاومہ: درختوں کے پھلوں کو چند سالوں کے لیے فروخت کر دینا۔ (یہ غرر کی وجہ سے باطل ہے)۔

صرف دراہم اور دینار کے عوض پھلوں کی بیع کی وضاحت

حدیث نمبر ۳۷۹۶ میں ہے "عرایا کے سوا باقی پھلوں کی بیع دراہم اور دینار سے ہی کی جائے"۔ یہ حصر اضافی ہے اور مقصود یہ ہے کہ باقی پھلوں کی اسی جنس کے خشک پھلوں کے ساتھ بیع نہ کی جائے، کیونکہ یہ مزابنہ ہے البتہ اگر کسی اور جنس کے پھلوں سے بیع کی جائے یا ساز و سامان کے عوض بیع کی جائے تو جائز ہے۔

بیع میں استثناء کی ممانعت کی وضاحت اور بیان مذاہب

حدیث نمبر ۳۸۰۱ میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں استثناء سے منع فرمایا ہے"۔ یہ ممانعت اس وقت ہے جب بیع میں حصہ مجہولہ کا استثناء ہو مثلاً کوئی شخص کہے میں تم کو یہ ڈھیر بیچتا ہوں لیکن اس سے بعض حصہ مستثنیٰ ہے یہ بیع بالاجماع باطل ہے، اور اگر استثناء اور بیع معلوم ہوں تو بیع جائز ہے، مثلاً کوئی شخص کہے میں تم کو یہ کپڑے بیچتا ہوں لیکن یہ معین کپڑا مستثنیٰ ہے تو یہ بیع بالاجماع جائز ہے۔

اگر استثناء معلوم ہو لیکن استثناء سے پہلے مبیع میں جہالت لازم آتی ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے مثلاً ایک شخص کہے میں تم کو اناج کا یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں مگر اس سے ایک صاع مستثنیٰ ہے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے کیونکہ استثناء کے بعد باقی مبیع مجہول ہے، ہاں اگر کسی عام حصہ کا استثناء کیا جائے تو جائز ہے۔ مثلاً کہے میں تم کو یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں لیکن اس کا نصف اس بیع سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ استثناء کے بعد باقی مبیع معلوم ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی بیع جائز ہے بشرطیکہ تہائی سے زیادہ استثناء نہ ہو، اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ استثناء سے ممانعت مبیع میں جہالت کی وجہ سے کی گئی ہے کیونکہ ترمذی شریف میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور استثناء سے منع فرمایا الا یہ کہ قدر استثناء معلوم ہو جائے۔[1] پس جب استثناء سے مبیع میں جہالت لازم آئے گی تو بیع فاسد ہوگی اور جب استثناء سے مبیع میں جہالت نہیں ہوگی تو بیع جائز ہوگی۔

بَابُ ۴۹۸ کِرَآءِ الْاَرْضِ — زمین کو کرایہ پر دینا

۳۸۰۳ - وَحَدَّثَنِیْ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ نَا عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِیْدِ قَالَ نَا رَبَاحُ بْنُ اَبِیْ مَعْرُوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَآءً عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ کِرَآءِ الْاَرْضِ وَعَنْ بَیْعِهَا السِّنِیْنَ وَعَنْ بَیْعِ الثَّمَرِ حَتّٰی یَطِیْبَ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا اور کئی سالوں کے لیے اس کی بیع منع فرمایا اور مٹھاس آنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا۔

۳۸۰۴ - وَحَدَّثَنِیْ اَبُوْ کَامِلٍ الْجَحْدَرِیُّ قَالَ نَا حَمَّادٌ یَعْنِی ابْنَ زَیْدٍ عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ عَطَآءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ کِرَآءِ الْاَرْضِ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا۔

۳۸۰۵ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَیْدٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ لَقَبُهٗ عَارِمٌ وَهُوَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۶ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

اَبُوالنُّعْمَانِ السَّدُوْسِيُّ قَالَ نَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ قَالَ نَا مَطَرٌ الْوَرَّاقُ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَاِنْ لَّمْ يَزْرَعْهَا فَلْيُزْرِعْهَا اَخَاهُ۔

زمین ہو وہ اس میں کھیتی باڑی کرے اگر وہ اس میں کاشتکاری نہ کرے تو اپنے بھائی سے کاشت کاری کرائے۔

۳۸۰۶۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ نَا مِعْقَلٌ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ لِرِجَالٍ فُضُوْلُ اَرَضِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلُ اَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهٗ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ کے پاس فالتو زمینیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس فالتو زمین ہے، وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا وہ زمین اپنے بھائی کو عطا کر دے اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

۳۸۰۷۔ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُوْرٍ الرَّازِيُّ قَالَ نَا خَالِدٌ قَالَ اَنَا الشَّيْبَانِيُّ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَخْنَسِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّؤْخَذَ لِلْاَرْضِ اَجْرٌ اَوْ حَظٌّ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے یا اس کا کوئی فائدہ حاصل کرنے سے منع فرمایا۔

۳۸۰۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَّزْرَعَهَا وَعَجَزَ عَنْهَا فَلْيَمْنَحْهَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں کاشتکاری کرے اور اگر وہ اس میں کاشتکاری نہ کر سکے اور اس سے عاجز ہو جائے تو وہ زمین اپنے کسی مسلمان بھائی کو عطا کر دے اور اس سے کرایہ نہ لے۔

أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُوَاجِرْهَا إِيَّاهُ۔

۳۸۰۹- وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا هَمَّامٌ قَالَ سَأَلَ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى عَطَاءً فَقَالَ أَحَدَّثَكَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلَا يُكْرِيهَا قَالَ نَعَمْ۔

سلیمان بن موسیٰ نے عطاء سے پوچھا کیا تم کو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا اپنے بھائی سے کاشتکاری کرائے اور اس کو کرایہ پر نہ دے۔ عطاء نے کہا: ہاں۔

۳۸۱۰- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۱۱- وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ قَالَ نَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ نَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ أَرْضٍ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيُزْرِعْهَا أَخَاهُ وَلَا تَبِيعُوهَا فَقُلْتُ لِسَعِيدٍ مَا لَا تَبِيعُوهَا يَعْنِي الْكِرَاءَ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس فالتو زمین ہو وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا اپنے بھائی سے کاشت کاری کرائے اور اس کو فروخت مت کرو۔ میں نے سعید سے پوچھا فروخت کرنے کی ممانعت سے کیا کرایہ پر دینا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں!

۳۸۱۲- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُصِيبُ مِنَ الْقِصْرِيِّ وَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کو بٹائی پر دیتے تھے، اور گہائی کے بعد خوشوں میں جو دانے رہ جاتے ہیں ان میں سے حصہ لیا کرتے تھے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین

WWW.NAFSEISLAM.COM

مِنْ. كَذَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ فَلْيُحْرِثْهَا اَخَاهُ وَاِلَّا فَلْيَدَعْهَا۔

ہو وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا اپنے بھائی سے کاشتکاری کرائے ورنہ اس زمین کو چھوڑ دے۔

۳۸۱۳- حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ وَاَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ ابْنُ عِيْسٰى نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ اَنَّ اَبَا الزُّبَيْرِ الْمَكِّيَّ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ كُنَّا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاْخُذُ الْاَرْضَ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بِالْمَاذِيَانَاتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا فَاِنْ لَّمْ يَزْرَعْهَا فَلْيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ لَّمْ يَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَلْيُمْسِكْهَا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم نہروں کے کنارے والی زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار پر لیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور اس بارے میں فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کاری کرے اور اگر وہ اس میں کاشت کاری نہیں کر سکتا تو اپنے بھائی کو کاشت کاری کے لیے دے، اور اگر وہ اپنے بھائی کو زمین نہیں دیتا تو اپنے پاس رکھے۔

۳۸۱۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ قَالَ نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ نَا اَبُوْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَهَبْهَا اَوْ لِيُعِرْهَا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس (فالتو) زمین ہو وہ اس کو ہبہ کر دے یا عاریۃً دے دے۔

۳۸۱۵- وَحَدَّثَنِيْهِ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَ نَا اَبُو الْجَوَّابِ قَالَ نَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ عَنِ الْاَعْمَشِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ فَلْيُزْرِعْهَا رَجُلًا۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ اس زمین میں خود کاشتکاری کرے یا کسی اور شخص سے کاشتکاری کرائے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۸۱۶ - وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ قَالَ بُكَيْرٌ وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ كُنَّا نُكْرِي أَرْضَنَا ثُمَّ تَرَكْنَا ذٰلِكَ حِينَ سَمِعْنَا حَدِيثَ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ بکیر کہتے ہیں کہ نافع نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم اپنی زمینوں کو کرائے پر دیتے تھے پھر ہم نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر (زمین کو کرائے پر دینا) چھوڑ دیا۔

۳۸۱۷ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ أَرْضِ الْبَيْضَاءِ سَنَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالی زمین کو دو یا تین سال کے لیے فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

۳۸۱۸ - وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ حُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَتِيقٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِينَ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ سِنِينَ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سالوں کی بیع سے منع فرمایا اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے کئی سالوں کے لیے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا۔

۳۸۱۹ - وَحَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ نَا أَبُو تَوْبَةَ قَالَ نَا مُعَاوِيَةُ عَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس

يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبٰى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ۔

زمین ہو اس میں وہ خود کاشت کاری کرے، یا وہ زمین رہنے دے۔

۳۸۲۰ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ نَا أَبُوْ تَوْبَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ أَنَّ يَزِيْدَ بْنَ نُعَيْمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْحُقُوْلِ فَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا الْمُزَابَنَةُ الثَّمَرُ بِالتَّمْرِ وَالْحُقُوْلُ كِرَاءُ الْأَرْضِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور حقول سے منع فرمایا، مزابنہ چھواروں کے عوض تازہ کھجوروں کی بیع ہے اور حقول زمین کو کرایہ پر دینا ہے۔

۳۸۲۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

۳۸۲۲ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو فروخت کرنا ہے اور محاقلہ زمین کو کرائے پر دینا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةُ اِشْتِرَاءُ الثَّمَرِ فِي رُءُوْسِ النَّخْلِ وَالْمُحَاقَلَةُ كِرَاءُ الْاَرْضِ۔

۳۸۲۳- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَاَبُو الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ اَبُو الرَّبِيْعِ نَا وَقَالَ يَحْيٰى اَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ كُنَّا لَا نَرٰى بِالْخِبْرِ بَأْسًا حَتّٰى كَانَ عَامُ اَوَّلَ فَزَعَمَ رَافِعٌ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم زمین کو بٹائی پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حتیٰ کہ جب پہلا سال آیا تو حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۲۴- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَا نَا اِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ ح قَالَ وَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا وَكِيْعٌ قَالَ نَا سُفْيَانُ كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ فَتَرَكْنَاهُ مِنْ اَجْلِهٖ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن اس میں یہ زیادہ ہے کہ ہم نے اس حدیث کی وجہ سے زمین کو بٹائی پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۲۵- وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا لَقَدْ مَنَعَنَا رَافِعٌ نَفْعَ اَرْضِنَا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت رافع نے ہم کو زمین کی آمدنی سے روک دیا۔

۳۸۲۶- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِيْ مَزَارِعَهٗ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت اور حضرت معاویہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں اپنی زمینوں کو بٹائی پر دیا کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت معاویہ کی خلافت کے آخر میں انہیں حضرت رافع بن خدیج

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ فِيْ إِمَارَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ حَتّٰى بَلَغَهُ فِيْ اٰخِرِ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ أَنَّ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُحَدِّثُ فِيْهَا بِنَهْيٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَأَنَا مَعَهُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا بَعْدُ فَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْهَا بَعْدُ قَالَ زَعَمَ ابْنُ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا۔

کی یہ حدیث پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (مجاہد کہتے ہیں) پھر حضرت ابن عمر حضرت رافع کے پاس گئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا اور ان سے اس بارے میں سوال کیا: انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا! سو اس کے بعد حضرت ابن عمر نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا، پھر جب ان سے اس بارے میں سوال کیا جاتا تو کہتے ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۲۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيْعِ وَأَبُوْ كَامِلٍ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا إِسْمَاعِيْلُ كِلَاهُمَا عَنْ أَيُّوْبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ فَتَرَكَهَا ابْنُ عُمَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَكَانَ لَا يُكْرِيْهَا۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے اس کے بعد زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۲۸ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِيْ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ ذَهَبْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا إِلٰى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ حَتّٰى أَتَاهُ بِالْبَلَاطِ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ۔

نافع کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گیا یہاں تک کہ وہ بلاط میں گئے انہوں نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشت کی زمینوں کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے (بلاط مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ کا نام ہے)۔

۳۸۲۹ - وَحَدَّثَنِي ابْنُ أَبِيْ خَلَفٍ وَّ

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت

حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا نَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ قَالَ اَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زَيْدٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ اَتٰى رَافِعًا فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رافع بن خدیج کے پاس گئے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔

۳۸۳۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا حُسَيْنٌ يَعْنِي ابْنَ حَسَنِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يَاْجُرُ الْاَرْضَ قَالَ فَنُبِّئَ حَدِيْثًا عَنْ رَافِعٍ قَالَ فَانْطَلَقَ بِيْ مَعَهٗ اِلَيْهِ قَالَ فَذَكَرَ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهٖ ذَكَرَ فِيْهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ فَتَرَكَهُ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَلَمْ يَاْخُذْهُ۔

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زمین کو کرائے پر دیتے تھے، پھر ان کو حضرت رافع کی ایک حدیث سنائی گئی، میں بھی ان کے ساتھ حضرت رافع کے پاس گیا حضرت رافع نے اپنے بعض چچاؤں سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے پھر حضرت عمر نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۳۱- وَحَدَّثَنِيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ نَا ابْنُ عَوْنٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ فَحَدَّثَهٗ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت رافع نے اپنے بعض چچاؤں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی۔

۳۸۳۲- وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّهٗ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِيْ اَرَضِيْهِ حَتّٰى بَلَغَهٗ اَنَّ رَافِعَ ابْنَ خَدِيْجٍ الْاَنْصَارِيَّ كَانَ يَنْهٰى عَنْ كِرَاءِ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ زمین کرائے پر دے دیتے تھے حتیٰ کہ انھیں یہ حدیث پہنچی کہ حضرت رافع بن خدیج انصاری زمین کو کرائے پر دینے سے منع کرتے ہیں، پھر حضرت عبد اللہ نے ان سے ملاقات کی اور کہا اے ابن خدیج زمین کو کرائے پر دینے کے سلسلے میں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی حدیث بیان کرتے ہو، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں

الْاَرْضِ فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ خَدِيْجٍ مَاذَا تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ رَافِعُ بْنُ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لِعَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَمِعْتُ عَمَّيَّ وَكَانَا قَدْ شَهِدَا بَدْرًا يُحَدِّثَانِ اَهْلَ الدَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَقَدْ كُنْتُ اَعْلَمُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْاَرْضَ تُكْرٰى ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُ اللّٰهِ اَنْ يَّكُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْدَثَ فِيْ ذٰلِكَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلِمَهُ فَتَرَكَ كِرَاءَ الْاَرْضِ۔

نے اپنے ان دو چچوں سے سنا ہے، جو غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہیں وہ گھر والوں سے حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع کیا ہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زمین کرائے پر دی جاتی تھی، پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ خوف ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نیا حکم دیا ہو جس کا انھیں علم نہ ہوا سو انھوں نے زمین کو کرائے پر دینا چھوڑ دیا۔

۳۸۲۳- حَدَّثَنِيْ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَيَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَا نَا اِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُكْرِيْهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى فَجَاءَنَا ذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مِّنْ عُمُوْمَتِيْ فَقَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا وَّطَوَاعِيَةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَنْفَعُ لَنَا نَهَانَا اَنْ نُّحَاقِلَ الْاَرْضَ فَنُكْرِيَهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالطَّعَامِ الْمُسَمّٰى

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زمین کو کرائے پر دیا کرتے تھے، ہم زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور اناج کی ایک معین مقدار کے عوض کرائے پر دیتے تھے۔ ایک روز میرے پاس میرے چچاؤں میں سے کوئی ایک آیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا جس میں ہمارے لیے نفع تھا اور اللہ اور رسول کی اطاعت میں زیادہ نفع ہے آپ نے ہمیں زمین کو کرائے پر دینے سے منع کر دیا، ہم زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور اناج کی ایک معین مقدار کے عوض دیتے تھے، آپ نے زمین کے مالک کو حکم دیا کہ وہ اس میں خود کاشتکاری کرے یا کسی سے کاشتکاری کرائے اور کرائے اور اس کے ماسوا کو مکروہ فرمایا۔

وَ اَمَرَنَا اَنْ اَلَا نُرِيْضَ اَنْ تَزْرَعَهَا سِوٰى ذٰلِكَ۔

۳۸۳۴۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ قَالَ كَتَبَ اِلَيَّ يَعْلَى ابْنُ حَكِيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يُحَدِّثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُحَاقِلُ الْاَرْضَ فَنُكْرِيْهَا عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ ثُمَّ ذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ عُلَيَّةَ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم زمین کو کرایہ پر دیتے تھے اور تہائی پیداوار اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۳۸۳۵۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ح قَالَ وَثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا عَبْدَةُ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ اَبِيْ عَرُوْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيْمٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اسی طرح یہ روایت منقول ہے۔

۳۸۳۶۔ وَحَدَّثَنِيْهِ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيْمٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ عَنْ بَعْضِ عُمُوْمَتِهٖ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی اور یہ نہیں کہا کہ میرے بعض چچوں سے روایت ہے۔

۳۸۳۷۔ حَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا اَبُوْ مُسْهِرٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ عَمْرٍو الْاَوْزَاعِيُّ عَنْ اَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلٰى رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنْ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ ظُهَيْرَ ابْنَ رَافِعٍ

حضرت رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا ظہیر بن رافع میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا ہے جس میں ہمارا فائدہ تھا، میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا ہے وہ حق

وَهُوَ عَمُّهُ قَالَ اَتَانِیْ ظُهَیْرٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَقَدْ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا فَقُلْتُ وَمَا ذَاكَ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ قَالَ سَأَلَنِیْ كَیْفَ تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ فَقُلْتُ نُؤَاجِرُهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى الرَّبِیْعِ اَوِ الْاَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ اَوِ الشَّعِیْرِ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا ازْرَعُوْهَا اَوْ اَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِكُوْهَا۔

ہے۔ حضرت ظہیر بن رافع نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سوال کیا تم اپنے کھیتوں میں کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم زمین کو چوتھائی پیداوار یا کھجور اور جو کے معین وسق کے عوض اجرت پر دیتے ہیں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، اس کو خود کاشت کرو یا کسی سے کاشت کراؤ یا اس کو اپنے پاس رکھو۔

۳۸۳۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِی النَّجَاشِیِّ عَنْ رَافِعٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا وَلَمْ یَذْكُرْ عَنْ عَمِّهِ ظُهَیْرٍ۔

حضرت رافع بن خدیج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت ذکر کی ہے لیکن اس میں ان کے چچا ظہیر کا ذکر نہیں ہے۔

۳۸۳۹ - حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ قَرَأْتُ عَلٰی مَالِكٍ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَیْسٍ اَنَّهُ سَأَلَ رَافِعَ بْنَ خَدِیْجٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ فَقَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ قَالَ فَقُلْتُ اَبِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ قَالَ اَمَّا بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَلَا بَأْسَ بِهِ۔

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا کیا سونے اور چاندی کے عوض زمین کو اجرت پر دیا جا سکتا ہے؟ انھوں نے کہا سونے اور چاندی کے بدلے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۴۰ - حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ قَالَ اَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ قَالَ نَا الْاَوْزَاعِیُّ عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِیْ حَنْظَلَةُ بْنُ قَیْسٍ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ سَأَلْتُ رَافِعَ

حنظلہ بن قیس انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ سے سونے اور چاندی کے عوض زمین کو اجرت پر دینے کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، رسول اللہ

بْنَ خَدِيْجٍ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْوَرِقِ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُوْنَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَإِقْبَالِ الْجَدَاوِلِ وَأَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا فَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ وَأَمَّا شَيْءٌ مَعْلُوْمٌ مَضْمُوْنٌ فَلَا بَأْسَ بِهِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ نہروں کے کناروں اور نالوں کے ساتھ والی زمین کو پیداوار کے عوض کرائے پر دیتے تھے۔ سو اس زمین کی فصل تباہ ہو جاتی اور دوسری زمین کی فصل سلامت رہتی اور بسا اوقات یہ فصل بچ جاتی اور دوسری تلف ہو جاتی، پھر لوگوں کو باقی ماندہ فصل کے علاوہ اور کچھ کرایہ نہ ملتا، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرائے پر دینے سے منع فرما دیا، البتہ اگر کرایہ کا معاوضہ کوئی معین چیز ہو جس کے تلف نہ ہونے کی ضمانت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۴۱ - وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ كُنَّا أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ حَقْلًا قَالَ كُنَّا نُكْرِي الْأَرْضَ عَلٰى أَنَّ لَنَا هٰذِهٖ وَلَهُمْ هٰذِهٖ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ هٰذِهٖ وَلَمْ تُخْرِجْ هٰذِهٖ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ وَأَمَّا الْوَرِقُ فَلَمْ يَنْهَنَا۔

حنظلہ زرقی کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم انصار کے کھیت بہت تھے اور ہم زمین کو اس طریقہ سے کرایہ پر دیتے تھے کہ زمین کے اس حصہ کی پیداوار ہماری ہے اور زمین کے اس حصہ کی پیداوار مزارعین (کاشت کاروں) کی ہے، بسا اوقات زمین کے اس حصہ میں پیداوار ہوتی اور اس حصہ میں پیداوار نہ ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے روک دیا البتہ چاندی کے عوض اجرت پر دینے سے نہیں روکا۔

۳۸۴۲ - حَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيْعِ قَالَ نَا حَمَّادٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی ایسی ہی روایت منقول ہے۔

۳۸۴۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ أَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ كِلَاهُمَا عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَعْقِلٍ عَنِ الْمُزَارَعَةِ فَقَالَ أَخْبَرَنِيْ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ

عبد اللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا مجھے حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے، اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے اس سے روکا اور ابن معقل کا لفظ ہے عبد اللہ کا لفظ نہیں ہے۔

تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَفِیْ رِوَایَةِ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ نَهٰی عَنْهَا وَقَالَ سَأَلْتُ ابْنَ مَعْقِلٍ وَلَمْ یُسَمِّ عَبْدَ اللّٰهِ۔

۳۸۴۴ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا یَحْیَی بْنُ حَمَّادٍ قَالَ نَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ سُلَیْمَانَ الشَّیْبَانِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْقِلٍ فَسَأَلْنَاهُ عَنِ الْمُزَارَعَةِ فَقَالَ زَعَمَ ثَابِتٌ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَاَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَا بَأْسَ بِهَا۔

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے مزارعت کے متعلق پوچھا، انھوں نے کہا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور زمین کو اجرت پر دینے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۴۵ - حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی قَالَ اَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ عَمْرٍو اَنَّ مُجَاهِدًا قَالَ لِطَاوُسٍ انْطَلِقْ بِنَا اِلَی ابْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ فَاسْمَعْ مِنْهُ الْحَدِیْثَ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَانْتَهَرَهُ قَالَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْهُ مَا فَعَلْتُهُ وَلٰکِنْ حَدَّثَنِیْ مَنْ هُوَ اَعْلَمُ بِهِ مِنْهُمْ یَعْنِی ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاَنْ یَّمْنَحَ الرَّجُلُ اَخَاهُ اَرْضَهُ خَیْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ یَّأْخُذَ عَلَیْهَا خَرْجًا مَعْلُوْمًا۔

عمرو کہتے ہیں کہ مجاہد نے طاؤس سے کہا کہ ہمارے ساتھ رافع بن خدیج کے لڑکے کے پاس چلو اور ان سے وہ حدیث سنو جس کو وہ اپنے والد رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، طاؤس نے مجاہد کو جھڑکا اور کہا بخدا! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع کیا ہے، تو میں مزارعت کبھی نہ کرتا، لیکن مجھے اس شخص نے حدیث بیان کی جو صحابہ میں سے زیادہ عالم تھا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین ہبہ کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے معین اجرت (کرایہ) لے۔

۳۸۴۶- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو وَابْنِ طَاوُسٍ عَنْ طَاوُسٍ أَنَّهُ كَانَ يُخَابِرُ قَالَ عَمْرٌو فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوْ تَرَكْتَ هٰذِهِ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ فَقَالَ أَيْ عَمْرُو أَخْبَرَنِي أَعْلَمُهُمْ بِذٰلِكَ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهَا إِنَّمَا قَالَ يَمْنَحُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا خَرْجًا مَعْلُومًا۔

عمرو اور ابن طاؤس بیان کرتے ہیں کہ طاؤس اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے عمرو نے کہا اے ابو عبد الرحمان! اگر تم بٹائی کو ترک کر دو تو بہتر ہے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ہے انھوں نے کہا اے عمرو! مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جو صحابہ میں اس معاملے کا سب سے زیادہ عالم تھا یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو زمین ہبہ کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس کو معین اجرت پہ دے۔

———

۳۸۴۷- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ وَكِيعٍ عَنْ سُفْيَانَ ح قَالَ وَثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ نَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنْ شَرِيكٍ عَنْ شُعْبَةَ كُلُّهُمْ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

چار سندوں سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کی جس طرح عمرو نے بیان کیا ہے۔

۳۸۴۸- وَحَدَّثَنِي عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ عَبْدٌ أَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَأَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ أَرْضَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا كَذَا وَكَذَا لِشَيْءٍ مَعْلُومٍ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا هُوَ الْحَقْلُ وَهُوَ بِلِسَانِ الْأَنْصَارِ الْمُحَاقَلَةُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو زمین ہبہ کر دے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اتنی، اتنی معین اجرت لے۔

———

۳۸۴۹ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زَيْدِ بْنِ اَبِيْ اُنَيْسَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِيْ زَيْدٍ عَنْ طَاوٗسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَاِنَّهٗ اَنْ يَّمْنَحَهَا اَخَاهُ خَيْرٌ لَّهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو اور وہ اسے اپنے بھائی کو ہبہ کر دے تو بہتر ہے۔

زمین پر کاشت کاری کی صورتیں

مالک زمین اور مزارع کے درمیان معاملہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) مالک زمین مزارع سے یہ کہے کہ میں تم کو مزارعت کے لیے یہ زمین اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم اس کی پیداوار میں سے مثلاً سو کلوگرام پیداوار مجھے بطور معاوضہ دو گے۔ یہ معاوضہ بالاجماع باطل ہے کیونکہ اس میں غرر ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ زمین میں پیداوار ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو کس قدر ہوگی!

(۲)۔ مالک زمین یہ کہے کہ میں تم کو اس شرط پر مزارعت کے لیے زمین دیتا ہوں کہ تم اس زمین کے فلاں حصہ کی پیداوار مجھے دو گے اور اس زمین کے فلاں حصہ کی پیداوار خود رکھو گے یہ معاملہ بھی بالاجماع باطل ہے، اس میں بھی غرر ہے۔ کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ زمین کے فلاں حصہ میں پیداوار ہوگی یا نہیں، کم ہوگی یا زیادہ ہوگی۔

(۳)۔ مالک زمین مزارع کو زمین کرایہ پر دے اور کرایہ میں سونا، چاندی، کرنسی، غلہ اور دوسری چیزوں کی ایک معین مقدار طے کرے اس میں شرط یہ ہے کہ اس زمین کی پیداوار اجرت میں نہ دی جائے یعنی بٹائی پر نہ دی جائے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

(۴)۔ مالک زمین، مزارع کو زمین بٹائی پر دے یعنی یہ طے کیا جائے کہ مزارعت کے عوض اس زمین کی پیداوار کا نصف یا تہائی حصہ بطور معاوضہ کے دیا جائے گا اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔

زمین کو کرایہ پر دینے میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی لکھتے ہیں: مزروعہ زمین کی پیداوار کے علاوہ اور کسی جنس کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ البتہ ربیعہ کی رائے یہ ہے کہ زمین کو صرف سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دیا جا سکتا ہے، اور امام مالک کے نزدیک طعام (غلہ، اناج) کے علاوہ سونے، چاندی اور دوسری چیزوں کے عوض زمین کو کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد اور جمہور فقہاء کے نزدیک زمین کو سونے، چاندی، کرنسی، کپڑے، اناج اور دوسری چیزوں کے عوض کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔

طاؤس، حسن بصری، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مسروق، شعبی، ابن سیرین، قاسم بن محمد اور شیخ ابن حزم کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔[1]

(حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

زمین کو کرایہ پر دینے کے عدم جواز میں ابن حزم کے دلائل

شیخ ابن حزم لکھتے ہیں: زمین کو کرایہ پر دینا بالکل جائز نہیں ہے، دینار کے عوض نہ درہم کے عوض، سامان کے عوض نہ اناج کے عوض، کسی چیز کے عوض بھی زمین کو کرایہ پر دینا اصلاً جائز نہیں ہے۔ زمین پر کاشتکاری صرف تین طریقوں سے جائز ہے یا خود کاشتکاری کرے یا زمین کسی کو ہبہ کر دے اور وہ اس میں کاشتکاری کرے اور یا زمین کو بٹائی پر دے دے۔

شیخ ابن حزم نے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث پیش کی کہ جس شخص کے پاس زمین ہو اس میں وہ خود کاشتکاری کرے یا وہ زمین کسی کو ہبہ کر دے ورنہ زمین کو اپنے پاس رکھے" اور صحیح بخاری کی حدیث جز نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی زمینیں کرائے پر دیتے تھے ایک دن حضرت ابن عمر حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گئے نافع کہتے ہیں میں بھی ان کے ساتھ تھا حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے" اس مضمون کی روایت کو شیخ ابن حزم نے متعدد طرق اور اسانید سے پیش کیا ہے۔[۱]

زمین کو کرائے پر دینے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور اقوال تابعین

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء نے زمین کو کرایہ پر دینے کے جواز میں حسب ذیل احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن رافع بن خدیج حدثنی عمای انهم کانوا یکرون الارض علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم بما ینبت علی الاربعاء او بشیء یستثنیه صاحب الارض فنهانا النبی صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقلت لرافع فکیف هی بالدینار والدرهم فقال رافع لیس بها باس بالدینار والدرهم۔[۲]

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میرے دو چچاؤں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں زمین کو اس غلہ کے عوض کرائے پر دیتے تھے جو نہروں کے کناروں والی زمین پر پیدا ہوتا تھا یا اس چیز کے عوض جس کا زمین کا مالک استثناء کر لیتا تھا، (مثلاً تہائی پیداوار یا چوتھائی پیداوار کا استثناء کر لیتا تھا۔) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کر دیا۔ میں نے رافع سے پوچھا: زمین کو درہم اور دینار کے عوض کرائے پر دینا کیسا ہے؟ انہوں نے کہا درہم اور دینار کے عوض میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۔ (حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

۲۔ شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۲۱۳-۲۱۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۵۰ھ

۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

حنظلہ بن قیس کی اس روایت کا امام مسلم نے بھی اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[1]

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن حنظلة بن قيس الانصاري قال سألت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق فقال لا بأس به انما كان الناس يواجرون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلك زجر عنه فاما شيء معلوم مضمون فلا بأس به۔[2]

حنظلہ بن قیس انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا آیا زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے؟۔ انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ نہروں اور نالوں کے ساتھ والی زمینوں کی پیداوار کے عوض اور زمین کی معین پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دیتے تھے پس کبھی پانی کے ساتھ والی زمین خراب ہو جاتی اور دوسری سلامت رہتی اور کبھی یہ سلامت رہتی اور وہ خراب ہو جاتی اور لوگوں کے لیے یہی کرایہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا۔ البتہ اگر کرایہ کی مقدار معلوم اور اس کی سلامتی کی ضمانت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے[3] امام ابن حبان نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے[4]

عن حنظلة الزرقي انه سمع رافع بن خديج يقول كنا اكثر الانصار حقلا قال كنا نكري الارض على ان لنا هذه ولهم هذه فربما اخرجت هذه ولم تخرج هذه فنهانا عن ذلك واما الورق فلم ينهنا۔[5]

حنظلہ زرقی کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج فرماتے تھے کہ ہم انصار کے بہت کھیت تھے، ہم زمینوں کو اس طرح کرایہ پر دیتے تھے کہ زمین کے اس حصے کی پیداوار ہماری ہوگی اور اس حصے کی پیداوار کاشت کرنے والوں کی ہوگی، بسا اوقات زمین کے اس حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے حصے میں پیداوار نہ ہوتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرما دیا۔ البتہ چاندی کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے سے منع نہیں فرمایا۔

---

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[2] " " " " صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳،

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ (مرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

[5] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

امام عبدالرزاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[1] اور امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[2] نیز امام حمیدی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[3]

عن عبد الله بن السائب قال دخلنا على عبد الله بن مَعْقِل فسألناه عن المزارعة فقال زعم ثابت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لا باس بها۔[4]

عبداللہ بن السائب بیان کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن معقل کے پاس گئے اور ان سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا ثابت یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور زمین کو اجرت پر دینے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سعيد بن المسيب عن سعد قال كنا نكرى الارض بما على السواقى من الزرع وما سعد بالماء منها فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك وامرنا ان نكريها بذهب او فضة۔[5]

سعید بن مسیب، حضرت سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نہروں کے کناروں والی زمین کی پیداوار، اور زمین کے جس حصے کو از خود نہروں سے سیراب کیا جاتا تھا اس کی پیداوار کے عوض زمین کو کاشت کے لیے دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کر دیا اور ہم کو یہ حکم دیا کہ ہم زمین کو سونے یا چاندی کے عوض کرائے پر دیں۔

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔[6]

عن رافع بن خديج قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المحاقلة والمزابنة وقال انما يزرع ثلاثة رجل له ارض فهو يزرعها ورجل منح ارضا فهو يزرع ما منح ورجل استكرى ارضا بذهب

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا، اور فرمایا کہ زراعت صرف تین طرح کی جا سکتی ہے ایک شخص اپنی زمین میں خود کاشت کرے، ایک شخص اپنی زمین کسی کو ہبہ کر دے اور وہ شخص ہبہ شدہ زمین میں

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ
[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[3] امام حافظ عبداللہ بن زبیر حمیدی ، المسند ج ۲ ص ۱۹۸، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔
[4] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ
[5] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور، ۱۴۰۵ھ
[6] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ، (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۱۸-۳۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

او فضة۔ [1]

کاشت کرے، ایک شخص سونے یا چاندی کے عوض زمین کو کرائے پر حاصل کرے۔

حافظ الہیثمی نے بھی اس حدیث کو طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔ [2]

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال کنا نکری ارض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونشترط ان لا نعرھا بعرۃ الناس۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کو کرایہ پر دیتے تھے اور اس میں شرط عائد کرتے تھے کہ ہم اس میں لوگوں کی کھاد نہیں ڈالیں گے۔

حافظ الہیثمی، امام طبرانی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم کراء الارض و لکن امر بمکارم الاخلاق۔ [4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے کرایہ پر دینے کو حرام نہیں کیا لیکن آپ نے حسن اخلاق کا حکم دیا ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن قتادۃ عن ابن المسیب، سالم بن عبداللہ وابراھیم النخعی کانوا لا یرون بکراء الارض باسا یکرون ارضھم۔ [5]

قتادہ کہتے ہیں کہ ابن مسیب، سالم بن عبداللہ اور ابراہیم نخعی زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور اپنی زمینیں کرائے پر دیتے تھے۔

عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ لم یکن یری بکراء الارض باسا۔ [6]

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ زمینوں کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

عن عبد الکریم الجزری قال: قلت لسعید بن جبیر ان عکرمۃ یزعمان کراء

عبدالکریم جزری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ عکرمہ یہ کہتے ہیں کہ زمین کو کرایہ پر دینا ٹھیک

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۵ھ
[2] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۴۰۲ھ
[3] 〃 (المرتب) کشف الاستار عن زوائد البزار مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۴ھ
[4] 〃 〃 〃 〃 مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۴۰۲ھ
[5] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ
[6] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۹۱، 〃 〃 〃 〃 〃

الارض لا يصلح، فقال كذب عكرمة، سمعت ابن عباس يقول: ان خير ما انتم صانعون في الارض البيضاء ان تكروا الارض البيضاء بالذهب و الفضة[1]

عن سعيد ان ابن عباس قال ان امثل ما انتم صانعون ان تستاجروا الارض البيضاء[2]

عن ابراهيم وسعيد بن جبير انهما قالا: لا باس بكراء الارض البيضاء[3]

عن حنظلة بن قيس قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الارض البيضاء، فقال، حلال لا باس به انما نهى عن الارماث ان يعطي الرجل الارض و يستثني بعضها و نحوه[4]

اخبرنا الثوري عن ابراهيم النخعي انه استاجر ارضا بيضاء الى اجل معلوم بذهب او فضة[5]

عن موسى بن عبد الله بن يزيد قال، سئل ابن عمر عن كراء الارض فقال ارضي و بعيري سواء[6]

نہیں ہے، سعید بن جبیر نے کہا عکرمہ نے جھوٹ بولا، میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے خود سنا ہے کہ خالی زمین کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ تم اس کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دو۔

سعید ابن جبیر) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے بہترین کام یہ ہے کہ تم خالی زمین کو کرایہ پر دو۔

ابراہیم اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ خالی زمین کو کرائے پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے رافع بن خدیج سے خالی زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا یہ حلال ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور نے ارماث سے منع کیا ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی کو زمین دے اور اس کی پیداوار کے بعض حصے کو مستثنیٰ کرے۔

ثوری کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے خالی زمین کو سونے یا چاندی کے عوض ایک مدت معین کے لیے کرائے پر لے لیا

موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زمین کو کرایے پر دینے کے بارے میں سوال کیا گیا: انھوں نے کہا میری زمین اور میرا اونٹ برابر ہیں۔

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ۔

[2] " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۲ " " " " " "

[3] " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۳-۹۲ " " " " " "

[4] " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۴ " " " " " "

[5] " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۴ " " " " " "

[6] " " " " المصنف ج ۸ ص ۹۴ " " " " " "

WWW.NAFSEISLAM.COM

اخبرنا اسماعیل بن ابی خالد عن انس بن مالک قال: ارضی و مالی سواء۔[1]

اسماعیل بن ابی خالد حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میرا مال اور میری زمین دونوں برابر ہیں۔

قال الزهری: فسئلت ابن المسیب عن کراءها بالذهب والورق فقال: لا باس به۔[2]

زہری کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب سے زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینے کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن نصیر بن ادهم قال: سمعت الضحاک بن مزاحم یقول: لا یصلح من الارض الا خصلتان ارض منحکها رجل یملک رقبتها او ارض استاجرتها باجر معلوم الی اجل معلوم۔[3]

نصیر بن ادھم کہتے ہیں کہ ضحاک بن مزاحم یہ کہتے تھے کہ زمین میں صرف دو صورتیں جائز ہیں ایک وہ زمین جو کسی شخص نے تم کو ہبہ کی اور تم اس کے مالک ہو گئے، یا وہ زمین جس کو تم نے مدت معین کے لیے معین اجرت کے عوض کرائے پر لیا۔

عن الحکم عن ابراهیم قال: ان امثل ابواب الزرع ان یستاجر الارض البیضاء باجر معلوم۔[4]

حکم کہتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا، کاشت کاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خالی زمین کو معین کرایہ پر لے لیا جائے۔

عن عکرمة، قال، لا باس بکری الارض بالطعام۔[5]

عکرمہ کہتے ہیں کہ طعام (اناج، غلہ) کے عوض زمین کو کرایہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن زیاد بن ابی مسلم قال: سألت سعید بن جبیر عن کری الارض بالدرهم والطعام فلم یر به باسا۔[6]

زیاد بن ابی مسلم کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا کہ آیا دراہم اور طعام کے عوض زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے؟ تو انھوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھی۔

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ المصنف ج ۸ ص ۹۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۲ھ

[2] " " المصنف ج ۸ ص ۹۴

[3] امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۶ھ

[4] " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، " " " "

[5] " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، " " " "

[6] " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، " " " "

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن ابی معشر عن ابراھیم قال: لا بأس ان تاخذ بطعام مسمی.[1]

ابو معشر کہتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا زمین کو معین طعام کے عوض کرائے پر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت کی روایات کے جوابات

شیخ ابن حزم اور زمین کو کرائے پر دینے کے دیگر منکرین نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ روایات اور ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن نافع ان ابن عمر کان یاجر الارض قال فنبئ حدیثا عن رافع قال فانطلق بی معہ الیہ قال فذکر عن بعض عمومتہ ذکر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن کراء الارض قال فترکہ ابن عمر فلم یاجرہ۔[2]

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر زمین کو کرائے پر دیتے تھے پھر ان کو حضرت رافع کی ایک روایت سنائی گئی وہ میرے ساتھ حضرت رافع کے پاس گئے حضرت رافع نے اپنے بعض چچاؤں سے یہ روایت بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے سے منع فرمادیا ہے پھر حضرت ابن عمر نے زمین کرائے پر نہیں دی۔

اس مضمون پر مشتمل حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

اس مضمون کی تمام حدیثوں کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں مختصر ہیں امام بخاری اور امام مسلم نے اگلی صفحات پر ان حدیثوں کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، جن کو ہم نے جمہور کے دلائل کے زیر عنوان با حوالہ پوری تفصیل سے بیان کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں بعض لوگ زمین کے ایک معین حصہ کی پیداوار کے عوض زمین کرائے پر دیتے تھے اور باقی حصہ کی پیداوار کاشتکار کے حصہ میں ہوتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر کی وجہ سے اس سے منع فرمادیا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مالک زمین کے حصہ والی زمین میں پیداوار ہو اور دوسرے حصہ میں پیداوار نہ ہو یا اس کے برعکس ہو، اور درہم، دینار اور طعام معروف کے عوض کرائے سے آپ نے منع نہیں کیا خود حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ درہم اور دینار کا کرایہ جائز ہے اور متعدد احادیث میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درہم اور دینار کے بدلے میں زمین کو کرائے پر دینے کا حکم دیا، ان احادیث کو ہم جمہور کے دلائل کے زیر عنوان پیش کر چکے ہیں۔

زمین کو کرائے پر دینے کے منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حدثنا ھناد ثنا ابوبکر بن عیاش عن ابی حصین عن مجاھد عن رافع بن خدیج قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امر کان لنا نافعا اذا

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے روک دیا جس میں ہمارا فائدہ تھا، جب ہم میں سے کسی کے

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

کانت لاحدنا ارض ان یعطیها ببعض خراجها او بدراهم وقال اذا کانت لاحدکم ارض فلیمنحها اخاہ او لیزرعها۔[1]

پاس زمین ہوتی تو وہ اس کو کچھ پیداوار کے عوض یا دراہم کے بدلہ کاشتکاری کے لیے دیتا، آپ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو یا اپنے بھائی کو ہبہ کر دو، یا اس میں خود کاشت کرو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام نسائی نے معلول قرار دیا ہے کیونکہ مجاہد نے اس حدیث کو رافع سے نہیں سنا، حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن عیاش ہے اس کے حافظہ پر تنقید کی گئی ہے۔ ابوعوانہ نے اس کو روایت کیا ہے اور وہ اپنے شیخ سے زیادہ ثقہ ہیں اور اس میں دراہم کا ذکر نہیں ہے۔ امام مسلم نے اس حدیث کو از سلیمان بن یسار از رافع بن خدیج کی سند سے بیان کیا ہے اور ان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں اس وقت سونے اور چاندی کے عوض کرایہ نہیں تھا۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ اور منکر ہے اور ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے، اس لیے مقبول نہیں ہے دوسرا جواب اس کا خود امام ترمذی نے دیا ہے وہ روایت کے اخراج کے بعد حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

عن طاؤس عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم المزارعة ولکن امر ان یرفق بعضهم ببعض هذا حدیث حسن صحیح۔[3]

طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں فرمایا لیکن آپ نے (ہبہ کا امر فرماکر) لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد[4] اور امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے[5] خلاصہ یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو مفت زمین دینا، کرائے پر دینے کی بہ نسبت افضل اور اولیٰ ہے۔ اس لیے کسی ضرورت مند کو زمین مفت دینے کی بجائے کرائے پر دینا افضل اور اولیٰ کے خلاف ہے۔ نہ یہ کہ ناجائز یا مکروہ تحریمی ہے۔

منکرین کا تیسرا اعتراض امام ابو داؤد کی اس روایت سے ہے:

حدثنی عثمان بن سهل بن رافع بن خدیج قال انی لیتیم فی حجر رافع بن خدیج وحججت معه فجاءه اخی عمران بن سهل فقال اکرینا ارضنا فلانة بمائتی درهم فقال دعه فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی

عثمان بن سہل بن رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت رافع بن خدیج کی گود میں یتیم تھا اور میں نے ان کے ساتھ حج کیا، حضرت رافع کے پاس میرا بھائی عمران بن سہل آیا اور کہا ہم کو اپنی فلاں زمین دو سو درہم کے عوض کرائے پر دے دو، حضرت رافع نے فرمایا اس کو چھوڑ دو

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۲۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[4] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۵-۱۲۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

[5] امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷ ص ۳۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

عن کراء الارض[1] کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے کیونکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح میں حضرت رافع بن خدیج سے یہ روایت ہے کہ درہم اور دینار کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے' اور صحیح مسلم میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرائے پر دینے کا حکم فرمایا۔ مسند بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین کو کرائے پر دیتے تھے اس لیے ان بکثرت صحیح روایات کے مقابلہ میں اس شاذ روایت کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے یعنی کرائے پر دینا افضل اور اولیٰ امر کے خلاف ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت سے ظاہر ہے:۔

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کانت لہ ارض فانہ ان منحھا اخاہ خیر لہ۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس (فالتو) زمین ہو وہ اسے اگر اپنے بھائی کو ہبہ کر دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ نے ص ۲۵۶ سے لے کر ۲۶۳ تک زمین کے کرائے پر بہت طویل علمی اور محدثانہ بحث کی ہے اور انھوں نے کرائے کا جواز ثابت کرنے کے لیے تقریباً ان تمام احادیث کو نقل کیا ہے جن کو ہم متعدد حوالوں سے پیش کر چکے ہیں اور مخالفین کی پیش کردہ روایات کے بھی امام طحاوی نے وہی جوابات ذکر کیے ہیں جن کو ہم بکثرت حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔ البتہ امام طحاوی نے ایک علمی اور دقیق جواب نادر بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

عن عروۃ بن الزبیر عن زید بن ثابت انہ قال: یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا واللہ کنت اعلم بالحدیث منہ انما جاء رجلان من الانصار الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اقتتلا فقال ان کان ھذا شانکم فلا تکروا المزارع فسمع قولہ لا تکروا المزارع۔[3]

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے بخدا میں اس حدیث کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے جو آپس میں لڑ رہے تھے، آپ نے فرمایا اگر تمہارا یہی حال ہے تو تم زمین کو کرائے پر مت دو، رافع بن خدیج نے آپ کا یہ قول سن لیا "زمین کو کرائے پر مت دو۔"

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوجعفر طحاوی فرماتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ سنا تھا "زمین کو کرائے پر مت دو" وہ بطور تحریم نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان لڑائی کو ناپسند کیا تھا[1] گویا آپ کا یہ حکم برائے شفقت تھا اور ان کے ساتھ خاص تھا اور حضرت رافع بن خدیج نے اس کو ایک حکم عام سمجھ کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ زمین کو نقد رقم، سونے، چاندی اور دیگر اشیائے متقومہ کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے اور اس کے خلاف جو روایات ہیں وہ یا ضعیف ہیں یا ان میں تاویل ہے، اسی طرح بعض تابعین کے اقوال پر جو اس کے خلاف ہیں ان میں یا تاویل ہے اور یا وہ اقوال مردود ہیں ائمہ اربعہ کا زمین کو کرائے پر دینے کے جواز پر اجماع ہے اور شیخ ابن حزم اور ان کے موافقین کے اقوال مردود ہیں اور ظاہر ہے احادیث کے مقابلہ میں ان اقوال کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

مخابرہ (زمین کو بٹائی پر دینے) میں مذاہب فقہاء

کاشتکاری کی چوتھی صورت مخابرہ ہے، یعنی مالک زمین، کاشتکار کے ساتھ یہ معاہدہ کرے کہ اس زمین سے جو پیداوار حاصل ہوگی اس کا مثلاً نصف، ثلث یا ربع میں لوں گا اور باقی پیداوار تمہاری ہوگی۔ مخابرہ میں بھی فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

اوّل: مخابرہ (مزارعت) مطلقاً جائز ہے، یہ امام احمد، امام ابو یوسف اور محمد کا قول ہے اور بعض شافعیہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے[2]

ابن حزم کا بھی یہی نظریہ ہے[3]

ثانی: مخابرہ (مزارعت) مطلقاً ناجائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کا قول ہے[4]

ثالث: مزارعت چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ان میں بنیادی شرط یہ ہے کہ مزارعت، مساقات کے ضمن میں ہو بایں طور کہ درختوں کے درمیان خالی زمین ہو اور ان میں کاشتکاری کی جائے۔ یہ امام شافعی کا قول ہے[5]

رابع: مزارعت، مساقات کے ضمن میں جائز ہے بشرطیکہ وہ خالی زمین جس میں کاشتکاری ہو وہ درختوں پر مشتمل جگہ کی ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کے حصہ کے عوض زمین کو دینا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک

---

[1] امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ھ

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی ظاہری متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ھ

[4] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۲۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

[5] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ناجائز ہے، البتہ امام شافعی اور امام مالک بعض شرائط کے ساتھ مساقات کے ضمن میں مزارعت کو جائز کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ مساقات کے ضمن میں بھی مزارعت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مساقات بھی ناجائز ہے۔

زمین کو بٹائی پر دینے کے عدم جواز میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ مزارعت کو حسب ذیل احادیث کی بناء پر ناجائز کہتے ہیں:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن رافع بن خدیج قال کنا نحاقل الارض علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فنکریها بالثلث والربع والطعام المسمی فجاءنا ذات یوم رجل من عمومتی فقال نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم عن امر کان لنا نافعا وطواعیة الله ورسوله انفع لنا نهانا ان نحاقل بالارض فنکریها علی الثلث والربع والطعام المسمی وامر رب الارض ان یزرعها او یزرعها وکره کراءها وما سوا ذلك۔[1]

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاشتکاری کرتے تھے اور زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور معین اناج کے عوض کرایہ پر دیتے تھے، ایک دن میرے ایک چچا آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک نفع آور چیز سے روک دیا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زیادہ نفع ہے۔ آپ نے زمین کو تہائی اور چوتھائی پیداوار اور معین اناج کے عوض کرایہ پر دینے سے روک دیا ہے اور زمین کے مالک کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ زمین میں خود زراعت کرے یا کسی کو زراعت کے لیے دے دے اور کرایہ پر دینے یا اس کے علاوہ کسی اور صورت کو ناپسند فرمایا۔

عن عبد الله بن السائب قال سالت عبد الله بن معقل عن المزارعة فقال اخبرنی ثابت بن الضحاك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن المزارعة۔[2]

عبد اللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا مجھے حضرت ثابت بن ضحاک نے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرما دیا۔

اس مضمون کی روایات حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ ہم نے وہ روایات پیش کی ہیں جو ائمہ ثلاثہ کے موقف پر زیادہ صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] " " " " صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴

WWW.NAFSEISLAM.COM

مزارعت پر اعتراضات کے جوابات

امام احمد، امام ابویوسف اور امام محمد کی طرف سے امام ذیلعی نے ائمہ ثلاثہ کی پیش کردہ روایات کے تین جوابات دیے ہیں:

پہلا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصومات اور لڑائی جھگڑے کی وجہ سے مزارعت سے منع فرمایا تھا اگر فریقین میں خصومات نہ ہوں تو پھر مزارعت ممنوع نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کی مغفرت فرمائے، بخدا مجھے اس حدیث کا (حضرت) رافع بن خدیج سے زیادہ علم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو انصاری صحابہ آئے جو آپس میں لڑ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہی روش ہے تو تم زمین کو کرائے پر نہ دیا کرو[1] اس حدیث کو امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام طحاوی نے بھی روایت کیا ہے۔

دوسرا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی پیداوار کے معروف حصہ کے عوض زمین دینے کو منع نہیں کیا بلکہ ایک خاص صورت سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ مالک زمین یہ کہتا تھا کہ زمین کے اس حصے کی پیداوار تمہاری ہوگی اور اُس حصے کی پیداوار تمہاری ہوگی پھر بسا اوقات اس حصے میں پیداوار ہوتی اور اُس حصے میں پیداوار نہ ہوتی اور کبھی اس کے برعکس ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص صورت میں مزارعت سے منع فرمایا ہے مطلقاً مزارعت سے منع نہیں فرمایا۔ اس کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۸۴۰ اور ۳۸۴۱ ہے۔

تیسرا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تحریم مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ بطور تنزیہ منع فرمایا ہے، کیونکہ فالتو زمین اپنے کسی مسلمان بھائی کو مفت دے دینا اس کو مزارعت پر دینے سے افضل ہے اس کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۸۵۵، ۳۸۵۶، ۳۸۵۷، ۳۸۵۸، ۳۸۵۹ میں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے حضرت رافع کی حدیث کے چار جواب دیے ہیں ایک جواب وہی ہے جو علامہ ذیلعی نے دیا ہے کہ زمین کے حصے متعین کر کے اس کی پیداوار کے لین دین سے منع کیا ہے۔

دوسرا جواب: حضرت رافع کی حدیث زمین کی تہائی یا چوتھائی پیداوار کو بطور کرایہ لینے کے بارے میں ہے اور ہماری بحث مزارعت میں ہے اور یہ حدیث مزارعت کی نفی پر بالکل دلالت نہیں کرتی، اور حضرت رافع کی جس حدیث میں مزارعت کا ذکر ہے اس کو کرائے پر بھی محمول کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایک ہی قصہ ہے جس کو مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ حدیث کے الفاظ کی ایسی تفسیر کی جائے جو دوسری روایات کے موافق ہو۔

تیسرا جواب: حضرت رافع کی حدیث میں بہت زیادہ اضطراب اور اختلاف ہے جو اس حدیث پر ترک عمل کا موجب ہے۔ امام احمد نے کہا حدیث رافع کے کئی رنگ ہیں، نیز کہا اس کی کئی قسمیں ہیں، ابن منذر نے کہا یہ حدیث معلل ہے جس کی وضاحت حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات سے ہوتی ہے۔ نیز یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں کرائے سے علی الاطلاق ممانعت ہے۔ کسی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت رافع اپنے بعض چچاؤں سے روایت کرتے ہیں، کسی میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے خود سنا ہے، کسی میں ہے کہ انہوں نے ظہیر بن

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

رافع سے سنا ہے، اس کے برخلاف جن روایات میں مزارعت کے ثبوت کا ذکر ہے وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور تمام خلفاء راشدین نے ان پر عمل کیا ہے پس ان احادیث متواترہ کو چھوڑ کر اس مضطرب حدیث پر عمل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

چوتھا جواب:۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت رافع کی حدیث صحیح ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، تو پھر یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں خیبر کی زمین کو مزارعت پر دینے کا ذکر ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خیبر کی حدیث کو منسوخ مان لیا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ اس حدیث پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک عمل ہوتا رہا ہے پھر آپ کے وصال کے بعد سے تابعین کے زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا ہے تو پھر اس کا نسخ کیسے ہو سکتا ہے۔!

حضرت جابر سے جو مخابرہ (مزارعت) کی ممانعت کی حدیث منقول ہے اس کے بھی یہی چار جواب ہیں کیونکہ حضرت جابر سے ہی خیبر کی زمین کو مزارعت پر دینا مروی ہے، پس ان میں سے کوئی ایک حدیث منسوخ ہوگی اور خیبر مزارعت پر دینے والی حدیث تو منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر سرکار ابد قرار کے عہد مبارک سے لے کر عصر تابعین تک مسلسل عمل ہوتا رہا ہے اس لیے ضرور مخابرہ والی روایت منسوخ قرار پائے گی۔[1]

مزارعت کے جواز پر دلائل

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: مزارعت کا معنی یہ ہے کہ مالک زمین، اپنی زمین کاشتکار کو دے، اور فصل ان دونوں کے درمیان پہلے سے طے شدہ حصہ کے مطابق تقسیم کر لی جائے۔ اور یہ بہت سے اہل علم کے نزدیک جائز ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: ابو جعفر نے کہا تمام اہل مدینہ تہائی یا چوتھائی پیداوار پر مزارعت کرتے ہیں، حضرت علی، حضرت سعد، حضرت ابن مسعود اور عمر بن عبدالعزیز نے مزارعت کی ہے، آل علی، آل ابوبکر، عروہ اور ابن سیرین وغیرہ مزارعت کرتے رہے ہیں، فقہاء تابعین میں سے سعید بن مسیب، طاؤس، عبدالرحمان بن الاسود، موسیٰ بن طلحہ، زہری، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے یہ طے کیا کہ اگر بیج حضرت عمر کے ہوں تو وہ نصف لیں گے اور اگر بیج مزارعین کے ہوں تو وہ اس قدر لیں گے۔ عکرمہ، مجاہد، نخعی اور امام ابو حنیفہ نے مزارعت کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس سے دونوں روایتیں ہیں، امام شافعی درختوں کے درمیان مزارعت کو جائز کہتے ہیں اور خالی زمین میں ناجائز کہتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے کھیتوں اور باغات کے نصف پر عمل کرایا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

ابو جعفر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا، پھر حضرت ابوبکر نے، پھر حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان نے پھر حضرت علی نے، پھر ان کے اہل آج تک تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض مزارعت کراتے رہے یہ امر صحیح اور مشہور ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس پر عمل کیا،

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ المغنی ج ۵ ص ۲۴۲ - ۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

آپ کے بعد خلفائے راشدین اس پر تا حیات عمل کرتے رہے۔ پھر ان کے اہل کا اس پر عمل رہا، اور تمام اہل مدینہ مزارعت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے بھی مزارعت پر عمل کیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے اس شرط پر عمل کرایا کہ باغات اور کھیتوں سے جو پیداوار ہوگی اس کا نصف انہیں دینا ہوگا، پھر آپ ازواج مطہرات کو ایک سو وسق دیتے تھے۔ اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو، پھر جب حضرت عمر نے اموال خیبر تقسیم کیے تو انھوں نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ یا تو وہ پانی اور زمین لے کر مزارعت کرائیں یا وہ ان کے لیے وسق جاری کر دیں، سو بعض ازواج نے زمین کو اختیار کیا اور بعض نے وسق کو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمین کو اختیار کیا۔ اور اس قسم کی حدیث منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ نسخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوتا تھا، لیکن جس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک عمل ہوتا رہا، پھر آپ کے بعد خلفاء راشدین کا اس پر عمل رہا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر عمل کیا اور ان میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی، اس کا نسخ کیسے جائز ہوگا؟ اور اس کو کب منسوخ کیا جائے گا؟ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں منسوخ ہوا تھا تو پھر آپ نے بعد میں اس پر عمل کیسے کیا؟ اور یہ نسخ مخفی رہا جو خلفاء راشدین کو معلوم نہ ہو سکا حالانکہ خیبر کی مزارعت کا قصہ بہت مشہور تھا، پھر وہ نسخ کا راوی کہاں گیا؟ جس نے ان کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچائی؟ لہ

احادیث مخابرہ پر فقہاء احناف کے اعتراضات

علامہ ابن ہمام نے امام ابوحنیفہ کی طرف سے خیبر کی زمین میں مزارعت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ خراج مقاسمہ تھا، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ خراج کی دو قسمیں ہیں، خراج وظیفہ اور خراج مقاسمہ۔ خراج وظیفہ یہ ہے کہ امام ہر سال مال پر کچھ ٹیکس مقرر کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران پر مقرر کیا تھا کہ وہ ہر سال بارہ سو حلے پیش کریں اور خراج مقاسمت یہ ہے کہ امام زمین کی پیداوار سے خراج لے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے خراج لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیداوار سے نصف وصول کریں گے۔ جامع صغیر میں ہے کہ اس حدیث میں جواز مزارعت پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین کے ازروئے غنیمت مالک ہو گئے تھے، اگر آپ کل پیداوار بھی لے لیتے تو جائز تھا، آپ نے اس میں سے جو نصف ان کے لیے چھوڑا وہ آپ کا فضل تھا نیز اس پر اجماع ہے کہ عقد مزارعت مدت کے تعین کے بغیر جائز نہیں ہے اور اس حدیث میں مدت کے تعین کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے یہ حدیث مزارعت کے لیے حجت نہیں بن سکتی۔ لہ

احادیث مخابرہ پر اعتراضات کے جوابات

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ خراج کفار کی زمین سے لیا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں کی زمین تھی، اور علامہ ابن ہمام کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نصف پیداوار کو بطور خراج لازم کیا تھا بلکہ خیبر کے یہودیوں نے خود یہ پیش کش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی اس زمین پر مزارعت کریں گے اور اس کے عوض ان کو

لہ۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۴۲ - ۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

لہ۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۸ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

نصف پیداوار دی جایا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو منظور فرما لیا تھا نیز یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں مدت کے تعین کا ذکر نہیں اور مدت مجہول کا عقد صحیح نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ عقد ایک سال کا تھا اور ہر سال اس عقد کی تجدید ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جتنے سال تک ہم چاہیں گے اس عقد کو قائم رکھیں گے اور جب چاہیں گے اس عقد کو فسخ کر دیں گے اس کی مزید وضاحت (۴۸۹) کتاب المساقات میں ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اجلی الیھود والنصاری من ارض الحجاز وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ظھر علی خیبر اراد اخراج الیھود منھا وکانت الارض حین ظھر علیھا للہ ولرسولہ وللمسلمین فاراد اخراج الیھود منھا فسالت الیھود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیقرھم بھا علی ان یکفوا عملھا ولھم نصف الثمر وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقرکم بھا علی ذلک ما شئنا فقروا بھا حتی اجلاھم عمر الی تیماء واریحا۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے یہود اور نصاریٰ کو سرزمین حجاز سے نکال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو آپ نے خیبر سے یہودیوں کو نکالنے کا ارادہ کیا اور جس وقت آپ نے خیبر کو فتح کر لیا تو یہ زمین اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو گئی تھی، جب آپ نے یہودیوں کو وہاں سے نکالنا چاہا تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ یہود کو وہاں رہنے دیں اور خیبر کی زمین میں وہ کاشتکاری کریں گے اس کے عوض ان کو آدھی پیداوار دی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس معاملے پر برقرار رکھیں گے، پھر ان کو وہاں برقرار رکھا گیا حتیٰ کہ حضرت عمر نے ان کو تیما اور اریحا کی طرف نکال دیا۔

بعض احناف نے احادیث خیبر کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احادیث فعلی ہیں اور مخابرہ سے نفی کی احادیث قولی ہیں اور قولی احادیث فعلی احادیث پر راجح ہوتی ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مخابرہ کی نفی والی حدیث کے ہم اس سے پہلے علامہ ابن قدامہ حنبلی اور علامہ ذہبی حنفی کے حوالوں سے صحیح جواب ذکر کر چکے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث مزارعت کی ممانعت پر استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لیے اس کا احادیث خیبر سے کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ ثانیاً احادیث خیبر میں صرف فعل نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ہے آپ نے فرمایا: نقرکم بھا علی ذلک ما شئنا "ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں گے" نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس معاملہ پر عمل کیا اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جس فعل پر استمرار ہو وہ بمنزلہ قول ہے۔

بعض فقہاء احناف نے یہ جواب دیا ہے کہ احادیث خیبر مزارعت کو مباح کرتی ہیں اور احادیث ممانعت مخابرہ اس کو حرام کرتی ہیں اور تعارض کے وقت محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔ یہ جواب بھی اس لیے صحیح نہیں ہے کہ

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

چونکہ ممانعت مخابرہ کی احادیث ممانعت پر استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتیں جیساکہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس لیے یہاں سرے سے تعارض ہی نہیں ہے ثانیاً یہ قاعدہ اس وقت جاری ہوتا ہے جب تاریخ مجہول ہو اور جب تاریخ معلوم ہو تو مؤخر پر عمل کیا جاتا ہے اور یہاں تاریخ معلوم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر حیات تک خیبر کی مزارعت کو برقرار رکھا اور بعد میں خلفاء راشدین نے بھی مزارعت پر عمل کیا لہٰذا احادیث خیبر کو ہی ترجیح ہے۔

احادیث مخابرہ پر فقہاء شافعیہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

فقہاء شافعیہ نے احادیث خیبر کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس زمین پر اہل خیبر سے معاہدہ کیا گیا تھا وہ درختوں کے درمیان ہو، علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس جواب کو پانچ وجوہ سے رد کیا ہے۔ اوّل یہ کہ یہ بات بہت بعید ہے کہ ایک بڑا شہر ہو جس سے چالیس ہزار وسق غلہ حاصل ہوتا ہو اور اس میں کوئی خالی زمین نہ ہو جس میں کاشت کی جا سکے، اور یہ بھی بہت بعید ہے کہ پوری زمین پر کاشت نہ کی جاتی ہو صرف بعض زمین پر کاشت ہوتی ہو اور راوی اس واقعہ کو بغیر کسی تفصیل کے علی العموم بیان کریں۔ ثانی یہ کہ فقہاء شافعیہ نے جو تاویل ذکر کی ہے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ہم نے جو معنی ذکر کیا ہے اس پر بعض روایات صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ ثالث یہ کہ ان کی تاویل سے ہر دو حدیثوں میں قید لگانی پڑے گی رابع یہ کہ ہم نے جو محمل بیان کیا ہے وہ بعض خلفاء راشدین کے عمل سے مؤید ہے۔ خامس یہ کہ ہم نے جو محمل بیان کیا ہے اس پر اجماع ہے کیونکہ ابن منذر نے نقل کیا ہے کہ تمام اہل مدینہ، خلفاء اربعہ، ان کے اہل وعیال اور تمام فقہاء علی الاستمرار مزارعت کرتے رہے ہیں اور اس کا مخفی ہونا ناممکن ہے اور صحابہ میں سے کوئی ایک بھی مزارعت کا منکر نہیں تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اس کے معانی کا ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے[1]

جوازِ مزارعت کے ثبوت میں احادیث آثار اور اقوال تابعین

امام حمیدی روایت کرتے ہیں:

حدثنا الحمیدی قال، ثنا سفیان قال، ثنا عمرو: قال: قلت لطاؤس: یا ابا عبد الرحمن لو ترکت المخابرۃ فانہم یزعمون ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنہا: فقال ای عمرو اخبرنی اعلمہم بذلک یعنی ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ عنہا ولکن قال لان یمنح احدکم اخاہ ارضہ خیر لہ من ان یاخذ علیہ

امام حمیدی کہتے ہیں ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں ہمیں عمرو نے بیان کیا کہ میں نے طاؤس سے کہا اے ابو عبد الرحمان! کاش تم مخابرہ (زمین کو بٹائی پر دینا) چھوڑ دو! کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے، طاؤس نے کہا: اے عمرو! جو ان میں سب سے زیادہ حدیث کا عالم ہے یعنی حضرت ابن عباس انھوں نے مجھے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص

[1] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۳۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

خرجا معلوما وان معاذا حين قدم اليمن اقرهم عليها وانى اى عمرو اعينهم واعطيهم فان ربحوا فلى ولهم وان نقصوا فعلى وعليهم وان الحيقلة فى الانصار فسل عنها فسئلت على بن ابى رفاعة فقال هى المخابرة۔[1]

اپنے بھائی کو زمین مفت دے دے تو وہ اس کو معاوضہ پر دینے سے بہتر ہے، اور حضرت معاذ جب یمن آئے تو آپ نے اہل یمن کو کاشتکاری پر برقرار رکھا اور لے عمرو! میں ان کی مدد کرتا ہوں اور ان کو معاوضہ دیتا ہوں اگر نفع ہوتا ہے تو وہ بھی میرا اور ان کا مشترک ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو وہ بھی میرا اور ان کا مشترک ہوتا ہے اور انصار میں کھیتی باڑی ہوتی ہے ان سے پوچھو وہ کس طرح کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ میں نے علی بن ابو رفاعہ سے پوچھا انھوں نے کہا مخابرہ کرتے ہیں یعنی بٹائی پر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن المسيب قال: دفع رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر الى يهود يعملونها ولهم شطرها فمضى على ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وسنتين من خلافة عمر حتى اجلاهم عمر منها۔[2]

ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین یہود کو مزارعت پر دی وہ اس سے نصف پیداوار لیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اس معاملے کو جاری رکھا، آپ کے بعد حضرت ابوبکر نے اسے جاری رکھا، اور حضرت عمر نے دو سال جاری رکھا، پھر ان (یہود) کو خیبر سے نکال دیا۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابى جعفر قال: عامل رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل خيبر على الشطر ثم ابوبكر وعثمان وعلى ثم اهلوهم الى اليوم يعطون الثلث والربع۔[3]

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو نصف پیداوار کے عوض زمین بٹائی پر دی، پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان نے بٹائی پر دی، پھر ان کے اہل و عیال آج تک تہائی اور چوتھائی کے عوض زمین بٹائی پر دیتے رہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن موسى بن طلحة قال: اقطع عثمان لخمسة من اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لعبد الله، ولسعد وللزبير، ولخباب و

موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صحابہ کو زمین عطا کی، حضرت عبداللہ، حضرت سعد، حضرت زبیر، حضرت

[1] حافظ عبداللہ بن زبیر حمیدی، المسند ج ۲ ص ۳۳۷ - ۳۳۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت

[2] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۸ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[3] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۳۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۶ھ

لاسامة بن زید فکان جاری عبد الله وسعد یعطیان ارضهما بالثلث۔[1]

لُبابہ اور حضرت اسامہ بن زید کہ حضرت عبداللہ اور حضرت سعد میرے پڑوسی تھے وہ اپنی زمین کو تہائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]
امام عبدالرزاق بیان کرتے ہیں:

عن ابی جعفر محمد بن علی یقول، آل ابی بکر وآل عمر وآل علی، یدفعون ارضیهم بالثلث والربع۔[3]

ابوجعفر محمد بن علی کہتے ہیں کہ آل ابی بکر، آل عمر اور آل علی اپنی زمینوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

عن ابی جعفر قال ما بالمدینة اهل بیت هجرة الا یعطون ارضهم بالثلث والربع۔[4]

ابوجعفر بیان کرتے ہیں کہ تمام مہاجرین مدینہ اپنی زمینوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے[5]
امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں:

عن موسی بن طلحة قال: کان سعد وابن مسعود یزارعان بالثلث والربع۔[6]

موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد اور حضرت ابن مسعود اپنی زمینوں کو تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

عن یحیی بن سعید ان عمر بن عبدالعزیز کان یامر باعطاء الارض بالثلث والربع[7]

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض زمین کو بٹائی پر دیتے تھے۔

عن مجاهد عن ابن عمر انه کان یدفع ارضه بالثلث۔[8]

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنی زمین کو تہائی پیداوار کے عوض بٹائی پر دیتے تھے۔

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۹۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعة الاولیٰ ۱۳۹۲ھ
[2] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
[3] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ
[4] 〃 〃 ، المصنف ج ۸ ص ۱۰۰
[5] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
[6] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۳۳۷،
[7] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۱،
[8] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۳۴۳،

WWW.NAFSEISLAM.COM

زمین کو بٹائی پر دینے میں فقہاء احناف کا موقف

بکثرت احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہے اس لیے فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام اعظم امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

الا ان الفتوی علی قولهما لحاجة الناس الیها ولظهور تعامل الامة بها والقیاس یترك بالتعامل كما فی الاستصناع۔[1]

فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت ہے اور تمام امت کا مزارعت پر عمل ہے، اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اجارہ میں ہے۔

اس بحث کی مزید وضاحت کے لیے اگلے باب (نمبر ۴۹۹) کا بھی مطالعہ کر لینا چاہیے۔

قرآن مجید کی روشنی میں زمین کی شخصی ملکیت پر بحث ونظر

بعض لوگ جو اشتراکی نظریات کا ثبوت قرآن مجید سے کشید کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہے کہ زمین کا کوئی شخص مالک نہیں ہو سکتا اور ملکیت زمین کا مسئلہ بادشاہت کی دریافت ہے اس لیے زمین کو کرائے یا بٹائی پر دینا، یا زمین پر مکان بنا کر کرائے پر اٹھانا سب از روئے اسلام ناجائز ہیں کیونکہ جب زمین کا کوئی انسان مالک ہی نہیں ہو سکتا تو مکانوں اور زمینوں کا کرایہ سب باطل ہو گیا اس سلسلہ میں یہ لوگ پہلی آیت یہ پیش کرتے ہیں: ان الارض للہ "زمین اللہ کی ملکیت ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: للہ ما فی السموٰت و الارض (لقمان: ۲۶) "آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ ہی کی ملکیت ہے" اس طرز استدلال کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے پاس کھانے پینے، پہننے اور استعمال کی جتنی چیزیں ہیں ان میں سے کسی چیز کا بھی انسان مالک نہیں ہے اور جس طرح ہوا، روشنی، پانی اور زمین پر سب کا حق ہے اور وہ سب کے لیے مشترک ہیں اس طرح کوئی چیز کسی کی ملکیت میں نہیں ہے پھر صرف زمین اور کارخانے ہی نہیں بلکہ ہر گھر اور اس کی تمام چیزیں پوری قوم بلکہ پوری انسانیت کے استعمال کے لیے مباح ہونی چاہئیں اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے پوری آیت نہیں پڑھی ورنہ اس سوال کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے پوری آیت اس طرح ہے:

قال موسیٰ لقومه استعینوا باللہ و اصبروا ان الارض للہ یورثها من یشاء من عباده والعاقبة للمتقین۔ (الاعراف: ۱۲۸)

(حضرت) موسیٰ نے اپنی امت سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بے شک زمین صرف اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور حسن عاقبت پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔

اس پوری آیت کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بے شک زمین صرف اللہ کی ملکیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخرین ص ۴۲۵ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

جس کو چاہتا ہے اس کو ایک عارضی مدت کے لیے اس زمین کا مالک بنا دیتا ہے۔

ان لوگوں کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے والارض وضعها للانام (رحمان : ۱۰) "اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین کو بنایا" اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین تمام مخلوق کے استفادے کے لیے بنائی گئی ہے اور تمام مخلوق زمین سے تب ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے جب اس زمین پر کسی کی شخصی ملکیت نہ ہو، اس کا ایک جواب یہ ہے کہ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (بقرہ : ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں سب چیزیں پیدا کیں" اس طرز استدلال کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ زمین میں جہاں کہیں بھی جو کچھ بھی ہے وہ تمام انسانوں کے نفع کے لیے ہے پھر جس شخص کے پاس جو کچھ بھی کپڑا، نقدی، کھانے پینے اور استعمال کی چیزیں ہیں اس پر سب لوگوں کا حق ہے اور جو شخص چاہے اس سے وہ چیزیں لے سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا ملکیت زمین سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے ذکر کے سلسلے میں بیان فرمایا ہے اس کے بعد والی آیت ہے: فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام ٥ والحب ذو العصف والریحان (رحمان : ۱۱-۱۲) "اس (زمین) میں میوے اور (قدرتی) غلاف والی کھجوریں، اور بھس والا غلہ اور خوشبو دار پھل ہیں اور یہ تمام نعمتیں ایسی ہیں جن میں شخصی ملکیت جاری ہوتی ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں ارشاد ہے: "اللہ تعالیٰ نے زمین کو (تمام) مخلوق (کے استفادے) کے لیے بنایا ہے" یہاں تمام انسانوں کے فائدہ کے لیے نہیں فرمایا اور دوسری بات یہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ زمین بھی حکماً جمع ہے اور انام بھی جمع ہے اور جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو آحاد کی آحاد کی طرف تقسیم ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ روئے زمین کے تمام قطعات تمام مخلوق کے استفادے کے لیے ہیں، بایں طور کہ ہر مخلوق اپنے اپنے قطعہ ارض سے فائدہ حاصل کر رہی ہے اس کو یہ لازم نہیں ہے کہ مخلوق کا کوئی ایک فرد تمام قطعات ارض سے استفادے کا حق رکھتا ہے، بلکہ ہر مخلوق اپنے اپنے قطعہ ارض سے فائدہ حاصل کرتی ہے اس لیے فرمایا "اسی نے مخلوق کے لیے زمین کو بنایا"۔

اشتراکیوں کا تیسرا استدلال اس آیت سے ہے:

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون له اندادا ذلك رب العالمین ٥ وجعل فیها رواسی من فوقها وبارك فیها وقدر فیها اقواتها فی اربعة ایام سواء للسائلین۔

(حٰم السجدۃ ۴۱ : ۹-۱۰)

آپ فرمائیے کیا یقیناً تم ضرور اس (اللہ) کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور تم اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو، وہ سارے جہان کا پروردگار ہے اور جس نے زمین کے اوپر بھاری پہاڑوں کو گاڑ دیا، اور اس میں (بہت) برکت فرمائی، اور اس زمین میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو طلب کرنے والوں کے لیے برابر ہیں۔

ہم نے اس آیت کا ترجمہ اشتراکیوں کے استدلال کے اعتبار سے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین اور اس کی غذائیں تمام ضرورتمندوں اور سائلوں کے لیے برابر ہیں اور زمین پر شخصی ملکیت کی صورت میں زمین اور اس کی غذائیں سب سوالیوں کے لیے برابر نہیں ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ غلط ہے، مفسرین نے سواء (برابر) کا تعلق ایام کے ساتھ کیا ہے۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کتنے عرصہ میں بنایا تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی زمین اور اس کی غذاؤں کو پورے چار روز میں کسی کمی و بیشی کے بغیر بنایا ہے، اور آیت کا ترجمہ یوں ہوگا اور اس زمین میں اس (کے رہنے والوں)

کی غذائیں پورے چار دنوں میں مقدر فرمائیں جو طلب کرنے والوں کے لیے ہیں، علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ سواء، اربعۃ، ایام کی صفت ہے اور سائلین کا تعلق اقواتہا سے ہے اور اب ترجمہ یوں ہوگا، اس زمین میں رزق مانگنے والوں کی غذائیں پورے چار دنوں میں مقدر فرمائیں۔ علامہ ابن کثیر وغیرہ نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے زمین میں مقدر کر دیا ہے اس میں ہر سائل مساوی ہے۔ سائلین کے لیے وہ تمام رزق مساوی ہے یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے جس رزق کا بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق اسے عطا فرماتا ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے: واتاکم من کل ما سألتموہ (ابراہیم: ۳۴) "اور (اللہ تعالیٰ نے) تمہاری تمام مانگی ہوئی چیزوں میں سے تمام کو (بہت کچھ) دیا۔"

احادیث کی روشنی میں زمین کی شخصی ملکیت پر بحث و نظر

بعض سوشلسٹ حضرات احادیث سے بھی زمین کی شخصی ملکیت پر استدلال کرتے ہیں: چنانچہ اس سلسلے میں صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:

عن جابر قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ فضل ارض فلیزرعہا او لیمنحہا اخاہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کے پاس فالتو زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کرے ورنہ وہ زمین اپنے بھائی کو عطا کر دے۔

سوشلسٹ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت دی ہے کہ جو شخص اپنی زمین کاشت نہیں کر سکتا اس پر واجب ہے کہ وہ زمین اپنے کسی اور مسلمان بھائی کو دے دے اور اس کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس زمین کو کرائے یا بٹائی پر دے! اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ زمین پر شخصی ملکیت جائز نہیں ہے اور نہ ہی زمین کو کرائے یا بٹائی پر دینا جائز ہے۔

اس حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے حسب عادت پوری حدیث پیش نہیں کی ورنہ اس کا جواب اسی حدیث میں ہے، پوری حدیث اس طرح ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ قال کان لرجال فضول ارضین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ فضل ارض فلیزرعہا او لیمنحہا اخاہ فان ابی فلیمسک ارضہ۔[1]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کے پاس فالتو زمینیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ملکیت میں فاضل زمین ہو وہ اس میں خود کاشت کرے، یا اپنے کسی بھائی کو عاریتاً دے اور اگر اس سے انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

امام مسلم نے یہ حدیث متعدد اسانید سے روایت کی ہے، ایک اور سند سے ملاحظہ ہو:

عن ابی ہریرۃ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت لہ ارض فلیزرعہا او لیمنحہا اخاہ فان ابی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جس شخص کی ملکیت میں زمین ہو اس میں وہ خود کاشت کرے، یا اپنے بھائی کو عاریتاً دے اور اگر

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

فلیمسك ارضه۔ [1] اس سے انکار کرے تو اپنی زمین اپنے پاس رکھے۔

یہ حدیث زمین کی شخصی ملکیت کی نفی پر نہیں بلکہ شخصی ملکیت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے، اولاً اس لیے کہ من کانت له ارض میں لام تملیک کا ہے یعنی جس شخص کی ملکیت میں زمین ہو، ان الفاظ سے آپ نے زمین کی شخصی ملکیت کا اثبات فرمایا ہے، ثانیاً اس لیے کہ آپ نے فرمایا او لیمنحها اخاه اور منحة کا معنی عاریت ہے

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

یمنح اعاره ولا تکون المنیحة الا المعارة اللبن خاصة وفی الحدیث المنحة مردودة [2]

منح کا معنی عاریۃً دینا ہے، منیحة صرف دودھ کی عاریت کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے منحة واپس کی ہوتی ہے، یعنی واپس کی جائے گی۔

اور فاضل زمین کو عاریۃً دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ زمین دینے والے کے ملکیت میں ہے ثالثاً اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ اگر وہ زمین کسی کو نہیں دیتا تو اسے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس زمین کو اپنی ملکیت میں رکھے، اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مالک زمین پر کسی کو فالتو زمین دینا واجب نہیں ہے، اور نہ اس سے زمین کو کرائے پر دینے کی ممانعت لازم آتی ہے اس کی مزید وضاحت صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم ینه عنها انما قال یمنح احدکم اخاه خیر له من ان یأخذ علیها خرجا معلوما۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع نہیں فرمایا، صرف یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو زمین عاریۃً دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے کوئی معین معاوضہ لیا جائے۔

مزید وضاحت کے لیے اس باب میں زمین کو کرائے پر دینے کی ہماری بحث ایک بار پھر دیکھی جائے گی۔

کیا مکانوں کو کرایہ پر دینا شرعاً حرام اور سود ہے؟

سوشلسٹ حضرات مکانوں کے کرائے کو سود قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مالک مکان، مکان کے عوض جو کرایہ لیتا ہے اس کو یہ کرایہ بغیر کسی محنت اور خرچ کے حاصل ہوتا ہے، اس کا مکان جوں کا توں قائم رہتا ہے، اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور وہ مکان کی بنیاد پر ماہ بماہ کرایہ حاصل کرتا رہتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کو سود پر کچھ رقم قرض دے اس کی رقم جوں کی توں محفوظ رہے اور وہ ماہ بماہ اس پر سود لیتا رہے، سو جس طرح سود ناجائز ہے اسی طرح مکانوں کا کرایہ لینا بھی ناجائز ہے!

سوشلسٹ حضرات کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے اول تو یہ بات غلط ہے کہ مکان کا کرایہ بغیر کسی محنت اور خرچ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ مکان بنانے میں مالک مکان کا پیسہ اور وقت خرچ ہوتا ہے اور اس پر محنت بھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ پیسہ

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولی، ۱۳۷۵ھ

[2] السید محمد مرتضی حسینی زبیدی حنفی مصری متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ المطبعة الخیریہ ۱۳۰۶ھ

[3] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعة الاولی، ۱۳۷۵ھ

محنت سے حاصل ہوتا ہے، نیز یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ مکان جوں کا توں قائم رہتا ہے کیونکہ مکان غیر متناہی مدت تک قائم نہیں رہتا بلکہ مکان کی بقاء اور زندگی ایک متناہی عرصہ کے لیے ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ مکان کی زندگی سو سال ہے، اور سو سال بعد وہ اس قدر خستہ اور بوسیدہ ہو جائے گا کہ قانون کے مطابق اس کا گرانا ضروری ہوگا، اب اگر کرایہ دار اس میں ایک سال رہتا ہے تو اس مکان کی زندگی اور بقاء ایک سال کم ہو گئی، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ کرایہ دار کے رہنے سے مکان میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور وہ جوں کا توں رہتا ہے، ثانیاً مکان میں بجلی اور گیس کی فٹنگ کی دیکھ بھال اور ضروری مرمت پر بھی مالک مکان کا خرچ ہوتا رہتا ہے، ہالک مکان، مکان کا جو ٹیکس ادا کرتا ہے اس پر بھی اس کا خرچ ہوتا رہتا ہے، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ مالک مکان کا مکان پر کچھ خرچ نہیں ہوتا، نیز جس طرح کاروبار میں خطرہ (RISK) ہوتا ہے اسی طرح مکان میں بھی خطرہ رہتا ہے کوئی پتا نہیں کہ کسی قدرتی آفت یا ناگہانی مصیبت سے کب مکان تباہ ہو جائے، جبکہ سود میں کوئی خطرہ (RISK) نہیں ہوتا، نہ اس میں اصل مالیت میں کمی واقع ہوتی ہے، نہ اصل مالیت پر کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لیے مکان کے کرائے کو سود پر قیاس کرنا قطعاً باطل اور غلط ہے، جس طرح اور دیگر اشیاء مثلاً سائیکل، مشینیں اور پنکھوں کا کرایہ لینا جائز ہے اور جس طرح بس، ریل اور ہوائی جہاز کا کرایہ لینا جائز ہے اسی طرح مکانوں کا کرایہ لینا بھی جائز ہے۔

مکانوں کے کرائے کو سود قرار دینے پر ایک حدیث سے استدلال اور اس کا جواب

بعض سوشلسٹ علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے: من اکل کرایۃ بیوت مکۃ فقد اکل الربوا۔ "جس شخص نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھایا اس نے سود کھایا"، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھانا سود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں سود کا لفظ راوی نے غلطی سے ذکر کیا ہے۔ اصل روایت کے الفاظ یہ ہیں "جس شخص نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ لیا اس نے آگ کھائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حدیث من اجر ارض مکۃ فکانما اکل الربوٰا ھذا کانہ تصحیف عن قول فکانما یاکل نارًا۔ [1]

"جس شخص نے مکہ کی زمین کرایہ پر دی گویا اس نے سود کھایا" حدیث کے ان الفاظ میں غلطی سے تبدیلی ہو گئی اصل میں یوں ہے گویا اس نے آگ کھائی۔

حافظ ذیلعی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ امام دارقطنی نے اس حدیث کو حج کے آخر میں" اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے" عن ایمن بن نابل عن عبید اللہ بن ابی زیاد عن ابی نجیح عن عبد اللہ بن عمرو رفعہ الحدیث۔[2]

حافظ زیلعی کو دراصل تسامح ہوا ہے، امام دارقطنی نے کتاب الحج کے آخر میں من اکل کرایۃ بیوت مکۃ فقد اکل الربوٰا۔ نہیں بیان کی بلکہ یہ حدیث بیان کی ہے: من اکل کرایۃ بیوت مکۃ اکل نارًا [3] اور سند

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، الدرایۃ ج ۲ ص ۲۳۶ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔

[2] حافظ جمال الدین زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۶۴۔۲۶۵ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

[3] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳۰۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں ایمن بن نابل ... کی جگہ ابن اسرائیل ہے علاوہ ازیں حافظ ذہبی نے امام دارقطنی کی طرف جو سند منسوب کی ہے اس کے تمام راوی ضعیف ہیں ایمن بن نابل کے متعلق علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یعقوب بن شیبہ نے اس کو ضعیف کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۸۴) عبید اللہ بن ابی زیاد کو یحییٰ بن معین نے ضعیف لکھا ہے (تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ ص ۳۸۲) ابن ابی نجیح کا علامہ سیوطی نے اسماء المدلسین میں تیسرے نمبر پر مدلسین میں شمار کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں سود کے الفاظ نہیں ہیں، حافظ ذہبی نے سنن دارقطنی کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے لیکن وہاں دوسری حدیث ہے اور اس کی جو سند ذکر کی ہے اس کے سب راوی ضعیف ہیں اس لیے یہ ثابت نہیں ہوا کہ مکانوں کا کرایہ سود ہے۔

مکہ کے مکانوں کے کرائے کی ممانعت کی روایات پر بحث و نظر

امام حاکم روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ مناخ لا تباع رباعها ولا تواجر بيوتها۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے، اس کی حویلیاں فروخت کی جائیں نہ اس کے مکان کرائے پر دیے جائیں۔

ہر چند کہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لیکن امام حاکم کا تساہل مشہور ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں اس حدیث کا ایک راوی "اسماعیل" ضعیف ہے۔ [2]

عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنهما قال، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ حرام وحرام بیع رباعها وحرام اجر بیوتها۔ [3]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ حرم ہے، اس کی حویلیوں کو فروخت کرنا اور اس کے مکانوں کو کرائے پر دینا حرام ہے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک راوی عبید اللہ ضعیف ہے۔ [4]

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ قال، ان الذی یاکل کراء بیوت مکۃ انما یاکل فی بطنہ نارا۔ [5]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے کہا جو شخص مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے۔

اس حدیث کا ایک راوی ہے عبید اللہ بن ابی زیاد، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن معین نے کہا یہ ضعیف ہے، ابو حاتم نے کہا یہ قوی اور متین نہیں ہے اور اس کی احادیث لکھنے کے لائق نہیں ہیں، آجری نے کہا اس کی احادیث منکر ہیں۔

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[2] حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ " " "

[4] حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۵۳ مطبوعہ " " "

[5] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۵۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

امام نسائی نے کہا یہ قوی اور ثقہ نہیں ہے، حاکم ابو احمد نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔[1]

یہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے علاوہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے بھی خلاف ہے:

عن اسامة بن زید انه قال یا رسول الله این تنزل فی دارك بمكة فقال وهل ترك عقیل من رباع او دور، وكان عقیل ورث اباطالب ولم یرثه جعفر ولا علی شیئاً لانهما كانا مسلمین وكان عقیل وطالب كافرین فكان عمر بن الخطاب یقول لا یرث المؤمن الكافر۔[2]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ مکہ کے کون سے گھر میں ٹھہریں گے، آپ نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے حویلیاں اور مکانات چھوڑے ہیں۔ عقیل، ابو طالب کے وارث ہوئے تھے اور حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما وارث نہیں ہوئے تھے کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے، اور عقیل اور طالب کافر تھے سو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

علامہ بدر الدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے اس حدیث سے مکہ کے مکانات کی بیع پر استدلال کیا ہے، کیونکہ عقیل نے اپنے باپ ابو طالب کا وارث ہونے کے بعد ان مکانوں کو بیچ دیا تھا، جس وقت ابو طالب فوت ہوئے تھے تو عقیل اور طالب دونوں کافر تھے اس لیے عقیل ابو طالب کے وارث ہوئے، بعد میں عقیل مسلمان ہو گئے اور ان مکانوں کو فروخت کر دیا، وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس بیع کو جائز قرار دیا، علامہ خطابی کہتے ہیں کہ یہ گھر ہر چند کہ حضرت عقیل کی ملک تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھروں میں اس لیے قیام نہیں کیا کہ یہ وہ گھر تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر چکے تھے، علامہ قرطبی نے فرمایا "کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے؟" اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیل نے ان گھروں پر قبضہ کرنے کے بعد ان میں ایسا تصرف کیا تھا۔[3]

اس حدیث سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے مکانوں میں وراثت جاری ہوتی ہے اور اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، اسی لیے علامہ عینی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ مکہ کے مکانوں کو فروخت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ مامون ہے اور اس اضافت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ گھر ابو سفیان کی ملک تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مکہ میں مکانات تھے، حضرت ابو بکر، حضرت زبیر اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے مکہ میں بکثرت مکان تھے، ان میں سے بعض نے اپنے مکان فروخت کر دیے اور بعض ان کی اولاد میں اب تک باقی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان چار ہزار درہم میں خریدا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مکہ میں دو مکان خریدے ایک ساٹھ ہزار درہم میں اور دوسرا چالیس ہزار درہم میں، یہ واقعات مشہور ہیں اور ان کا کوئی منکر نہیں

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۴، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد، دکن ۱۳۲۷ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[3] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۸۱ھ

ہے پس مکہ کے مکانوں کی خرید و فروخت پر اجماع ہو گیا ہے[1]

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جن روایات میں مکہ کے مکانوں کی بیع اور کرائے کو ناجائز کہا ہے وہ روایات نہ صرف سنداً ضعیف ہیں بلکہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ اور معلل ہیں اور اجماع کے بھی خلاف ہیں۔

مکہ کے مکانوں کی بیع اور کرائے میں مذاہب ائمہ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مکہ کے مکانوں کی بیع اور اجارہ جائز نہیں ہے اور امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام طحاوی کے نزدیک مکہ کے مکانوں کی بیع اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔[2] بعد کے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ مکہ کے مکانوں کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور یہی چیز دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اور تمام امت مسلمہ کا اسی پر تعامل ہے۔

عام طور پر مصنفین نے مکہ کے مکانوں کے کرائے میں امام ابو حنیفہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ وہ مکہ کے مکانوں کا کرایہ مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن محرر مذہب امام محمد بن حسن شیبانی نے یہ تصریح کی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ صرف حج اور عمرہ کے ایام میں مکہ کے مکانوں کا کرایہ مکروہ قرار دیتے ہیں اور اس کے بعد جائز کہتے ہیں۔ "جس نے مکہ کے مکانوں کا کرایہ کھایا اس نے آگ کھائی" کے تحت امام محمد لکھتے ہیں:

وكان ابو حنيفة يكره اجور بيوتها في الموسم وفي الرجل يعتمر ثم يرجع فاما المقيم والمجاور فلا يرى باخذ ذلك منهم باسا قال محمد وبه ناخذ۔[3]

امام ابو حنیفہ حج کے ایام میں مکہ کے مکانوں کا کرایہ مکروہ قرار دیتے ہیں اور اس شخص کے حق میں جو عمرہ کر کے واپس آ جائے، لیکن مکہ کے اصل باشندوں یا وہاں سکونت پذیر لوگوں سے کرایہ لینے میں ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، امام محمد فرماتے ہیں ہمارا بھی یہی نظریہ ہے۔

مکہ کے مکانوں کے کرائے کی ممانعت کی روایت سے علی العموم کرائے کے جواز پر استدلال

اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایات ہر چند کہ ضعیف ہیں تاہم یہ متعدد اسانید سے مروی ہیں اور تعدد اسانید ان کی تقویت کا موجب ہے خصوصاً اس صورت میں کہ ان روایات سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے مکہ کے مکانوں کے کرائے کی ممانعت پر استدلال کیا ہے اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح کی دلیل ہوتا ہے، اس لیے یہ روایات صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ روایات صحیح بھی ثابت ہوں تب بھی مکانوں کے کرائے کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کرائے کی ممانعت کی وجہ خود بیان فرما دی ہے کہ وہ حرم ہے اور اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے یعنی لوگ دور دراز سے طویل سفر کر کے خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اس لیے وہاں مکانات فارغ رہنے

---

[1] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۵،

[3] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۷۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ کراچی

چاہئیں تاکہ زائرین کو قیام میں سہولت ہو اور مکہ کے علاوہ باقی مقامات حرم ہیں، نہ زیارت گاہ خلائق ہیں اس لیے وہاں کے مکانوں کا یہ حکم نہیں ہے، چونکہ یہ ممانعت ایک علت پر مبنی ہے اس لیے جہاں وہ علت نہیں ہوگی ممانعت کا حکم بھی نہیں ہوگا جیسے شراب کی ممانعت کی علت نشہ ہے اور اگر شراب میں نمک ڈال دیا جائے اور وہ نشہ آور نہ رہے تو اب اس کا پینا حرام نہیں ہے، کیونکہ اب ممانعت کی علت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکہ کے مکانات کو کرائے پر دینے کی ممانعت کی روایت سے تین چیزیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ عہد رسالت میں بھی مکانوں کو کرائے پر دینے کا طریقہ رائج تھا جب ہی تو آپ ہی نے مکہ کے مکانوں کے کرائے سے منع فرمایا دوسری چیز یہ کہ یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ مکہ حرم ہے، زیارت گاہ ہے اور لوگ سفر کر کے مکہ آتے ہیں، تیسری چیز یہ کہ آپ نے کرائے کی ممانعت کا عام حکم نہیں دیا بالخصوص مکہ کے مکانوں کے کرائے سے منع فرمایا ہے اگر یہ حکم عام ہوتا تو آپ علی العموم منع فرما دیتے اس سے واضح ہوا کہ مکہ کے علاوہ باقی مقامات پر مکانوں کا کرایہ جائز ہے۔

مکانوں کے کرائے کے جواز کے ثبوت میں روایات

اسلام میں مکانوں کو کرائے پر دینا جائز ہے ہم شروع میں بکثرت احادیث اور آثار کے حوالوں سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ زمین کو سونے اور چاندی کے عوض کرائے پر دینا جائز ہے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اسلام کا اس پر اجماع ہے، ہم یہاں صرف ایک حدیث پیش کر رہے ہیں، امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سعد قال کنا نکری الارض بما علی السواقی من الزرع وما سعد بالماء منها فنهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک وامرنا ان نکریها بذهب او فضة۔ [۱]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نہروں کے کناروں والی زمین کی پیداوار اور زمین کے جس حصہ کی پیداوار کو از خود سیراب کیا جاتا ہے اس کی پیداوار کے عوض زمین کو بٹائی پر دیتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع کیا اور ہم کو حکم دیا کہ ہم زمین کو سونے یا چاندی کے عوض کرائے پر دیں۔

اس حدیث کو امام ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ [۲]

جب زمین کو کرائے پر دینا جائز ہوا تو زمین پر بنائے گئے مکانوں کو بھی کرائے پر دینا جائز ہوگا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین میں مکانوں کو کرائے پر دینے کا بھی رواج تھا، امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن یحیی بن سعید ان سعید بن المسیب سئل عن المرأة یطلقها زوجها وهی فی بیت بکراء علی من الکراء قال سعید علی زوجها قال فان لم یکن عند زوجها قال

یحیی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب سے سوال کیا گیا کہ اگر مطلقہ عورت کرائے کے مکان میں رہتی ہو تو اس کا کرایہ کس پر ہوگا؟ سعید نے کہا اس کے خاوند پر، کہا اگر خاوند کے پاس کرایہ نہ ہو؟ کہا اس عورت پر! کہا اگر

---

[۱] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[۲] امیر علاؤالدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ، (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۱۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ

فعلیها قال فان لم یکن عندها قال فعلی الامیر [1]

اس عورت کے پاس بھی کرایہ نہ ہو؟ کہا سربراہ مملکت پر۔

اور امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں!

عن الشعبی عن شریح فی رجل استاجر بیتا اشهرا وقال الی اجل فسکن ثم اراد ان یخرج منه فقال اذا اتی بالمفاتیح فقد بری وعلیه اجر ما سکن [2]

شعبی بیان کرتے ہیں کہ شریح سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک شخص نے چند مہینوں کے لیے ایک مکان کرائے پر لے لیا، اور ایک مدت بتادی، وہ اس مکان میں رہا پھر اس نے وہ مکان چھوڑنا چاہا؛ شریح نے کہا جب اس نے چابیاں حوالے کردیں تو وہ بری ہوگیا، اور جتنے دن وہ رہا اس کا کرایہ دینا اس پر لازم ہے۔

اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں؛

عن عمرو بن دینار انه سئل عن کراء بیوت مکة فقال لا باس به الکراء مثل الشراء قد اشتری عمر بن الخطاب رضی الله عنه من صفوان بن امیة دارا باربعة الف درهم [3]

عمرو بن دینار سے مکہ کے مکانوں کو کرائے پر دینے کے متعلق سوال کیا گیا، انھوں نے کہا، کوئی حرج نہیں، کرایہ خریدنے کی مثل ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صفوان بن امیہ سے (مکہ میں) ایک مکان چار ہزار درہم میں خریدا تھا۔

امام محمد فرماتے ہیں:

وقد سئل عن کرائها سعید بن جبیر بالحنطة کیلا معلوما فرخص فی ذلك فقال هل ذلك الا مثل البیت یکری [4]

معین ماپ کے بدلے زمین کو کرائے پر دینے کے بارے میں سعید بن جبیر سے سوال کیا گیا انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ مکانوں کو کرائے پر دینے کی مثل ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی طبرانی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں:

عن محمد بن سوقة عن ابیه قال لما بنی عمرو بن حریث داره اتیته لاستاجر منه بیتا فقال ما تصنع به فقلت ان اجلس فیه واشتری وابیع قال ان هذا الدار

محمد بن سوقہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان بنایا تو میں ان کے پاس کرائے کا مکان لینے کے لیے گیا، انھوں نے فرمایا: تم مکان میں کیا کرو گے؟ میں نے

---

[1] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۵۲۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

[2] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ، ص ۲۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۶ھ

[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۴ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[4] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

WWW.NAFSEISLAM.COM

مبارکۃ علی من سکن فیھا مبارکۃ علی من باع فیھا و اشتری (ملخصا)۔ [1]

کہا: میں اس میں رہوں گا اور خرید و فروخت کروں گا حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص اس مکان میں رہے گا یا خرید و فروخت کرے گا اس میں برکت ہوگی (پھر اس بارے میں ایک حدیث سنائی)

امام ابن سعد واقدی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عروۃ قال کان للزبیر بمصر خطط وبالاسکندریۃ خطط وبالکوفۃ خطط وبالبصرۃ دور وکانت لہ غلات تقدم علیہ من اعراض المدینۃ۔ [2]

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر کی مصر، اسکندریہ اور کوفہ میں زمینیں تھیں اور بصرہ میں مکانات تھے اور مدینہ میں جائیداد تھی جس کی آمدنی اس کے پاس آتی تھی۔

فقہاء تابعین کے فتاویٰ کے علاوہ ان حوالوں میں صحابہ کرام میں سے حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اپنے مکانوں کو کرائے پر دینے کا صراحۃً ذکر ہے، اور یہ مکانوں کے کرائے کے جائز ہونے پر واضح دلیل ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم فی الرجل یکتری البیت فیکریہ باکثر مما استاجرہ قال: یرد الفضل [3]

ابراہیم کہتے ہیں کہ جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا پھر اس کو زیادہ کرائے پر دے دیا وہ زیادہ لی ہوئی رقم واپس کرے

عن سعید بن المسیب و ابی سلمۃ بن عبدالرحمن و عروۃ بن الزبیر و سلیمان بن یسار فی الرجل یستاجر الدار فیؤجرھا باکثر مما استاجرھا فرخص فیہ اثنان وکرھہ اثنان۔ [3]

سعید بن مسیب، ابوسلمہ بن عبدالرحمان، عروہ بن الزبیر اور سلیمان بن یسار سے روایت ہے جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا اور جتنے کرایہ پر لیا تھا اس سے زیادہ کرایہ پر چڑھا دیا، پس ان میں سے دو نے اس کو جائز کہا اور دو نے مکروہ کہا۔

عن منصور عن ابراھیم انہ کرہ ان یستاجر الرجل الدار ثم یؤجرھا باکثر مما استاجرھا، قال قلت لابراھیم فان اجرھا باکثر لمن یکون الاجر قال،

منصور کہتے ہیں کہ جس شخص نے مکان کرایہ پر لیا پھر جتنے کرایہ پر لیا تھا اس سے زیادہ کرائے پر کسی کو دے دیا، ابراہیم نے اس کو مکروہ کہا، میں نے پوچھا اگر اس نے زیادہ کرائے پر چڑھا دیا تو وہ کرایہ کس کو ملے گا؟

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۲ھ

[2] امام محمد بن سعد واقدی متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۱۰ مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

[3] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷ ص ۳۲۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

[3] " " " " المصنف ج ۷ ص ۳۲۸،

لصاحبها۔ [1]

انھوں نے کہا مالک مکان کو۔

عن ابن سیرین انہ کرھہ۔ [2]

ابن سیرین سے روایت ہے کہ انھوں نے اس کرائے کو مکروہ کہا۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ قال لاباس اذا اکتریت بیتا ان تکریہ باکثر من اجرہ۔ [3]

طاؤس نے کہا جب تم کوئی مکان کرائے پر لو اور اس کو زیادہ کرائے پر دے دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ھشام بن ھبیرۃ انہ کرھہ الا ان یستعمل او یسکن فی الدار او یسکن بعضھا۔ [4]

ہشام بن ہبیرہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے الا یہ کہ کرائے پر لینے والا اس کو استعمال کرے، یا مکان میں رہے یا اس کے بعض حصہ میں رہے۔

عن الحکم قال اذا استاجر الرجل الدار فاجر بعضھا واسکن بعضھا قال: لا باس۔ [5]

حکم کہتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مکان کرائے پر لیا اور اس کا بعض حصہ کرائے پر دیا اور بعض میں خود رہا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عامر انہ کرھہ الا ان یصلح فیھا شیئا۔ [6]

عامر کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، ہاں اگر وہ مکان میں کچھ اصلاح کرے تو پھر جائز ہے۔

فقہاء تابعین کا اس میں اختلاف تھا کہ کوئی شخص مکان کرائے پر لے کر اس کو زیادہ کرائے پر دے دے تو آیا یہ مکروہ ہے یا اس میں کوئی حرج نہیں؟ جیسا کہ فقہاء تابعین کے ان فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ فقہاء تابعین صحابہ کرام کے مشہور تلامذہ ہیں اور برسوں ان کی مجلس میں رہے ہیں اور ان سے فیض یافتہ ہیں اور ان کے فتاویٰ صحابہ سے ہی مستفاد ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ عہد صحابہ اور تابعین میں مکانوں کو کرائے پر دینے کا عام رواج تھا، بلکہ کرایہ دار مکان کرایہ پر لے کر زیادہ کرایہ پر چڑھا دیتے تھے۔

مکانوں کے کرائے میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب کسی شخص نے کرائے کا مکان لیا تو اس پر عقد کا اطلاق جائز ہے اور رہائش کا ذکر یا مکان کی صفت بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ امام شافعی اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا قول ہے، اور فقیہ ابو ثور نے یہ کہا ہے کہ جب تک یہ نہ کہے کہ میں اور میرے اہل وعیال اس گھر میں رہیں گے عقد صحیح نہیں ہے، کیونکہ رہائش مختلف ہوتی

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

[2] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۰، 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

[4] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

[5] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

[6] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶، ص ۳۳۲، 〃 〃 〃

ہے، اور اگر اس نے صرف اپنی رہائش کے لیے مکان کرائے پر لیا تو اس کے لیے بیوی کو ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ مکان چونکہ صرف رہائش کے لیے کرایہ پر لیا جاتا ہے اس لیے رہائش کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جس ملک میں جس کرنسی کا رواج ہو وہاں اس کرنسی کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے اور رہائش کرنے والوں کی کثرت یا قلت سے کچھ فرق نہیں ہوتا اور اگر ایسا ضروری ہوتا تو کرائے دار کے پاس کوئی زائر یا مہمان بھی نہ رہ سکتا۔ [1]

مکانوں کے کرائے میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ ابو اسحاق شیرازی لکھتے ہیں: صرف اس منفعت کا کرایہ لینا جائز ہے جو معلوم ہو، کیونکہ کرایہ بیع ہے اور اس میں منفعت بیع میں عین کی طرح ہے اور جو چیز معلوم نہ ہو اس میں بیع صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح جو چیز معلوم نہ ہو اس کا کرایہ بھی صحیح نہیں ہے، اگر مکان کو کرایہ پر دیا جائے تو جب تک مکان معلوم نہ ہو اس کو کرایہ پر لینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مکان کے اختلاف سے منفعت مختلف ہو جاتی ہے اس لیے اس کا علم ضروری ہے۔ [2]

مکانوں کے کرائے میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں: بیع کی طرح دکانوں اور مکانوں کو کرائے پر دینا جائز ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دکانوں اور مکانوں کو پہلے دیکھ لیا جائے۔ [3]

علامہ عبدری مالکی لکھتے ہیں:

مدونہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی اجنبی تمہارے مکان میں کسی کو ٹھہرائے اور تم علم کے باوجود اس کو نہ نکالو تو اس پر مدت رہائش کا کرایہ لازم ہوگا۔ [4]

مکانوں کے کرائے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

رہائش کے لیے دکانوں اور مکانوں کو کرائے پر لینا جائز ہے خواہ یہ نہ بیان کیا جائے کہ اس میں کیا کیا جائے گا۔ کیونکہ عرف یہ ہے کہ مکان میں رہائش ہوتی ہے اور کرایہ دار اس میں لوہار، دھوبی اور چکی پیسنے والے کے سوا سب کر ٹھہرا سکتا ہے۔ [5]

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۷۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ، المہذب (مع شرح المہذب) ج ۱۵ ص ۱۳، دار الفکر بیروت

[3] علامہ ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر مالکی الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ج ۴ ص ۵۹ مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۳۹۲ھ

[4] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری مالکی متوفی ۸۹۷ھ، التاج والاکلیل لشرح مختصر خلیل ج ۵ ص ۴۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

[5] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۹۰، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

كتاب المساقاة والمزارعة

باب ۴۹۹

۳۸۵۰ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا نَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے زمین کی نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا، خواہ پھل ہوں یا غلہ۔

۳۸۵۱ - وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ قَالَ نَا عَلِيٌّ وَهُوَ ابْنُ مُسْهِرٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ أَعْطَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ كُلَّ سَنَةٍ مِائَةَ وَسْقٍ ثَمَانِينَ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ وَعِشْرِينَ وَسْقًا مِنْ شَعِيرٍ فَلَمَّا وَلِيَ عُمَرُ وَقَسَمَ خَيْبَرَ خَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ الْأَرْضَ وَالْمَاءَ أَوْ يَضْمَنَ لَهُنَّ الْأَوْسَاقَ كُلَّ عَامٍ فَاخْتَلَفْنَ فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَرْضَ وَالْمَاءَ وَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَوْسَاقَ كُلَّ عَامٍ فَكَانَتْ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ مِمَّنِ اخْتَارَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں یا غلہ کی نصف پیداوار کے عوض خیبر کی زمین دی، آپ ازواج مطہرات کو ہر سال سو وسق دیتے تھے (ایک وسق ۲۵۵ کلوگرام کے برابر ہے) جس میں سے اسی ۸۰ وسق کھجور اور بیس وسق جو ہوتے تھے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور انھوں نے اموال خیبر کی تقسیم کی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زمین اور پانی میں سے ایک حصہ لے لیں، یا وہ ہر سال مقررہ وسق لے لیں، ازواج مطہرات میں اختلاف ہوا، بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض نے اوساق کو اختیار کیا، حضرت عائشہ اور حفصہ ان میں سے تھیں جنھوں نے زمین اور پانی کو اختیار کیا۔

الْاَرْضَ وَالْمَآءَ

۳۸۵۲ ۔ وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِي قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَلَ اَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنْ زَرْعٍ اَوْ ثَمَرٍ وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فَكَانَتْ عَآئِشَةُ وَحَفْصَةُ مِمَّنِ اخْتَارَتَا الْاَرْضَ وَالْمَآءَ وَقَالَ خَيَّرَ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقْطِعَ لَهُنَّ الْاَرْضَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَآءَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے نصف پیداوار کے عوض عمل کرایا خواہ پھل ہوں یا غلہ، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ نے زمین اور پانی کو پسند کیا، البتہ یہ ذکر ہے کہ حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو یہ اختیار دیا کہ وہ زمین کو اختیار کر لیں اور پانی کا ذکر نہیں ہے۔

۳۸۵۳ ۔ وَحَدَّثَنِي اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اُسَامَةُ بْنُ زَيْدِ اللَّيْثِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا افْتُتِحَتْ خَيْبَرُ سَاَلَتْ يَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقِرَّهُمْ فِيْهَا عَلٰى اَنْ يَّعْمَلُوْا عَلٰى نِصْفِ مَا خَرَجَ مِنْهَا مِنَ الثَّمَرِ وَالزَّرْعِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقِرُّكُمْ فِيْهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ حَدِيْثِ ابْنِ نُمَيْرٍ وَابْنِ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَزَادَ فِيْهِ وَكَانَ الثَّمَرُ يُقْسَمُ عَلَى السُّهْمَانِ مِنْ نِّصْفِ خَيْبَرَ فَيَاْخُذُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُمُسَ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ انھیں خیبر میں رہنے دیں اور وہ نصف پیداوار کے عوض خیبر میں کاشتکاری کریں گے خواہ اناج ہو یا پھل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس عمل پر اس وقت تک قائم رکھوں گا جب تک ہم چاہیں گے، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے البتہ اس میں یہ زائد ہے کہ خیبر سے حاصل شدہ نصف حصہ کی تقسیم کی جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے خمس لے لیتے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۸۵۴ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ اَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ ... تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ دَفَعَ اِلٰى يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَاَرْضَهَا عَلٰى اَنْ يَّعْتَمِلُوْهَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر [illegible] کاشتکاری کریں گے اور اس کی نصف پیداوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں گے۔

۳۸۵۵ - وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَجْلَى الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰى خَيْبَرَ اَرَادَ اِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا وَكَانَتِ الْاَرْضُ حِيْنَ ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ فَاَرَادَ اِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا فَسَاَلَتِ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقِرَّهُمْ بِهَا عَلٰى اَنْ يَّكْفُوْا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلٰى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا فَقَرُّوْا بِهَا حَتّٰى اَجْلَاهُمْ عُمَرُ اِلٰى تَيْمَآءَ اَوْ اَرِيْحَاءَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے سرزمین حجاز سے یہود اور نصاریٰ کو نکال دیا، اور یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا اور وہ زمین اللہ عزوجل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ملکیت ہو گئی تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ ہمیں خیبر میں رہنے دیں اور ہم نصف پیداوار کے عوض خیبر میں کاشتکاری کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس عمل پر مقرر رکھیں گے۔ وہ اس عمل پر رکھے گئے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تیماء یا اریحا کی طرف نکال دیا۔

مساقات کا معنی

زمین کو غلہ کی پیداوار کے ایک معین حصہ کے عوض دینا مزارعت ہے، اور پھلوں کی پیداوار سے ایک معین حصہ کے عوض درختوں کی دیکھ بھال کرنا، مساقات ہے۔

مزارعت اور مساقات میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: مزارعت کے ثبوت میں یہ عمدہ حدیث ہے، علامہ ابن بطال نے کہا نصف، ثلث یا ربع پیداوار کے عوض زمین کو کرائے پر دینے میں اختلاف ہے، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت سعد، حضرت ابن الزبیر، حضرت اسامہ، حضرت ابن عمر، حضرت معاذ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم اس کو جائز کہتے ہیں۔ فقہاء تابعین میں سے ابن مسیب، طاؤس، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی اور ثوری اسے جائز کہتے ہیں، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد بن حنبل بھی اس کو جائز کہتے ہیں۔ یہ حضرات مساقات اور مزارعت دونوں کو جائز کہتے ہیں۔ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ مکروہ ہے، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور عکرمہ سے یہی منقول ہے۔ (یہ نقل صحیح نہیں ہے بلکہ ان حضرات کے نزدیک مزارعت اور مساقات جائز ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے باب میں باحوالہ بیان کر چکے ہیں، سعیدی غفرلہ) امام مالک، امام ابو حنیفہ، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے انھوں نے کہا کہ مزارعت جائز نہیں ہے اور مساقات جائز ہے لیکن امام ابو حنیفہ اور امام زفر یہ کہتے ہیں کہ مساقات اور مزارعت دونوں ناجائز ہیں، انھوں نے کہا کہ مزارعت اس لیے جائز نہیں ہے کہ یہ اجارہ مجہولہ ہے کیونکہ کبھی زمین سے بالکل پیداوار نہیں ہوتی اور مساقات اس لیے ناجائز ہے کہ وہ مزابنہ سے ممانعت میں داخل ہے۔[1]

ہم گزشتہ باب میں بیان کر چکے ہیں کہ فقہاء احناف نے مزارعت اور مساقات میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام ابو حنیفہ کے دلائل کا ضعف ہم نے اس باب میں بیان کر دیا ہے۔

مساقات اور مزارعت کے جواز پر دلائل

علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر کے نزدیک مزارعت اور مساقات ناجائز ہیں اور امام ابو یوسف، امام محمد اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک جائز ہیں، امام شافعی فرماتے ہیں کھجور کے درختوں، انگور کی بیلوں اور دیگر درختوں میں معاملہ کرنا صحیح ہے اور اس کو وہ مساقات کہتے ہیں اور مزارعت، مساقات کے تابع ہو کر صحیح ہے، بایں طور کہ اس کو انگور کی بیلیں دی جائیں اور ان کے درمیان خالی زمین ہو اور زمین کا مالک نصف پیداوار کے عوض اس سے کاشتکاری کرائے، احادیث اور آثار کی روشنی میں ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مزارعت اور مساقات میں زمین کی پیداوار میں شرکت ہوتی ہے سو یہ مضاربت کی طرح صحیح ہے، اور اس کی تحقیق دو طرح سے ہے۔ اول یہ کہ مضاربت میں نفع، مال اور عمل دونوں سے حاصل ہوتا ہے پس ایک جانب سے مال اور دوسری جانب سے عمل کے ساتھ یہ شرکت منعقد ہوتی ہے اور یہاں بھی اسی طرح ہے کیونکہ ایک جانب سے زمین اور بیج ہے اور دوسری جانب سے محنت اور عمل ہے یا ایک جانب سے درخت ہیں اور دوسری جانب سے عمل اور محنت ہے اور ثانی اس طرح کہ لوگوں کو عقد مضاربت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ بسا اوقات ایک شخص کے پاس مال ہوتا ہے اور وہ کسی وجہ سے خود عمل نہیں کر سکتا اور بعض لوگ عمل کر سکتے ہیں لیکن عمل اور تصرف کے لیے ان کے پاس مال نہیں ہوتا، پس عقد مضاربت کو جائز کیا گیا تاکہ دونوں کا مقصود حاصل ہو جائے، یہاں بھی اسی طرح ہے کہ بسا اوقات زمین

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۶۷ مطبوعہ ادارة الطباعة المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

اور بیج کا مالک عمل نہیں کر سکتا اور جو عمل کر سکتا ہے بسا اوقات اس کے پاس عمل کے لیے زمین اور بیج نہیں ہوتے سو اس لیے مزارعت اور مساقات کو جائز کیا گیا تاکہ دونوں کو مقصود حاصل ہو جائے اور مضاربت کی طرح تمام شہروں میں مزارعت اور مساقات کا رواج ہے اور لوگوں کا اس پر تعامل ہے پس اس کو عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے خواہ قیاس اس کے خلاف ہو۔[1]

کیا تعین مدت کے بغیر عقد مساقات صحیح ہے؟

حدیث نمبر ۳۸۵۵ میں ہے یہود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم کو یہاں مزارعت پر برقرار رکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں گے، جمہور فقہاء کے نزدیک مساقات اور مزارعت مدت کے تعین کے بغیر صحیح نہیں ہے، اور اصحاب ظاہر یہ کہتے ہیں کہ اگر مدت مجہول ہو پھر بھی مساقات اور مزارعت کا معاملہ صحیح ہے اصحاب ظاہر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، علامہ نووی اور علامہ عینی نے اس سوال کے متعدد تفصیلی جواب دیے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱)۔ عام مسلمانوں کے لیے مزارعت اور مساقات میں مدت کا تعین ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدت کا تعین ضروری نہیں تھا۔

(۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ جب تک ہم چاہیں گے تم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں گے اور مدت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر کوئی مدت مقرر کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نے مدت مقرر نہیں فرمائی اور چونکہ ہماری یہ حیثیت نہیں ہے اس وجہ سے ہمارے لیے مدت کا تعین کرنا ضروری ہے۔

(۳)۔ فقیہ ابوثور اور محمد بن مسلمہ کا قول ہے جب عقد مزارعت یا عقد مساقات مطلقاً ہو تو وہ ایک سال پر محمول ہوتا ہے۔

(۴)۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ فقہاء حنفیہ کا قول ہے کہ جب عقد مزارعت یا عقد مساقات مطلقاً کیا جائے تو وہ استحساناً ایک فصل کی پیداوار پر محمول ہوتا ہے۔

(۵)۔ یہ حدیث منسوخ ہے۔

(۶)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کا تعین کیا تھا جس کا راوی نے ذکر نہیں کیا اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے کے بعد اگر ہم چاہیں گے تو آئندہ کے لیے تم سے عقد کریں گے اور اگر چاہیں گے تو تم سے نیا عقد نہیں کریں گے اور تم کو خیبر سے نکال دیں گے۔ اور یہی آخری جواب زیادہ واضح ہے۔

مال جمع کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے

حدیث نمبر ۳۸۵۱ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات کو ایک سال کی خوراک فراہم کر دیتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسباب معیشت کو جمع کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں اور آپ اسباب معیشت کو جمع کرتے، غار حرا میں کئی دن کا کھانا لے جا کر تشریف فرما ہوتے تھے سو یہ جو مشہور ہے کہ صبح کھاؤ اور شام کے لیے مت رکھو، اور ضرورت کے لیے پس انداز نہ کرو۔ محض ایک بے بنیاد بات ہے۔ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کے اسباب حاصل کرنے کے بعد نتیجہ کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔

---

[1] علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۳ ص ۱۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ

باب فضل الغرس والزرع

کاشتکاری اور درخت لگانے کی فضیلت

٣٨٥٦ - حدثنا ابن نمير قال نا ابي قال نا عبد الملك عن عطاء عن جابر رضي الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يغرس غرسا الا كان ما اكل منه له صدقة وما سرق منه له صدقة وما اكل السبع فهو له صدقة وما اكلت الطير فهو له صدقة ولا يرزؤه احد الا كان له صدقة.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی پودا اُگاتا ہے تو اس درخت میں سے جو کچھ کھایا جائے وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے، جو کچھ اس سے چوری ہو وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جو درندے کھالیں وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جو پرندے کھائیں وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس میں سے کم کرے گا وہ اس کا صدقہ ہو جائے گا۔

٣٨٥٧ - وحدثنا قتيبة بن سعيد قال نا ليث ح قال وحدثنا محمد بن رمح قال انا الليث عن ابي الزبير عن جابر رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل على ام مبشر الانصارية في نخل لها فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم من غرس هذا النخل مسلم ام كافر فقالت بل مسلم فقال لا يغرس مسلم غرسا ولا يزرع زرعا فيأكل منه انسان ولا دابة ولا شيء الا كانت له صدقة.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام مبشر انصاریہ کے کھجور کے باغ میں گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ کھجور کا درخت کس شخص نے لگایا تھا، مسلمان نے یا کافر نے؟ حضرت ام مبشر نے کہا مسلمان نے! آپ نے فرمایا جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت لگاتا ہے اس درخت یا کھیت سے کوئی انسان، چوپایہ یا کوئی اور جانور کھائے تو وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے۔

٣٨٥٨ - وحدثني محمد بن حاتم وابن ابي خلف قالا نا روح قال نا ابن جريج قال اخبرني ابو الزبير انه سمع جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنهما يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت اُگاتا ہے اس میں سے کوئی درندہ، کوئی جانور یا کوئی چوپایہ بھی کھائے تو اس کو اس میں اجر ملتا ہے، ابن ابی خلف کی روایت میں طائر شئی کے الفاظ کے

WWW.NAFSEISLAM.COM

يَقُولُ لَا يَغْرِسُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَا زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ سَبُعٌ أَوْ طَائِرٌ أَوْ شَيْءٌ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِ أَجْرٌ وَقَالَ ابْنُ أَبِي خَلَفٍ طَائِرٌ شَيْءٌ كَذَا۔

الفاظ ہیں۔

۳۸۵۹- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَقَ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ يَقُولُ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُمِّ مَعْبَدٍ حَائِطًا فَقَالَ يَا أُمَّ مَعْبَدٍ مَنْ غَرَسَ هَذَا النَّخْلَ مُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ فَقَالَتْ بَلْ مُسْلِمٌ قَالَ فَلَا يَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَا طَيْرٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے باغ میں گئے۔ آپ نے فرمایا: اے ام معبد یہ کھجور کا درخت کس نے لگایا ہے مسلمان نے یا کافر نے؟ حضرت ام معبد نے فرمایا بلکہ مسلمان نے آپ نے فرمایا جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے اس سے انسان، چوپایہ یا درندہ جو بھی کھائے وہ اس کا قیامت تک صدقہ ہو جاتا ہے۔

۳۸۶۰- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا عَمَّارُ بْنُ مُحَمَّدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ فُضَيْلٍ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ زَادَ عَمْرٌو فِي رِوَايَتِهِ عَنْ عَمَّارٍ وَأَبُو بَكْرٍ فِي رِوَايَتِهِ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ فَقَالَا عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ فُضَيْلٍ عَنِ امْرَأَةِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَفِي رِوَايَةِ إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ

امام مسلم نے چار مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اس میں بعض راویوں نے ام مبشر کا قصہ بیان کیا اور بعض راویوں نے زید بن حارثہ کی بیوی کا قصہ بیان کیا ہے، اسحاق نے ابو معاویہ سے روایت کی کہ حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ اور تمام راویوں نے عطاء، ابو الزبیر اور عمرو بن دینار کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

رُبَّمَا قَالَ عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُبَّمَا لَمْ يَقُلْ وَكُلُّهُمْ قَالُوا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِ عَطَاءٍ وَأَبِي الزُّبَيْرِ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ۔

۳۸۶۱- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْغُبَرِيُّ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیت اگاتا ہے، اس سے کوئی پرندہ، انسان یا جانور کھائے تو وہ اس کا صدقہ ہو جاتا ہے۔

۳۸۶۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ نَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا أَبَانُ ابْنُ يَزِيدَ قَالَ نَا قَتَادَةُ قَالَ نَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ نَخْلًا لِأُمِّ مُبَشِّرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ أَمُسْلِمٌ أَمْ كَافِرٌ قَالُوا مُسْلِمٌ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا کے کھجوروں کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان کھجوروں کے درختوں کو کس نے لگایا ہے؟ کسی مسلمان نے یا کافر نے، انھوں نے کہا مسلمان نے، اس کے بعد حسب سابق روایت کی طرح ہے۔

کیا بغیر نیت کے بھی نیک کاموں پر ثواب ہو سکتا ہے؟

اس باب کی احادیث میں ہے کہ مسلمان کوئی درخت لگائے تو جو جاندار بھی اس کا پھل کھائے گا وہ درخت لگانے والے کا صدقہ ہوگا۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ثواب کا مدار تو نیت پر ہے جب درخت لگانے والے نے اس صدقہ کی نیت نہیں کی تو اس کو اس کا اجر کیسے ملے گا؟ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اعمال اختیاریہ کے ثواب کا مدار نیت پر ہے۔ اور اگر کوئی فعل دوسرے فعل کا اتفاقاً سبب بن جائے جس میں اس کے

قصد اور ارادے کا دخل نہ ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے تو اس پر بغیر نیت کے بھی اجر مل جاتا ہے۔

کاشتکاری اور دیگر دنیاوی امور کی فضیلت اور مذمت کے جدا جدا محمل

اس باب کی احادیث سے ثابت ہوا کہ کاشتکاری میں بہت فضیلت ہے، اس کے برخلاف بعض احادیث میں کاشتکاری کی مذمت کی گئی ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے کاشتکاری کے آلات دیکھ کر کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم کے گھروں میں یہ آلات ہوں گے اللہ تعالیٰ ان پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دے گا۔"[1]

فقہاء اسلام نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا: اس حدیث کا محمل وہ لوگ ہیں جو کاشتکاری میں حد سے زیادہ مشغول ہوں جس کی وجہ سے ان کے فرائض اور واجبات فوت ہو جائیں۔ اسی طرح جامع ترمذی میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "زمین اور جائیداد نہ بناؤ پھر تم دنیا میں رغبت کرو گے"[2] اس حدیث کا محمل بھی یہی ہے کہ زمین اور جائیداد بنانے میں اس قدر مشغول مت ہو جس سے امور دینیہ رہ جائیں، اور اس باب کی احادیث کا محمل یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کاشتکاری کرو، یا اس قدر کاشتکاری کرو جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو یا ثواب کی غرض سے کاشتکاری کرو اور محض دنیاوی اموال کو مقصود مت بناؤ۔

تمام دنیاوی امور میں یہی قاعدہ کارفرما ہے اگر ان میں بقدر ضرورت اشتغال ہو اور اپنے فرائض اور حقوق کی ادائیگی سے غفلت نہ ہو تو وہ مباح ہیں بلکہ اگر ان امور کو کسی عبادت کے ساتھ مرتبط کیا جائے تو مستحب ہیں، اور اگر ان دنیاوی امور کو خلق خدا کو نفع پہنچانے کے لیے اختیار کیا جائے تو یہ بلا تاویل مستحب ہیں اور ان میں اجر ملے گا، اور اگر دنیاوی امور میں دنیا کی محبت کی وجہ سے یا ریاکاری سے یا فخر و مباہات کی وجہ سے اشتغال ہو، یا ان امور میں اس قدر زیادہ اشتغال ہو جس کی وجہ سے فرائض یا واجبات فوت ہو جائیں تو پھر یہ ضرر اور وبال کا باعث ہیں۔

کون سا کسب سب سے افضل ہے؟

فقہاء اسلام نے یہ بحث بھی کی ہے کہ انسان کے کسب میں سب سے افضل کون سا کسب ہے، بعض علماء نے کہا کاشتکاری سب سے افضل ہے، بعض نے کہا ہاتھ کی محنت پر مشتمل کام سب سے افضل ہے، بعض نے کہا تجارت سب سے افضل ہے۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کون سا کسب سب سے زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا جو کام انسان اپنے ہاتھ سے کرے اور ہر جائز بیع۔ درحقیقت ان سب میں اضافی فضیلت ہے بعض اعتبار سے کاشتکاری افضل ہے، بعض اعتبار سے تجارت افضل ہے اور بعض اعتبار سے صنعت و حرفت افضل ہے۔

کیا کافر کو بھی نیک کاموں پر اجر ملتا ہے؟

اس باب کی احادیث میں ہے کہ جو مسلمان بھی درخت لگاتا ہے اس سے جو جاندار بھی پھل کھائے وہ اس شخص کا صدقہ ہو گا۔ بعض

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

WWW.NAFSEISLAM.COM

روایات میں مسلمان کی جگہ "عبد" (جو بندہ بھی درخت لگاتا) ہے۔ اس عموم سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کافر درخت لگائے تو اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی اور اس کے عذاب میں تخفیف ہو جائے گی لیکن بہ نظر یہ قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لا یخفف عنہم العذاب (البقرہ: ۱۶۲) "کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔" شرح صحیح مسلم جلد اول باب نمبر ۸، میں ہم اس پر مکمل بحث کر چکے ہیں۔

بَابُ ۵۰۱ وَضْعِ الْجَوَائِحِ

قدرتی آفات سے پھلوں کے نقصان کو وضع کرنا

۳۸۶۳ - حَدَّثَنَا اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ نَا اَبُو ضَمْرَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ اَخِيْكَ ثَمَرًا فَاَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَاْخُذُ مَالَ اَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اپنے بھائی کو پھل فروخت کرو، پھر ان پھلوں کو کوئی آفت لاحق ہو جائے تو تمہارے لیے اس سے کوئی عوض لینا جائز نہیں ہے۔ تم بغیر کسی حق کے اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لوگے؟

۳۸۶۴ - حَدَّثَنَا حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

۳۸۶۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَ قُتَيْبَةُ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ ثَمَرِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ فَقُلْنَا لِاَنَسٍ مَا زَهْوُهَا قَالَ تَحْمَرُّ وَ تَصْفَرُّ اَرَاَيْتَكَ اِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درختوں پر پھل بیچنے سے اس وقت تک منع فرمایا ہے جب تک کہ ان پر رنگ نہ آجائے، ہم نے انس سے پوچھا رنگ آنے کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا کھجوریں سرخ یا پیلی ہو جائیں۔ یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک لے تو تم اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض حلال قرار دوگے؟

بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ اَخِيْكَ.

۳۸۶۶ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتّٰى تُزْهِيَ قَالُوْا وَمَا تُزْهِيْ قَالَ تَحْمَرُّ فَقَالَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ اَخِيْكَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک پھلوں کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان پر رنگ نہ آجائے، لوگوں نے عرض کیا: رنگ آنے کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا سرخ ہو جائیں، جب اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک لے گا تو تم اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض حلال قرار دو گے؟

۳۸۶۷ - وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ لَّمْ يُثْمِرْهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَبِمَ يَسْتَحِلُّ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے پھلوں کو پیدا نہ کرے تو تم اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض حلال قرار دو گے؟

۳۸۶۸ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْحَكَمِ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ دِيْنَارٍ وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لِبِشْرٍ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ حُمَيْدٍ الْاَعْرَجِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَتِيْقٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ عَنْ سُفْيَانَ بِهٰذَا.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (قدرتی) آفات سے نقصان کو وضع کرنے کا حکم دیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

فروخت شدہ پھلوں کو نقصان لاحق ہونے پر اس کے تاوان کے ذمہ میں مذاہب فقہاء

فقہاء اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ پھلوں کو پختہ ہونے کے بعد فروخت کیا گیا اور بائع نے درختوں پر لگے ہوئے پھل خریدار کے سپرد کر دیے پھر پکنے سے پہلے کسی قدرتی آفت سے وہ پھل تلف ہو گئے، اس صورت میں وہ نقصان بائع پر پڑے گا یا خریدار پر! امام ابوحنیفہ، لیث بن سعد اور امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ یہ نقصان خریدار پر پڑے گا، اور اس نقصان کو قیمت سے وضع کرنا واجب نہیں ہے، البتہ مستحب ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم اور فقہاء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اگر یہ نقصان تہائی قیمت سے کم ہو تو اس کو قیمت سے وضع کرنا واجب نہیں ہے اور یہ نقصان تہائی قیمت یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی قیمت سے وضع کرنا واجب ہے ——— جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ نقصان کو قیمت سے وضع کرنا واجب ہے۔ انہوں نے اس باب کی حدیث نمبر ۳۸۶۸ سے استدلال کیا ہے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقصان کو قیمت سے وضع کرنے کا حکم دیا ہے، نیز اس باب کی متعدد احادیث میں ہے "تمہارے لیے اس سے کچھ لینا جائز نہیں ہے" اور عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ پھل ابھی تک بائع کی ملک میں ہیں کیونکہ درختوں کو پانی دینا اسی پر لازم ہے، چونکہ یہ پھل قبضہ سے پہلے تلف ہو گئے، اس لیے یہ پھل بائع کی ضمانت میں ہیں ——— جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ نقصان خریدار پر ہے اور اس نقصان کو قیمت سے وضع کرنا واجب نہیں ہے ان کا استدلال صحیح مسلم کی اس حدیث سے ہے؛ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے پھل خریدے اور وہ قدرتی آفت سے تلف ہو گئے اور اس شخص پر (پھلوں کی قیمت کا) قرض زیادہ ہو گیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صدقہ کرو پھر لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، صدقات کی یہ رقم بھی قرض (پھلوں کی قیمت) کے برابر نہ ہو سکی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں (پھل بیچنے والوں) سے فرمایا جو کچھ تم کو ملا ہے وہ لے لو، اس کے علاوہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔" وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر نقصان کا قیمت سے کم کرنا واجب ہوتا تو لوگوں سے اس پر صدقہ کرانے کی ضرورت نہ تھی، اور باقی ماندہ نقصان کو قیمت سے وضع کرنے کا جو آپ نے حکم دیا وہ بطور استحباب تھا، یا یہ حکم ان پھلوں کے بارے میں تھا جو پختگی کے ظہور سے پہلے بیچے گئے تھے اور بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ نقصان بائع پر ہے وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس میں خریدار کی تقصیر تھی کیونکہ اس نے پھل کاٹنے کے وقت کے بعد بھی پھلوں کو درختوں پر رہنے دیا اس سبب سے یہ نقصان خریدار کی ضمان پر آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اس کے علاوہ تمہارا حق نہیں ہے؛ اور اگر اس نقصان کو بائع سے وضع نہ کیا جاتا تو قرض کی باقی رقم کا مطالبہ کرنا بھی اس کا حق تھا اور دوسرے فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے اب اس کے علاوہ لینا جائز نہیں ہے اور جب تک یہ تنگ دست اور مفلس ہے اس سے مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ تاوقتیکہ یہ خوشحال ہو اور قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔[1]

---

[1] علامہ یحیٰی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ۔

جو صورت یہاں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ پھلوں کی پختگی کے ظہور کے بعد ان کی بیع ہوا اور اس میں یہ شرط نہ ہو کہ پھل درخت پر رہیں گے اور درختوں سے پھل کاٹنے سے پہلے وہ کسی قدرتی آفت کا شکار ہو کر تلف ہو جائیں ان میں ائمہ مذاہب کے اختلاف کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱)۔ علامہ عینی حنفی نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک یہ پھل خریدار کے ذمہ ہے[1]

(۲)۔ علامہ نووی شافعی نے امام شافعی کا بھی یہی نظریہ بیان کیا ہے[2]

(۳)۔ علامہ ابن رشد مالکی نے لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر تہائی سے کم نقصان ہو تو خریدار کے ذمہ ہے اور اگر تہائی یا اس سے زیادہ نقصان ہو تو بائع کے ذمہ ہے۔[3]

(۴)۔ علامہ مرداوی نے لکھا ہے نقصان کم ہو یا زیادہ بائع کے ذمہ ہے[4]

(۵)۔ غیر مقلدین کے امام ثانی شیخ ابن حزم کا بھی یہی نظریہ ہے۔[5]

بَابُ ۵۰۲ اِسْتِحْبَابِ الْوَضْعِ مِنَ الدَّيْنِ

قرض میں سے کچھ معاف کر دینے کا استحباب

۳۸۶۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُصِيْبَ رَجُلٌ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ خُذُوْا مَا وَجَدْتُّمْ وَلَيْسَ لَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے درخت پر پھل خریدے، وہ پھل قدرتی آفت سے تلف ہو گئے اور اس پر قرض زیادہ ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر صدقہ کرو، لوگوں نے اس پر صدقہ کیا، صدقہ کی وہ رقم اس کے قرض کے برابر نہ پہنچ سکی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے فرمایا، جو تم کو مل گیا ہے وہ لے لو اس کے علاوہ رقم پر تمہارا حق نہیں ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[3] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۳ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۴۲ - ۱۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت

[4] علامہ علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۶ھ

[5] شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۳۸۳ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۹ھ

۳۸۷۰۔ حَدَّثَنِيْ يُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْاَشَجِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح منقول ہے۔

۳۸۷۱۔ وَحَدَّثَنِيْ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَصْحَابِنَا قَالُوْا نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ اُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَخِيْ عَنْ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اُمَّهٗ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا تَقُوْلُ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ خُصُوْمٍ بِالْبَابِ عَالِيَةً اَصْوَاتُهُمَا وَاِذَا اَحَدُهُمَا يَسْتَوْضِعُ الْاٰخَرَ وَيَسْتَرْفِقُهٗ فِيْ شَيْءٍ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَفْعَلُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمَا فَقَالَ اَيْنَ الْمُتَاَلِّيْ عَلَى اللّٰهِ لَا يَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ قَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَيُّ ذٰلِكَ اَحَبَّ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کے دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی اونچی آوازیں سنیں، ان میں سے ایک قرض میں کچھ کمی اور نرمی کے لیے کہہ رہا تھا، دوسرا کہہ رہا تھا بخدا میں ایسا نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے پاس تشریف لے گئے، اور آپ نے فرمایا کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھا رہا تھا کہ میں نیکی نہیں کروں گا؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں۔ اس کو اختیار ہے یہ جو چاہے کرے۔

۳۸۷۲۔ حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَخْبَرَهٗ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ تَقَاضَى ابْنَ اَبِيْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِ

عبداللہ بن کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے رسول اللہ کے عہد میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا مسجد میں تقاضا کیا، حتیٰ کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آوازوں کو حجرے میں سن لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا دروازہ کھولا اور ان کے پاس تشریف لائے، اور آپ نے آواز دی اے کعب بن مالک! اس نے کہا لبیک یارسول اللہ! آپ نے ہاتھ سے

الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ وَنَادٰى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَقَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ اَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔

ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا اپنے قرض میں سے آدھا کم کر دو، انھوں نے کہا میں نے آدھا کم کر دیا، یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن ابی حدرد) سے فرمایا: اٹھو اور ان کا قرض ادا کر دو۔

۳۸۷۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ اَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ تَقَاضٰى دَيْنًا لَهٗ عَلَى ابْنِ اَبِيْ حَدْرَدٍ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ وَهْبٍ۔

عبداللہ بن کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک نے ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا یہ حدیث بھی سابق روایت کی طرح ہے۔

۳۸۷۴۔ قَالَ مُسْلِمٌ وَرَوَى اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ لَهٗ مَالٌ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ حَدْرَدٍ الْاَسْلَمِيِّ فَلَقِيَهٗ فَلَزِمَهٗ فَتَكَلَّمَا حَتَّى ارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فَمَرَّ بِهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَاَشَارَ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَقُوْلُ النِّصْفَ فَاَخَذَ نِصْفًا مِمَّا عَلَيْهِ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی پر ان کا کچھ مال قرض تھا، وہ ان کو ملے تو انھوں نے ان کو پکڑ لیا ان دونوں میں تکرار شروع ہو گئی اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے ہاتھ سے آدھا قرض کم کرنے کا اشارہ کیا اور فرمایا اے کعب! پھر کعب بن مالک نے آدھا قرض کم کر دیا۔

وَتَرَكَ نِصْفًا.

حضرت ابن ابی حدرد کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے۔

(۱)۔ اس حدیث سے پہلا معلوم ہوا کہ مسجد میں قرض یا کسی بھی حق کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

(۲)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں بلند آواز سے باتیں کرنا جائز ہے بشرطیکہ زیادہ بلند آواز نہ کی جائے جو مسجد کے ادب اور وقار کے خلاف ہو، سنن ابن ماجہ میں حضرت واثلہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی مساجد کو بچوں اور آپس کے جھگڑوں سے الگ رکھو" اسی طرح حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ "مسجد میں آوازیں نہ بلند کی جائیں" ہر چند کہ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں اور امام بخاری ومسلم کی اس صحیح روایت سے متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تاہم ان میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ان روایات میں اس قدر بلند آواز سے منع کیا گیا ہے جو مسجد کے احترام کے منافی ہو اور بخاری ومسلم کی روایت میں معمولی بلند آواز کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ مسجد میں ذکر بالجہر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ متوسط جہر ہو، جو کسی کی نماز میں خلل کا موجب ہو نہ احترام مسجد کے خلاف ہو۔

(۳)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشارہ سے کلام کرنا صحیح ہے، بنا بریں گونگا اشارے سے طلاق دے یا گواہی دے تو وہ صحیح ہے۔

(۴)۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم کو صلح کرانا چاہیے۔

(۵)۔ اس حدیث میں صاحب معاملہ کے پاس شفاعت کا ثبوت ہے۔

(۶)۔ اس حدیث میں اکابر کا اصاغر کے پاس شفاعت کا ثبوت ہے۔

(۷)۔ صاحب حق کو چاہیے کہ وہ شفاعت کو قبول کرے، بشرطیکہ کسی معصیت میں سفارش نہ ہو۔

(۸)۔ جو شخص نیک کام نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو سرزنش کرنا، اس میں امر بالمعروف بھی ہے اور نہی عن المنکر بھی۔

(۹)۔ اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کو بہت جلد سمجھ جاتے تھے اور اس پر فوراً عمل کرتے تھے۔

(۱۰)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جان ومال کے مالک ہیں اور حاکم علی الاطلاق ہیں جس پر چاہیں جیسا چاہیں حکم فرما دیں اور صحابہ کرام اپنے موقف، اپنی مرضی حتیٰ کہ اپنی کھائی ہوئی قسم کے خلاف بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خوشی سے عمل کرتے تھے اور اسی کو اپنی دنیا اور آخرت کی سعادت گردانتے تھے۔

(۱۱)۔ حدیث نمبر ۳۸۷۹ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کے باہر آواز سنی اور حجرے سے باہر تشریف لے گئے، اور حدیث نمبر ۳۸۷۸ میں ہے کہ یہ دونوں تکرار کر رہے تھے آپ ان کے پاس سے گزرے اور قرض کم کرنے کی سفارش کی ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ پہلے ان کے پاس سے گزرے، اور دوبارہ حجرے سے باہر گئے اور راوی نے گزرنے کے ساتھ واقعہ بیان کر دیا، حافظ ابن حجر نے کہا اس گزرنے سے حسی گزرنا مراد نہیں ہے معنوی گزرنا یعنی توجہ کرنا مراد ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲)۔ اس حدیث کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ قرض کی رقم کو کم کر دینا مستحب ہے۔ اسی طرح مقروض کو مہلت دینا، بلکہ مہلت

دینا واجب ہے۔

باب ۵۰۳ مَنْ اَدْرَكَ مَا بَاعَهُ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ وَقَدْ اَفْلَسَ فَلَهُ الرُّجُوْعُ

اگر خریدار دیوالیہ ہو جائے اور اس کے پاس خریدی ہوئی چیز ہو تو بائع اس سے لے سکتا ہے

۳۸۷۵ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ اَفْلَسَ اَوْ اِنْسَانٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہو اس کے پاس کوئی شخص اپنی چیز بعینہ پائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے

۳۸۷۶ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا هُشَيْمٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ جَمِيْعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيْعِ وَيَحْيٰى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ نَا عَبْدُ

امام مسلم نے پانچ اسانید کے ساتھ یہ روایت بیان کی اس میں ہے جو شخص دیوالیہ قرار دیا گیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

الْوَهَّابِ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ بِمَعْنَى حَدِيثِ زُهَيْرٍ وَقَالَ ابْنُ رُمْحٍ مِنْ بَيْنِهِمْ فِي رِوَايَتِهِ أَيُّمَا امْرِئٍ فُلِّسَ۔

۳۸۷۷- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ نَا هِشَامُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الْحُسَيْنِ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَهُ عَنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ الَّذِي يُعْدِمُ إِذَا وُجِدَ عِنْدَهُ الْمَتَاعُ وَلَمْ يُفَرِّقْهُ أَنَّهُ لِصَاحِبِهِ الَّذِي بَاعَهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص معدوم المال (دیوالیہ) قرار دیا گیا ہو اور اس کے پاس ایسی متاع پائی جائے جس میں تصرف نہ کیا گیا ہو تو اس پر اس شخص کا حق ہے جس نے اس کو فروخت کیا تھا۔

۳۸۷۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُفْلِسَ الرَّجُلُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص کو دیوالیہ قرار دیا جائے اور اس کے پاس کسی شخص کی متاع بعینہٖ پائی جائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

۳۸۷۹- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

سَعِيْدٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ اَيْضًا قَالَ نَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ نَا اَبِيْ كِلَاهُمَا عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ وَقَالَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ مِنَ الْغُرَمَاءِ.

۳۸۸۰ - وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ خَلَفٍ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا نَا اَبُوْ سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ قَالَ حَجَّاجٌ نَا مَنْصُوْرُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ اَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ خُثَيْمِ بْنِ عِرَاكٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُفْلِسَ الرَّجُلُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ عِنْدَهٗ سِلْعَتَهٗ بِعَيْنِهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو دیوالیہ قرار دیا جائے اور کسی شخص کو اس کے پاس اپنا سامان بعینہٖ مل جائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

مفلس (دیوالیہ) کا لغوی اور شرعی معنی

مفلس کا لفظ افلاس سے بنا ہے، اور یہ باب افعال ہے اس کا ایک خاصہ ہے سلب ماخذ یعنی جس شخص کے پاس پیسے نہ رہیں، اور اس کا ایک خاصہ انتقال ہے یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا، کسی شخص کا امارت سے غربت کے حال کی طرف منتقل ہونا' افلس الرجل اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جائے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ علامہ رافعی نے مفلس کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ مفلس وہ شخص ہے جس پر قرض اس قدر زیادہ ہو جائیں جو اس کے مال سے ادا نہ کیے جاسکیں، لیکن اس پر دو اعتراض ہیں اول یہ کہ اس میں یہ قید لگانی ضروری ہے کہ حاکم اس کے تصرفات پر پابندی لگائے کیونکہ اگر اس کے تصرفات پر پابندی نہیں ہوگی تو اس کی خرید و فروخت صحیح ہوگی۔ دوسری قید یہ ضروری ہے کہ اس پر جو قرض ہوں وہ بندوں کے قرض ہوں کیونکہ اگر اس پر اللہ تعالیٰ کا قرض ہو مثلاً زکوٰۃ وغیرہ تو اس کے تصرفات پر پابندی نہیں ہوگی نہ اس کو دیوالیہ قرار دیا جائے گا[1]

علامہ عینی نے علامہ رافعی کی بیان کردہ تعریف میں جن قیود کا اضافہ کیا ہے اس کے اعتبار سے مفلس کی تعریف یہ ہوگی: جس شخص پر بندوں کے قرض اس قدر زیادہ ہو جائیں کہ وہ اس کے مال سے ادا نہ کیے جاسکیں اور حاکم اس کے تصرفات پر پابندی لگا دے۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

مفلس (دیوالیہ) کے شرعی احکام

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص پر بہت سے قرض واجب ہو جائیں اور قرض خواہ اس کو قید کرنے یا اس کے تصرفات پر پابندی لگانے کا مطالبہ کریں تو اس پر پابندی نہیں لگائی جائے گی اور اگر اس کا مال ہے تو اس میں حاکم تصرف نہیں کرے گا، البتہ حاکم اس شخص کو اس وقت تک قید میں رکھے جب تک کہ وہ اس مال کو قرض کی ادائیگی میں فروخت نہیں کر دیتا۔

امام ابو یوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ جب قرض خواہ مفلس کے تصرفات پر پابندی کا مطالبہ کریں تو قاضی اس کے تصرفات پر پابندی لگا دے اور اس کو خرید و فروخت، اقرار اور دیگر تصرفات سے روک دے، اور اگر مفلس اپنے مال کو فروخت نہ کرے یا قرض خواہوں میں مال کو حصہ رسد کے اعتبار سے تقسیم نہ کرے تو قاضی اس کے مال کو خود فروخت کرے، اور اگر قرض دراہم ہیں اور مقروض کے پاس دراہم ہوں تو قاضی مفلس کے اذن کے بغیر وہ دراہم قرض خواہوں میں تقسیم کر دے، اور قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دینار ہوں یا اس کے برعکس ہو تو قاضی ان کو فروخت کر دے، قرض کی ادائیگی میں پہلے سونا اور چاندی فروخت کیے جائیں، پھر سامان اور پھر زمین۔ مفلس کے کپڑوں کا ایک جوڑا چھوڑ کر اس کا تمام سامان فروخت کر دیا جائے۔ پابندی لگانے کے بعد اگر وہ کسی شخص کے لیے کوئی اقرار کرے تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد وہ لازم ہوگا۔ اگر پابندی کے بعد اسے کوئی مال حاصل ہوا تو اس میں اس کا اقرار نافذ ہو جائے گا، مفلس کے مال سے، مفلس پر اس کی بیوی پر اس کے چھوٹے بچوں پر اور ذوی الارحام میں سے جن کا خرچ اس پر واجب ہو خرچ کیا جائے گا، اگر مفلس کے کسی مال کا پتا نہ چلے اور اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کریں اور وہ کہتا ہو کہ میرے پاس کوئی مال نہیں ہے تو حاکم اس کو ہر اس قرض کے عوض قید کرے گا جس کا وہ کسی عقد کے ساتھ التزام کرے گا مثلاً مہر یا کفالت، قید سے رہا ہونے کے بعد حاکم اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہو بلکہ قرض خواہ اس کو پکڑے رکھیں اور اس کو تصرفات سے منع نہ کریں، اور اس کی فاضل آمدنی سے آپس میں حصہ رسد کے اعتبار سے تقسیم کر لیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا جب حاکم اس کو دیوالیہ قرار دے دے تو حاکم اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو الا یہ کہ قرض خواہ دلیل (گواہی) سے ثابت کریں کہ اس کے پاس مال ہے، اگر مقروض کسی کام سے گھر جائے تو حاکم اس کا پیچھا نہ کرے بلکہ اس کے دروازے پر ٹھہرے، حتیٰ کہ وہ باہر نکل آئے، اگر کسی مرد کا عورت پر قرض ہو تو وہ اس کو نہ پکڑے بلکہ کسی امانت دار عورت کو بھیجے جو اس کے ساتھ رہے۔ جس شخص کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہو اور اس کے پاس کسی شخص کا سامان بعینہٖ موجود ہو جس کو مفلس نے اس شخص سے خریدا ہو تو سامان والا اور باقی قرض خواہ اس سامان میں برابر ہیں [1]۔ (اس آخری مسئلے کے بارے میں اس باب کی احادیث وارد ہیں اور اسی پر ہم یہاں تفصیلی بحث کریں گے۔ سعیدی)

مفلس کے پاس بائع کی چیز بعینہٖ ملنے کی صورت میں مذاہب ائمہ

اس باب کی احادیث میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو دیوالیہ قرار دیا گیا ہو اس کے پاس کوئی شخص اپنی چیز بعینہٖ پائے تو دوسروں کی بہ نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔" علامہ عینی لکھتے ہیں عطاء بن ابی رباح، عروۃ بن زبیر، طاؤس، شعبی، اوزاعی، عبداللہ بن الحسن،

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۳۶۱۔ ۳۵۸، مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق اور داؤد (ظاہری) کا مذہب اس ظاہر حدیث کے مطابق ہے۔[1]

مفلس کے پاس بائع کی چیز ملنے کی صورت میں ائمہ احناف کا موقف

نیز علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: ابراہیم نخعی، حسن بصری، شعبی، وکیع بن جراح، عبداللہ بن شبرمہ قاضی کوفہ، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص نے مفلس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی وہ اس چیز میں باقی قرض خواہوں کے برابر ہے، عمر بن عبدالعزیز سے صحیح روایت ہے کہ جس شخص نے اپنی چیز کی قیمت طلب کی پھر مقروض دیوالیہ قرار دیا گیا ہو تو وہ شخص اور باقی قرض خواہ برابر ہیں، زہری کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی انہیں کے مذہب کے مطابق روایت ہے۔ خلاس بن عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اپنی چیز بعینہٖ مقروض کے ہاں پائے تو وہ اس میں قرض خواہوں کے برابر ہے، اسی طرح ابراہیم سے یہ روایت ہے کہ وہ اور دیگر قرض خواہ اس میں برابر ہیں۔[2]

ائمہ احناف کے دلائل

ائمہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب بائع نے مدت معینہ کے وعدہ پر ایک چیز خریدار کو فروخت کر دی تو وہ چیز اب بائع کی ملک سے نکل گئی اور خریدار کی ملک میں داخل ہو گئی اور بائع کا حق اس چیز کی قیمت ہے جو خریدار پر قرض ہے اور جب خریدار کو مفلس قرار دے دیا گیا تو جس طرح باقی قرض خواہوں کو اپنے اپنے قرضوں کی رقم مفلس کے مال اور ساز و سامان کو فروخت کرنے کے بعد حصہ رسد کے اعتبار سے ملے گی، بائع کو بھی اپنے قرض کی رقم ملے گی خواہ اس کی فروخت کی ہوئی چیز مفلس کے پاس بعینہٖ موجود ہو یا نہ ہو، امام ابوحنیفہ کی یہ دلیل خرید و فروخت کے مسلمہ اصول اور قیاس کے مطابق ہے اور اس کی تائید حسب ذیل آثار سے ہوتی ہے، امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن بلال بن الحارث قال: كان رجل يغالي بالرواحل ويسبق الحاج حتى افلس قال فخطب عمر بن الخطاب فقال اما بعد! فان الاسيفع اسيفع جهينة رضي من امانته و دينه ان يقال سبق الحاج فادان معرضا فاصبح قد دين به فمن كان له شيء فليأتنا حتى نقسم ماله بينهم۔[3]

بلال بن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت مہنگی اونٹنیاں خریدتا تھا اور حاجیوں سے پہلے پہنچ جاتا تھا حتیٰ کہ وہ (اس شوق میں) دیوالیہ ہو گیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر بن خطاب نے خطبہ دیا اور فرمایا قبیلہ جہینہ کا اسیفع (جس شخص کا رنگ عصر میں معمولی سا سیاہ ہو جائے۔ تاج العروس) اپنی دینداری اور امانت داری میں صرف اس بات پر راضی ہو گیا کہ یہ کہا جائے کہ وہ حاجیوں سے پہلے پہنچ گیا "اس نے سامان قرض لیا اور وہ دیوالیہ ہو گیا جس نے اس سے کچھ لینا ہو وہ ہمارے پاس آئے حتیٰ کہ اس کا مال ہم حصہ رسد کے اعتبار سے قرض خواہوں میں تقسیم کر دیں۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] ایضاً " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۰ " " "

[3] حافظ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷ ص ۲۱۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

اس حدیث کو امام بیہقی[1] اور شیخ ابن حزم[2] نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر نے یہ نہیں فرمایا کہ اونٹنیاں فروخت کرنے والے اس سے اونٹنیاں واپس لے لیں بلکہ تمام قرض خواہوں میں مال تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ اور یہی امام ابو حنیفہ کا موقف ہے۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن خلاس عن علی قال: هو فيها اسوة الغرماء اذا وجدها بعينها۔[3]

خلاس کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ جب (بائع) اپنی چیز کو بعینہ پائے تو وہ اور دوسرے قرض خواہ اس میں برابر ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی احادیث کے جوابات

صحیح بخاری اور مسلم کی احادیث میں سے (سوا ایک روایت کے جس پر ہم بحث کریں گے) کسی میں یہ تصریح نہیں ہے کہ مفلس کے پاس بائع اپنی چیز کو بعینہ پائے بلکہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں: من ادرك ماله بعينه عند رجل "جو شخص اپنے مال کو بعینہ کسی شخص کے پاس پائے" اس میں بائع کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے ان حدیثوں سے بائع کی بیچی ہوئی چیز پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ شخص "اپنا مال" مفلس کے پاس بعینہ پائے اور بیچنے کے بعد بائع کا نہیں مشتری کا مال ہے، اور یہ بعینہ وہ مال بھی نہیں ہے کیونکہ تبدل ملک سے تبدل عین ہو جاتا ہے اس لیے حدیث کے لفظ (وہ شخص) کو بائع پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں مال سے مراد اس شخص کا مال ہے جس سے کوئی شخص وہ مال غصب کر کے لے گیا تھا، یا چرا کر لے گیا تھا اور بعد میں چور یا غاصب نے وہ مال مفلس کو فروخت کر دیا۔ یا مفلس نے کسی شخص سے عاریۃً مال لیا تھا یا اس کے پاس کسی شخص نے امانۃً وہ مال رکھوا دیا تھا۔ ان تمام صورتوں میں جب صاحب مال نے اپنے مال کو مفلس کے پاس بعینہ موجود پایا تو قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ اس مال کا زیادہ حق دار ہے۔ اس توجیہ کی تائید حسب ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا ضاع لاحدكم متاع او سرق له متاع فوجده يد رجل بعينه فهو احق به ويرجع المشتري على البائع بالثمن۔[4]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کی چیز گم ہو جائے یا چوری ہو جائے پھر وہ چیز بعینہ کسی شخص کے پاس سے مل جائے تو وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔ اور وہ شخص (جس سے چیز ملی ہے یعنی خریدار) بائع سے قیمت واپس لے۔

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۴۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔
[2] شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۸ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۹ھ
[3] حافظ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
[4] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۵۱ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

WWW.NAFSEISLAM.COM

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے[1]

چوتھا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں بائع کا ذکر نہیں ہے، امام مسلم نے اس باب میں چھ احادیث ذکر کی ہیں، پانچ احادیث امام بخاری کی روایت کے مطابق ہیں اور ان میں بائع کا ذکر نہیں ہے البتہ ایک روایت جو عن ابن ابی عمر عن ہشام بن سلیمان ہے اس میں بائع کا ذکر ہے: یہ حدیث نمبر ۳۸۷۷ ہے، اور یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے۔ ابن ابی عمر کا پورا نام محمد بن یحییٰ العدنی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابوحاتم نے کہا یہ نیک آدمی تھا لیکن اس میں غفلت تھی میں نے دیکھا کہ اس نے ابن عیینہ سے ایک موضوع حدیث روایت کی ہے، اور یہ صادق تھا[2]، جس شخص کی غفلت کا یہ حال ہو کہ وہ موضوع حدیث بھی روایت کرتا ہو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس کی روایت ثقہ راویوں کے مخالف ہو اور ہشام بن سلیمان مخزومی کے بارے میں علامہ زاہد الکوثری نے لکھا ہے کہ اس کی روایات مضطرب ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم کی یہ روایت شاذ اور معلل ہے، اس لیے صحیح اور معتبر وہی روایات ہیں جو امام بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے جو نظریہ قائم کیا ہے اس کے اعتبار سے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث، حضرت عمر اور حضرت علی کے آثار اور امام بخاری کی روایت اور امام مسلم کی اسانید صحیحہ سے جو روایات ہیں سب آپس میں موافق اور مطابق ہو جاتی ہیں، اور ائمہ ثلاثہ نے جو نظریہ قائم کیا ہے اول تو وہ ایک شاذ اور معلل حدیث پر مبنی ہے۔ ثانیاً اگر بالفرض اس حدیث کو مان لیا جائے تو باقی احادیث اور آثار میں تخالف اور تعارض لازم آتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ان تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھ کر ایسا نظریہ قائم کیا ہے کہ کسی حدیث اور اثر کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

ائمہ ثلاثہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے: امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

اخبرنا عبد الرزاق عن ابن شهاب عن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایما رجل باع رجلا متاعا، فافلس المبتاع ولم یقبض الذی باعه من الثمن شیئا فان وجد البائع سلعته بعینها فهو احق بها وان مات المشتری فهو فیها اسوة الغرماء[3]

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام (یہ تابعی ہیں) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کو اپنا سامان فروخت کیا پھر خریدار دیوالیہ ہو گیا اور بائع نے اپنی قیمت میں سے کچھ بھی وصول نہیں کیا تو اگر بائع نے دیوالیہ کے پاس اپنا سامان بعینہٖ پایا تو وہ اس کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہے اور اگر خریدار مر گیا تو وہ دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام دارقطنی اور علامہ ابوعمر و ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق مرسل ہے امام مالک نے بھی مؤطا میں اس کو مرسلاً روایت کیا ہے[4]۔ اور حدیث مرسل سے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک استدلال صحیح نہیں

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، المسند ج ۵ ص ۱۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۱۹، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۷ھ

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۶۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

[4] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ

ہے ہر چند کہ فقہاء احناف کے نزدیک حدیث مرسل سے استدلال صحیح ہوتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب حدیث مرسل کسی حدیث مسند کے معارض نہ ہو اور یہ حدیث مسند کے معارض ہے، امام بخاری اور امام مسلم کی جو روایات ہیں ان میں بائع کا ذکر نہیں ہے وہ مسند احادیث ہیں یہ حدیث مصنف کی بھی مسند حدیث کے خلاف ہے جو ابن حارث بن ہشام سے ہی مسنداً روایت ہے۔

اخبرنا عبد الرزاق عن الثوری عن یحیی بن سعید قال، حدثنا ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابی بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ھشام عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما رجل افلس وعندہ سلعۃ بعینھا، فصاحبھا احق بھا دون الغرماء۔[1]

ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دیوالیہ ہوگیا اور اس کے پاس کسی کا سامان بعینہٖ موجود ہو تو وہ شخص اس سامان کا قرض خواہوں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہے۔

اس مسند حدیث میں بائع کا ذکر نہیں ہے اور تعارض کے وقت مسند کو مرسل پر ترجیح ہوگی۔

علامہ نووی، علامہ قرطبی اور علامہ ابن بطال کے اعتراضات کے جوابات

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: علامہ قرطبی نے مفہم میں لکھا ہے کہ حنفیہ نے اس حدیث کے جواب میں بے بنیاد تاویلات کی ہیں، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ احناف نے اس حدیث میں جو تاویلات کی ہیں وہ سب کمزور اور مردود ہیں، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امانت پر محمول کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے جب کوئی شخص اپنی چیز کو بعینہٖ پائے تو قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ زیادہ حقدار ہے، جب کہ امانت کو لینے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ بعینہٖ موجود ہو اگر امانت میں تغیر بھی ہو جائے تو صاحب امانت اس کو لینے کا حقدار ہے، نیز احناف کی دلیل قیاس ہے حالانکہ قیاس پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب حدیث نہ ہو، حدیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔[2]

علامہ بدرالدین عینی حنفی ان اعتراضات کے جواب میں لکھتے ہیں کہ علامہ قرطبی اور علامہ نووی نے صرف یہ دعویٰ کیا ہے کہ احناف کی تاویلات ضعیف ہیں وجہ ضعف نہیں بیان کی اس لیے ان کے اعتراضات لائق التفات نہیں ہیں اور علامہ ابن بطال کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ احناف نے حدیث پر عمل نہیں کیا کیونکہ احناف نے حدیث پر ہی عمل کیا ہے حدیث میں ہے: من ادرک مالہ بعینہ ۔ "جس نے اپنے مال کو بعینہٖ پایا" اور "اپنا مال" مال مغصوب، مال عاریت اور مال امانت ہی میں متصور ہوسکتا ہے اور جو چیز فروخت کر دی گئی وہ خریدار کا مال ہے اور کسی وجہ سے بھی بائع کا مال نہیں ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے مال امانت پر جو اعتراض کیا ہے وہ مفہوم مخالف پر مبنی ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۶۵ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] " " " " ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۴۱

مفلس کے پاس بائع کی چیز بعینہٖ ملنے کی صورت میں اس کے حق استرداد کے ثبوت میں صریح اور صحیح احادیث

فقہاء احناف کا موقف ہم نے دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ درایت کے اعتبار سے فقہاء احناف کا ہی موقف مضبوط ہے تاہم کچھ صحیح احادیث ایسی ہیں جو ائمہ ثلاثہ کی مؤید ہیں۔ امام ابن حبان روایت کرتے ہیں:

اخبرنا احمد بن محمد بن الشرقی حدثنا محمد بن یحیی الذھلی حدثنا عبد الرزاق اخبرنا معمر عن ایوب عن عمرو بن دینار عن ھشام بن یحیی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا افلس الرجل فوجد البائع سلعتہ بعینھا فھو احق بھا دون الغرماء[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے اور بائع اس کے پاس اپنی چیز بعینہٖ پائے تو دوسرے قرض خواہوں کی بہ نسبت وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے۔

اخبرنا عمران بن موسی السختیانی حدثنا سلمۃ بن شبیب حدثنا الحسن بن محمد بن اعین حدثنا فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا عدم الرجل فوجد البائع متاعہ بعینہ فھو احق بہ[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص دیوالیہ قرار دیا جائے اور بائع اس کے پاس اپنی متاع بعینہٖ پائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

یہ دونوں احادیث سند صحیح سے مروی ہیں اور کسی تاویل کو قبول نہیں کرتیں نیز امام عبدالرزاق کی یہ مرسل روایت بھی ائمہ ثلاثہ کی مؤید ہے:

عن ابن ابی ملیکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من باع سلعۃ برجل لم ینتقدہ ثم افلس الرجل فوجد سلعتہ بعینھا فلیاخذھا دون الغرماء۔[3]

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا سودا کسی شخص کو ادھار فروخت کیا پھر وہ خریدار دیوالیہ ہو گیا پھر اس نے اس شخص کے پاس اپنا سودا بعینہٖ موجود پایا تو قرض خواہوں کی بجائے بائع اس چیز کو لے گا۔

ہر چند کہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ قیاس اور درایت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث مقدم ہیں، رہا یہ کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بیع کے بعد چیز بائع کا مال نہیں رہی، خریدار کا مال ہو گئی اس لیے بائع اور دیگر قرض خواہوں کو مساوی ہونا چاہیے یہ ٹھیک ہے لیکن حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائیگا

الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۷ھ

[1] امیر علاء الدین علی بن بلبان الفارسی متوفی ۷۳۹ھ (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۲۴۸، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۔

[2] " " " " الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ج ۷، ص ۲۴۸،

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸، ص ۲۶۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۳ھ

جیسا کہ شفعہ میں بالاتفاق قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ جب ایک شخص نے اپنی چیز فروخت کر دی تو وہ چیز خریدار کی ملکیت ہو گئی اب کسی اور شخص کا اس بیع کو فسخ کرانے کے لیے شفعہ کرنا خلاف قیاس ہے لیکن حدیث صحیح کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دیا گیا اسی طرح یہاں بھی حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دینا چاہیے وھذا ھو الحق۔

بَابُ فَضْلِ اِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالتَّجَاوُزِ فِي الْاِقْتِضَاءِ مِنَ الْمُوْسِرِ وَالْمُعْسِرِ

مقروض کو مہلت دینے اور تقاضے میں درگزر کی فضیلت

۳۸۸۱ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يُوْنُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا مَنْصُوْرٌ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ حَدَّثَهُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّتِ الْمَلَائِكَةُ رُوْحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَقَالُوْا اَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا قَالَ لَا قَالُوْا تَذَكَّرْ قَالَ كُنْتُ اُدَايِنُ النَّاسَ فَاٰمُرُ فِتْيَانِيْ اَنْ يُنْظِرُوا الْمُعْسِرَ وَيَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُوْسِرِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ تَجَوَّزُوْا عَنْهُ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کا واقعہ ہے کہ فرشتوں نے ایک شخص کی روح سے ملاقات کی اور پوچھا کیا تم نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں فرشتوں نے کہا یاد کرو، اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور اپنے نوکروں سے کہتا تھا کہ مفلس کو مہلت دینا اور مالدار سے درگزر کرنا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اس سے درگزر کرو۔

۳۸۸۲ - وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ حُجْرٍ قَالَا نَا جَرِيْرٌ عَنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ اجْتَمَعَ حُذَيْفَةُ وَاَبُوْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ رَجُلٌ لَقِيَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ مَا عَمِلْتَ قَالَ مَا عَمِلْتُ مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا اَنِّيْ كُنْتُ رَجُلًا ذَا مَالٍ فَكُنْتُ اُطَالِبُ بِهِ النَّاسَ فَكُنْتُ اَقْبَلُ الْمَيْسُوْرَ وَاَتَجَاوَزُ عَنِ الْمَعْسُوْرِ فَقَالَ تَجَاوَزُوْا عَنْ

ربعی بن حراش کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک شخص کی اپنے رب عزوجل سے ملاقات ہوئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے کیا عمل کیا ہے؟ اس شخص نے کہا میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا، البتہ میں ایک مالدار شخص تھا اور لوگ مجھ سے مال طلب کرتے تھے، میں مالدار سے قرض لے لیتا اور تنگ دست سے درگزر کرتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے سے درگزر کرو، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح فرماتے ہوئے سنا ہے!

عَبْدِیْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ۔

۳۸۸۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰی قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا مَاتَ فَدَخَلَ الْجَنَّةَ فَقِيْلَ لَهُ مَا كُنْتَ تَعْمَلُ قَالَ فَاِمَّا ذَكَرَ وَاِمَّا ذُكِّرَ فَقَالَ اِنِّیْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فَكُنْتُ اُنْظِرُ الْمُعْسِرَ وَاَتَجَوَّزُ فِی السِّكَّةِ اَوْ فِی النَّقْدِ فَغُفِرَ لَهُ فَقَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ وَاَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص فوت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہوا، اس سے پوچھا گیا تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے راوی کہتے ہیں اسے خود یاد آیا، یا اس کو یاد دلایا گیا، اس نے کہا میں لوگوں کو چیزیں فروخت کرتا تھا، میں مفلس کو مہلت دیتا تھا اور سکوں کے پرکھنے میں اس سے درگزر کرتا تھا، پس اس کی مغفرت کر دی گئی، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے۔

۳۸۸۴- حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ الْاَشَجُّ قَالَ نَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اُتِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِهٖ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ لَهُ مَاذَا عَمِلْتَ فِی الدُّنْيَا قَالَ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا قَالَ يَا رَبِّ اٰتَيْتَنِیْ مَالَكَ فَكُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ وَكَانَ مِنْ خُلُقِی الْجَوَازُ فَكُنْتُ اَتَيَسَّرُ عَلَی الْمُوْسِرِ وَاُنْظِرُ الْمُعْسِرَ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنَا اَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِیْ فَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ الْجُهَنِیُّ وَاَبُوْ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک بندہ لایا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: تم نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ راوی نے کہا لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکتے، اس شخص نے کہا: اے میرے رب تو نے مجھے مال عطا فرمایا تھا اور میری عادت درگزر کرنا تھی، میں مالدار پر آسانی کرتا اور تنگ دست کو مہلت دیتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ سے زیادہ درگزر کرنے کا حقدار ہوں، میرے اس بندے سے درگزر کرو، حضرت عقبہ بن عامر جہنی اور ابو مسعود انصاری نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے اسی طرح سنا ہے۔

مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ هٰكَذَا سَمِعْنَاهُ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

۳۸۸۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْ كُرَيْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِيَحْيٰى قَالَ يَحْيٰى اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُوْسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوْجَدْ لَهٗ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَكَانَ مُوْسِرًا فَكَانَ يَاْمُرُ غِلْمَانَهٗ اَنْ يَتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُعْسِرِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَحْنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی اُمتوں کے ایک شخص کا حساب لیا گیا، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں پائی گئی ماسوا اس کے کہ وہ لوگوں سے گھل مل کر رہتا تھا، وہ امیر شخص تھا اور اس نے اپنے نوکروں کو یہ حکم دیا تھا کہ غریب آدمی سے درگذر کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اس سے زیادہ درگذر کرنے کے حقدار ہیں، اس (کے گناہوں) سے درگذر کرو۔

۳۸۸۶ - حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِيْ مُزَاحِمٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ مَنْصُوْرٌ نَا اِبْرَاهِيْمُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ ابْنُ جَعْفَرٍ اَنَا اِبْرَاهِيْمُ وَهُوَ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يَتَجَاوَزُ عَنَّا فَلَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، وہ اپنے نوکر سے کہتا تھا کہ جب تم کسی غریب آدمی کے پاس جاؤ تو اس سے درگذر کر لینا، شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر کرے، سو جب اس کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر کر لیا۔

۳۸۸۷ - حَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

قَالَ اَنَاعَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِمِثْلِهِ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

۳۸۸۸- حَدَّثَنَا اَبُوالْهَيْثَمِ خَالِدُ بْنُ خِدَاشِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ نَاحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ طَلَبَ غَرِيْمًا لَهٗ فَتَوَارٰى عَنْهُ ثُمَّ وَجَدَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ مُعْسِرٌ قَالَ آللّٰهِ قَالَ آللّٰهِ قَالَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ.

ابن ابی قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قرض دار سے قرض کا مطالبہ کیا تو وہ ان سے چھپ گیا، پھر جب حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اس سے ملے تو وہ کہنے لگا میں غریب آدمی ہوں، حضرت ابو قتادہ نے کہا بخدا؟ اس نے کہا بخدا، حضرت ابو قتادہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو یوم قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے۔ وہ کسی مفلس کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔

۳۸۸۹- وَحَدَّثَنِيْهِ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ اَيُّوْبَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَهٗ.

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث اسی طرح منقول ہے۔

قرض معاف کرنے کے مسائل اور فضائل

مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کے قرض کو معاف کر دینا مستحب ہے، خواہ پورا قرض معاف کیا جائے یا اس کا کچھ حصہ معاف کیا جائے۔ ان احادیث کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیک کام کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ہو سکتا ہے اسی کی وجہ سے نجات ہو جائے اسی طرح کسی برائی کے کام کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کیا پتا اسی میں گرفت ہو جائے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرض وصول کرنا اور قرض داروں کو مہلت دینا اور ان سے درگذر کرنا نوکروں کے سپرد کیا جا سکتا ہے، ہر چند کہ یہ ہم سے پہلی شریعت کا حکم ہے، لیکن چونکہ ہماری شریعت میں اس سے منع نہیں کیا گیا اس لیے یہ احادیث حجت ہو سکتی ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے لکھا ہے کہ فرض نفل سے ستر درجہ زیادہ افضل ہوتا ہے، لیکن چند مسائل میں نفل کو فرض پر فضیلت ہے اول تنگ دست مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کا قرض معاف کر دینا مستحب ہے اور یہ واجب سے افضل ہے، ثانی ابتداءً سلام کرنا جواب دینے سے افضل ہے ثالث وقت سے پہلے وضو کرنا وقت کے بعد وضو کرنے سے افضل ہے۔ ؎

بَابُ تَحْرِيْمِ مَطْلِ الْغَنِيِّ وَصِحَّةِ الْحَوَالَةِ وَاسْتِحْبَابِ قَبُوْلِهَا إِذَا أُحِيْلَ عَلَى مَلِيٍّ

قرض ادا کرنے میں مالدار کی تاخیر کا حرام ہونا اور حوالہ کا جائز ہونا

۳۸۹۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض کی ادائیگی میں مالدار کی تاخیر کرنا ظلم ہے، اور جب تمہارا قرض کسی مالدار کے حوالے کر دیا جائے تو اسی سے مانگنا چاہیے۔

۳۸۹۱- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ أَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَا جَمِيْعًا نَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت کی ہے۔

قرض وصول کرنے کے احکام

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس حدیث کی تشریح میں حسب ذیل مسائل بیان کیے ہیں:

(۱)۔ مالدار کا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ممنوع ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ تاخیر گناہ کبیرہ ہے یا نہیں؟ جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ یہ تاخیر فسق ہے، لیکن کیا ایک مرتبہ کی تاخیر سے فسق ہو جاتا ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ تاخیر کرنا فسق نہیں ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک امر تکرار کا تقاضا کرتا ہے، علامہ سبکی نے شرح المنہاج میں اس کا رد

؎۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۶ ص ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب مطالبہ کے باوجود بلا عذر تاخیر کی جائے تو یہ غصب کی مثل ہے اور غصب گناہ کبیرہ ہے، اور اس کو ظلم قرار دینا بھی اس کے کبیرہ ہونے کی تائید ہے۔

(۲)۔ جو شخص قرض ادا کرنے سے عاجز ہو اس کی تاخیر کرنے کا یہ حکم نہیں ہے۔

(۳)۔ جو شخص تنگ دست ہو اس کو قرض ادا کرنے کے سبب سے گرفتار نہیں کیا جائے گا نہ اس کا پیچھا کیا جائے گا۔

(۴)۔ جب مالدار کو قرض حوالہ کیا جائے تو امام شافعی کے نزدیک قرض خواہ کا قبول کرنا مستحب ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک اس کا قبول کرنا واجب ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں، جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ مستحب ہے کیونکہ اس سے تنگ دست کو سہولت ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ مباح ہے، جب ابن وہب نے امام مالک سے اس بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا یہ حکم ترغیباً ہے وجوباً نہیں ہے البتہ قرض خواہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی چاہیے۔

(۵)۔ جو شخص بلا عذر قرض کی ادائیگی میں تاخیر کرے اس کا پیچھا کرنا چاہیے اور قرض وصول کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا چاہیے خواہ قرض وصول کرنے کے لیے زبردستی کرنی پڑے[۱]

حوالہ کی تعریف اور احکام

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں حوالہ کے چار ارکان ہیں محیل (مقروض) مُحَال یا مُحْتَال (قرض خواہ)۔ محتال علیہ (جس شخص نے مقروض کا قرض ادا کرنے کا التزام کر لیا) اور محتال بہ (نفس قرض)

حوالہ کی شرعی تعریف یہ ہے "قرض کے مطالبہ کو مقروض کے ذمہ سے ملتزم کے ذمہ کی طرف منتقل کر دینا"، حوالہ کے بعد مقروض سے بالاتفاق مطالبہ نہیں کیا جاتا[۲]۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: محیل، محتال اور محتال علیہ کی رضامندی سے حوالہ صحیح ہوتا ہے، محتال کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ قرض اس کا حق ہے جو اب دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو رہا ہے، اور اشخاص مختلف ہوتے ہیں۔ محتال علیہ کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ جب تک کہ وہ التزام نہ کرے اس پر قرض لازم نہیں ہوگا، اور محیل کے بارے میں امام محمد نے زیادات میں ذکر کیا ہے کہ اس کی رضامندی کے بغیر بھی حوالہ صحیح ہے کیونکہ اگر محتال علیہ نے از خود اس کا قرض اپنے ذمہ لے لیا تو اس میں اس کا نفع ہے، ضرر نہیں ہے[۳]

حوالہ کا طریقہ یہ ہے کہ مقروض قرض خواہ سے کہے کہ تمہارا قرض فلاں بن فلاں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اب تم اس سے مطالبہ کرنا، پھر اگر قرض خواہ نے اس کو منظور کر لیا تو حوالہ صحیح ہوگا اور اب مقروض سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا، قرض خواہ کی غیر موجودگی میں حوالہ صحیح نہیں ہوتا الا یہ کہ کوئی شخص اس کی طرف سے قبول کرے اور وہ بعد میں اس کی اجازت دے دے[۴]

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[۱] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۱۱-۱۱۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ

[۲] علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۴۶ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[۳] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۲۹ مطبوعہ مکتبہ شرکتہ علمیہ ملتان

[۴] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۶ ص ۳۴۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بَابُ ۵۰۶ تَحْرِيْمِ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ الَّذِيْ يَكُوْنُ بِالْفَلَاةِ وَيُحْتَاجُ اِلَيْهِ لِرَعْيِ الْكَلَاءِ وَتَحْرِيْمِ مَنْعِ بَذْلِهِ وَتَحْرِيْمِ بَيْعِ ضِرَابِ الْفَحْلِ

جنگلات کے فاضل پانی کو بیچنے اور جفتی کرانے کی اجرت کی ممانعت

۳۸۹۲- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيْعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَآءِ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فالتو پانی کو بیچنے سے منع فرمایا۔

۳۸۹۳- وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَآءِ وَالْاَرْضِ لِتُحْرَثَ فَعَنْ ذٰلِكَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی جفتی کی بیع اور پانی اور کاشت کے لیے زمین کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

۳۸۹۴- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ كِلَاهُمَا عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَآءِ لِيُمْنَعَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاضل پانی سے نہ روکا جائے تاکہ اس وجہ سے گھاس کو بھی روک دیا جائے۔

بِهِ الْكَلَأُ.

۳۸۹۵- وَحَدَّثَنَا اَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَاَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ الْكَلَأَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کرو کہ گھاس کی پیداوار کو روک دو۔

۳۸۹۶- وَحَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ قَالَ نَا اَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِي زِيَادُ بْنُ سَعْدٍ اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُسَامَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاضل پانی کی بیع نہ کی جائے تاکہ اس وجہ سے گھاس کی بیع کی جائے۔

فالتو پانی کی بیع میں مذاہب

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں کہ فاضل پانی سے ممانعت کی صورت یہ ہے کہ کسی انسان کی ملکیت میں جنگل کا ایک کنواں ہو اور وہاں گھاس ہو اور اس کے قریب اس کنویں کے سوا اور کوئی پانی نہ ہو، پھر مویشیوں کے مالکوں کے لیے سوا اس کنویں کے پانی پلانا ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں جانوروں کو اس فالتو پانی پلانے سے روکنا حرام ہے، اور اس پر واجب ہے کہ وہ بلاعوض پانی خرچ کرے، کیونکہ اگر وہ اس پانی سے منع کرے گا تو لوگوں کے لیے اس گھاس سے اپنے جانوروں کو پانی پلانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس صورت کے علاوہ فالتو پانی سے منع کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ فالتو پانی کی بیع کی حرمت کے لیے تین شرائط ہیں۔ اول یہ کہ اس پانی کے علاوہ اور کوئی فالتو پانی نہ ہو، ثانی یہ کہ مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے اس پانی کی ضرورت ہو، کاشت کاری کے لیے نہ ہو، ثالث یہ کہ اس پانی کے مالک کو اس کی ضرورت نہ ہو۔ علامہ نووی مزید لکھتے ہیں: صحیح مذہب یہ ہے کہ جس شخص کی ملک میں کوئی پانی نکل آئے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہی تنزیہ کے لیے ہے یا تحریم کے لیے، طیبی نے کہا ہے کہ اسی اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ آیا پانی پر ملکیت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ اس نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے۔ توضیح میں ہے کہ امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے ہے۔ علامہ خطابی اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک فالتو پانی خرچ کرنا مستحب ہے اور ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ فالتو پانی کو مویشیوں کے لیے خرچ کرنا واجب ہے، اور کاشت کاری کے لیے واجب نہیں ہے۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ احناف کا مذہب بھی یہی ہے کہ مویشیوں کے لیے پانی خرچ کرنا واجب ہے اور کاشت کاری کے لیے پانی خرچ کرنا واجب نہیں ہے امام شافعی نے اس کا فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا مویشی جاندار ہیں اور پانی کے نہ دینے سے ان کی موت کا خطرہ ہے اور کاشتکاری میں یہ خطرہ نہیں ہے۔ [1]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: کسی نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ابوثور اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ نر جانور کو جفتی کے لیے کرائے پر طلب کرنا باطل اور حرام ہے، مالک اس میں کسی عوض کا مستحق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اپنی مادہ جانور کی کسی کے نر سے جفتی کرائے تو نر جانور کا مالک طے شدہ اجرت کا مستحق ہوگا نہ اجرتِ مثلیہ کا، نہ کسی اور مال کا مستحق ہوگا، ان فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ غرر مجہول ہے اور مالک اس مادہ کو دینے پر قادر نہیں ہے، صحابہ کی ایک جماعت، فقہاء تابعین اور امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ مدت معلومہ یا ضربات معلومہ کے عوض جفتی کے لیے نر کو کرائے پر لینا جائز ہے کیونکہ یہ کام ایک منفعت مقصودہ ہے اور اس کی ضرورت ہے اور حدیث میں ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے جیسا کہ فالتو پانی کی بیع کی ممانعت مکروہ تنزیہی ہے اور مکارم اخلاق کی تعلیم کے لیے ہے۔ [2]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: نر جانور کو جفتی کرانے کے لیے کرائے پر دینا جائز نہیں ہے، امام شافعی، فقہاء حنفیہ ابوثور اور ابن المنذر کا ظاہر مذہب یہی ہے۔ ابوالخطاب نے اس کے جواز کی ایک وجہ نکالی ہے، کیونکہ یہ انتفاع مباح ہے اور اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس جس طرح دودھ پلانے والی عورت کو کرائے پر دینا جائز ہے یا کنویں کو کرائے پر دینا جائز ہے اسی طرح نر کو بھی کرائے پر دینا جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے کی صریح ممانعت ہے، اور اس کرائے سے مقصود وہ پانی حاصل کرنا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے سو جس طرح بکری کو دودھ کے لیے کرائے پر دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے، اور یہ پانی حرام ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے اس لیے اس کا کوئی عوض لینا بھی جائز نہیں ہے، جس طرح مردار اور خون کا عوض لینا جائز نہیں ہے، جو شخص اس کو جائز کہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اس عمل پر عقد کرے اور اس کو ایک بار یا دو بار کے ساتھ مقید

---

[1] علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۹۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ مدت پر عقد کیا جائے لیکن یہ بعید ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: مذہب یہ ہے کہ اس کا کرایہ جائز نہیں ہے اگر کسی شخص کو اس کی ضرورت ہو اور اس کو کوئی ایسا جانور نہ ملے جو اس کی مادہ کا جفتی کر سکے تو اس کے لیے اجرت پر نر جانور کو حاصل کرنا جائز ہے لیکن جانور کے مالک کے لیے نر کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ نر کی اجرت لینا جائز نہیں ہے لیکن جب اجرت کے بغیر جانور نہ ملے تو اجرت دینا جائز ہے جیسا کہ ظالم کے ظلم کو دفع کرنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے۔ اگر کوئی انسان اپنا جانور جفتی کے لیے دے اور بغیر کرائے اور شرط کے اس کو کوئی ہدیہ دیا جائے یا اس کی کوئی تکریم کی جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ نیکی کا صلہ دینا جائز ہے۔[1]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: نر کو جفتی کے لیے کرائے پر لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے ان احادیث کے پیش نظر اس کو ناجائز کہا ہے اور امام مالک نے مدت معلومہ کے عوض نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے کو جائز کہا ہے، اسی طرح انھوں نے ضربات معلومہ کے عوض بھی کرائے پر دینے کو جائز قرار دیا ہے، ہمارے بعض اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں، ایک مسئلہ ہے نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینا، دوسرا مسئلہ ہے اس کی ضربات کو خریدنا، ہم پہلی صورت کو جائز قرار دیتے ہیں اور دوسری صورت کو ناجائز کہتے ہیں، جس طرح ہم دودھ پلانے والی کو کرائے پر لینے کو جائز کہتے ہیں اور عورت کے دودھ خریدنے کو ناجائز کہتے ہیں، جو فقہاء اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مجہول چیز کا معاوضہ ہے اور ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک معلوم چیز کا معاوضہ ہے، جبکہ ضرورت بھی اس کے جواز کا تقاضا کرتی ہے اور اس حدیث کو ہم ضربات کی بیع پر محمول کرتے ہیں یا یہ کہ حدیث میں مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کی ہے۔

علامہ وشتانی لکھتے ہیں میں یہ کہتا ہوں کہ ضرب الفحل سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ نر اپنا پانی مادہ کے رحم میں افزائش نسل کے لیے پہنچائے، اگر اس چیز کی بیع کی گئی ہے تو اس کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اس میں غرر ہے اور نر سے پانی کا منفصل ہو کر مادہ کے رحم تک پہنچنا مجہول ہے، ـــــ اور اس اعتبار سے حدیث کی ممانعت مکارم اخلاق پر محمول نہیں ہے۔[2]

نر کو جفتی کے لیے کرائے پر دینے میں فقہاء حنفیہ کا موقف

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس حدیث کے پیش نظر نر کی جفتی کی بیع اور اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، امام مالک کے نزدیک نر کو جفتی کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے۔ علماء نے کہا یہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ علامہ رافعی کہتے ہیں کہ مادہ کا مالک اگر نر کے مالک کو بطور ہدیہ کے کچھ دے تو جائز ہے لیکن امام احمد اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام احمد کا

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۳۲۰۔ ۳۱۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

نظر بہ حسب ذیل آثار صحابہ و اقوال تابعین پر مبنی ہے:

(۱)۔ امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے: مسروق کہتے ہیں میں نے عبد اللہ سے پوچھا "سحت" کیا ہے؟ انھوں نے کہا کوئی شخص اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد ہدیہ دے اور وہ قبول کرلے۔

(۲)۔ امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا: حضرت عبد اللہ بن عمر سے کسی نے سوال کیا: ایک شخص نے کسی کی ضمانت دی اس نے اس کو ایک درہم دیا اور چادر پہنائی کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر وہ ضمانت نہ دیتا تو کیا وہ اس کو یہ چیزیں دیتا؟ کہا نہیں، فرمایا پھر جائز نہیں ہے۔

(۳)۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو اپنے گھر گئے تو وہاں ایک ہدیہ دیکھا، پوچھا یہ کیا ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ جس شخص کی آپ نے سفارش کی تھی اس نے بھیجا ہے، فرمایا اس کو واپس کردو، کیا وہ یہی شفاعت کا صلہ دنیا میں دے رہا ہے؟

(۴)۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر نے حضرت علی سے کسی دہقان کی سفارش کی اس نے عبد اللہ بن جعفر کے پاس چالیس ہزار (درہم) بھیجے، آپ نے فرمایا ان کو واپس کرو، ہم اہل بیت نیکی نہیں بیچتے۔

(۵)۔ امام ابو داؤد نے سنن میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کی شفاعت کی اور اس نے اس پر کوئی ہدیہ پیش کیا تو اس نے سود کا ایک بہت بڑا دروازہ کھول لیا۔

(۶)۔ امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ابو عامر ہوزنی، ابو کبشہ انماری کے پاس گئے اور کہا مجھے اپنا گھوڑا جفتی کے لیے دو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے گھوڑے کو جفتی کے لیے دیا اور اس سے بچہ ہوگیا تو اس کو اللہ کی راہ میں ستر گھوڑے دینے کا اجر ملے گا، اور اگر بچہ نہیں ہوا تو اس کو ایک گھوڑے کو اللہ کی راہ میں دینے کا اجر ملے گا۔ [1]

یہ تمام آثار اور اقوال تابعین عزیمت اور تقوے پر دلالت کرتے ہیں اور فتوے اور رخصت کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کرایہ طے کیے اور بغیر کسی شرط کے نر کی جفتی کا کوئی صلہ دیا جائے تو جائز ہے۔ اور اب چونکہ جانوروں کی نسل کی افزائش کی عام ضرورت ہے اس لیے امام مالک کے قول کے مطابق نر کی جفتی کو کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس سلسلے میں جو ممانعت کی احادیث ہیں وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہیں۔

انجکشن کے ذریعہ نر کا نطفہ مادہ کے رحم میں پہنچانے کا حکم

اب یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ نر کا نطفہ ایک ٹیوب میں حاصل کرکے انجکشن کے ذریعہ مادہ کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے، یہ عمل جائز ہے اور اس عمل کی اجرت لینا بھی جائز ہے البتہ اس نطفہ کی بیع جائز نہیں ہے، نطفہ تبرعاً دیا جائے اور اس عمل کی اجرت لی جائے تو صحیح ہے۔

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۰۶ - ۱۰۵ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

بَابُ تَحْرِيْمِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَالنَّهْيِ عَنْ بَيْعِ السِّنَّوْرِ

کتوں کی قیمت، فاحشہ اور نجومی کی اجرت اور بلی کی بیع کا حرام ہونا

۳۸۹۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، فاحشہ کی اجرت اور کاہن کی مٹھائی سے منع فرمایا۔

۳۸۹۸ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَفِي حَدِيْثِ اللَّيْثِ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَسْعُوْدٍ

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اور ابن رمح کی روایت ہے کہ انھوں نے ابو مسعود سے سنا ہے۔

۳۸۹۹ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ قَالَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ يُحَدِّثُ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ شَرُّ الْكَسْبِ مَهْرُ الْبَغِيِّ وَثَمَنُ الْكَلْبِ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بری کمائی فاحشہ کی اجرت، کتے کی قیمت اور پچھنے لگانے والے کی اجرت ہے۔

۳۹۰۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ أَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتے کی قیمت خبیث

WWW.NAFSEISLAM.COM

عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ قَارِظٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ ۔

ہے، فاحشہ کی کمائی خبیث ہے اور پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔

۳۹۰۱ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهٗ ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل روایت منقول ہے۔

۳۹۰۲ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ قَالَ نَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ نَا رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ ۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت کرتے ہیں۔

۳۹۰۳ ۔ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ قَالَ نَا مَعْقِلٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ فَقَالَ زَجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ ۔

ابوزبیر کہتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔

کتے کی بیع اور اس کی قیمت میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: فقہاء کی ایک جماعت نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کتوں کی بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ کتے سدھائے ہوئے ہوں یا نہ ہوں، خواہ ان کا رکھنا جائز ہو یا ناجائز، ہر حال میں ان کی قیمت باطل اور حرام ہے۔ حسن بصری، محمد بن سیرین، عبدالرحمن بن ابی لیلی، حکم، حماد بن ابی سلیمان، ربیعہ، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابن المنذر اور اہل ظاہر کا یہی موقف ہے۔ امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے، امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ کتا خواہ شکاری ہو یا غیر شکاری میں ہر قسم کے کتے کی قیمت کو مکروہ قرار دیتا ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ ابن زرقون نے شرح المؤطا میں لکھا ہے کہ جس کتے کا رکھنا مباح ہے اس کے بارے میں امام مالک کے اقوال مختلف ہیں، بعض اقوال میں اس کی اجازت دی ہے اور بعض اقوال میں منع کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے بھی اس کتے کی بیع کو جائز قرار دیا ہے جس کا رکھنا مباح ہے۔

جو فقہاء کتے کی بیع کو مطلقاً ممنوع قرار دیتے ہیں وہ اس باب کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں، اس کے برخلاف عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد، ابن کنانہ، سحنون مالکی اور امام مالک (ایک قول کے مطابق) یہ کہتے ہیں کہ جن کتوں سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے ان کی بیع بھی جائز ہے اور ان کی قیمت مباح ہے اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ کاٹنے والے کتے کی بیع جائز نہیں ہے اور نہ اس کی قیمت مباح ہے۔[۱]

جن کتوں کا رکھنا جائز ہے ان کی بیع کے جواز میں احادیث

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید قال ابو عبد الرحمن ھذا منکر۔[۲]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ امام ابوعبد الرحمان نسائی فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

اخرجہ النسائی باسناد رجالہ ثقات الا انہ طعن فی صحتہ۔[۳]

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ انہوں نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ امام نسائی نے اس حدیث کو اس لیے منکر قرار دیا ہو کہ دوسرے راویوں نے شکاری کتے کے استثناء کا ذکر نہیں کیا لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جبکہ درایت سے بھی اس زیادتی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کتوں کا رکھنا جائز کر دیا ہے ان کی بیع اور قیمت بھی جائز ہونی چاہیے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ابوکریب ثنا وکیع عن حماد بن سلمۃ عن ابی المھزم عن ابی ھریرۃ قال نھی عن ثمن الکلب، وھذا الحدیث لا یصح من ھذا الوجہ وابو المھزم تکلم فیہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے صحیح (لذاتہ) نہیں ہے اس کی سند میں ایک راوی ابوالمہزم ہے اس پر شعبہ بن حجاج نے

---

[۱] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۹۔ ۵۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ

[۲] امام ابوعبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[۳] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۴۲۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

شعبۃ بن الحجاج رحمہ اللہ جرح کی ہے۔

ہر چند کہ امام ترمذی نے ابوالمہزم کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حضرت ابوہریرہ سے صرف ابوالمہزم روایت نہیں کرتے بلکہ عطاء بن ابی رباح نے بھی اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

ابوبکر احمد بن محمد بن الحارث الفقیہ ثنا ابومحمد بن حیان ابوالشیخ الاصبھانی ثنا محمد بن یحیی بن مالک الضبی ثنا محمود بن غیلان ثنا مؤمل ثنا حماد بن سلمۃ ثنا قیس عن عطاء عن ابی ھریرۃ نھی عن مھر البغی وعسب الفحل وعن ثمن السنور وعن الکلب الا کلب صید۔ ؂

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فاحشہ کی اجرت، نر کی جفتی کی اجرت اور کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے، البتہ شکاری کتے کی بیع سے منع نہیں کیا۔

امام ترمذی نے اس حدیث پر ابوالمہزم کی وجہ سے جو اعتراض کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ سے عطاء نے بھی روایت کیا ہے اور جب اس حدیث کا ایک متابع موجود ہے تو ابوالمہزم کے ضعف کی وجہ سے جو اعتراض تھا وہ ختم ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کے اعتراض کی بناء پر یہ حدیث زیادہ سے زیادہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور چونکہ یہ حدیث اور متعدد اسانید سے مروی ہے اس لیے یہ صحیح لغیرہ ہے اور استدلال کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے (یعنی ابوالمہزم والی سند سے) صحیح (لذاتہ) نہیں ہے مطلقاً اس حدیث کی صحت کا انکار نہیں کیا۔

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن جابر لا اعلمہ الا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید۔ ؂

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا، کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۔

عن جابر قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید۔ ؂

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۔

عن جابر قال نھی رسول اللہ صلی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

؂ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

؂ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۶ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

؂ امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

؂ " " " ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳،

WWW.NAFSEISLAM.COM

الله علیه وسلم عن ثمن السنور و الکلب الا کلب صید۔ [1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے سوا کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔

امام دارقطنی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تین مختلف اسانید کے ساتھ بیان کی ہے، اختصار کے پیش نظر ہم نے اسانید کا ذکر نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں:

ابوحنیفۃ عن الهیثم عن عکرمۃ عن ابن عباس قال رخص رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ثمن کلب الصید۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی قیمت کی اجازت دی ہے۔

حافظ ذیلعی اس حدیث کی سند پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ سند جید ہے، حافظ ابن حبان نے ہیثم کا ذکر ثقات تابعین میں کیا ہے اور ابن عدی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ کامل میں ذکر کیا ہے۔ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بالعموم کتے کی بیع یا اس کی قیمت سے منع کیا ہے وہ ان کتوں کے ماسوا پر محمول ہیں جن کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس تخصیص پر ایک قرینہ تو یہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی گئی ہے اور دوسرا قرینہ وہ احادیث ہیں جن میں شکاری کتوں اور کھیت اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے جن کی صحت پر اتفاق ہے (یہ احادیث اگلے باب میں آرہی ہیں) اور اگر ان کتوں کی بیع ناجائز ہو تو پھر ان کو رکھنے کی اجازت کا کوئی معنی نہیں ہے۔

کاہن کی تعریف اور اس کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں: علامہ خطابی نے معالم السنن میں بیان کیا ہے کہ کاہن اور عراف میں یہ فرق ہے کہ کاہن مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبریں بیان کرتا ہے اور معرفت اسرار کا دعویٰ کرتا ہے اور عراف وہ ہے جو چوری ہونے والی اشیاء اور گم شدہ چیز کی جگہ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہے، نیز علامہ خطابی نے بیان کیا کہ کاہن وہ ہے جو مطالعہ غیب کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو مستقبل کی باتوں کی خبر دیتا ہے۔ عرب میں کاہن ہوتے تھے جو بہت سی چیزوں کا دعویٰ کرتے تھے، بعض یہ کہتے تھے کہ جن ان کا تابع ہے اور وہ آکر انہیں خبریں دیتا ہے، بعض یہ کہتے تھے کہ وہ اپنی عقل سے آئندہ ہونے والی باتوں کو جان لیتے ہیں اور بعض ان میں سے عراف کہلاتے تھے یہ کہتے تھے کہ وہ چیزوں کو اسباب سے جان لیتے ہیں مثلاً کوئی چیز چوری ہو جائے تو جس پر چوری کا گمان ہو اس کو جان لیتے تھے اور شک کی بناء پر کسی کو چوری کی تہمت لگا دیتے تھے۔ ان میں سے بعض نجومی ہوتے تھے ان کو بھی کاہن کہا جاتا تھا۔ حدیث میں جو کاہنوں کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے یہ ممانعت ان تمام اقسام کو شامل ہے۔ [4]

---

[1] امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۷۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم (مترجم) ص ۳۰۳-۳۰۲ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

[3] حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۵۴ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۷۵ھ

پچھنے لگانے کی اجرت کا حکم

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں جمہور کا موقف یہ ہے کہ فصد لگانے کی اجرت جائز ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی اور اس کی اجرت دی۔ نیز موطأ امام مالک اور جامع ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فصد لگانے والے کی کمائی کا حکم پوچھا آپ نے فصد لگانے سے منع فرمایا، اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر منع فرمایا، تیسری بار آپ نے فرمایا "یہ کمائی اپنے غلام کو کھلا دو" اس حدیث سے اس کمائی کا حرام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جس چیز کی آمدنی حرام ہے وہ آزاد اور غلام دونوں پر حرام ہے۔ اس باب کی احادیث میں آپ نے فصد (پچھنے) لگانے کی اجرت سے منع فرمایا ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کی ہے یعنی مروت کا تقاضا یہ ہے کہ فصد لگانے والا بلا عوض فصد لگادے۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں فصد لگانے کے بعد کفار حاصل شدہ خون کو کھلانے کے لیے فروخت کر دیتے تھے ان احادیث میں دراصل آپ نے خون کی بیع سے منع فرمایا ہے۔[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک فصد لگانے کی اجرت جائز ہے۔ اور اس سلسلے میں حضرت ابن عباس کی روایات سے استدلال کیا ہے۔[2]

باب ۵۰۹ میں ان احادیث کا بیان ہے جو فصد لگانے کی اجرت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

بلی کی بیع اور اس کی قیمت کا حکم

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: بلی کی بیع کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کا موقف یہ ہے کہ بلی کی بیع جائز ہے، حسن بصری، محمد بن سیرین، حکم حماد، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور امام احمد کا یہی موقف ہے، ابن منذر کہتے ہیں کہ بلی کی بیع کی رخصت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے، اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ بلی کی بیع ناجائز ہے ان کی دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۳۹۰۳ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کی قیمت سے منع کیا ہے جمہور نے اس حدیث کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

(۱) یہ ممانعت وحشی بلی کی بیع پر محمول ہے جس کا سپرد کرنا غیر مقدور ہے۔

(۲) امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام کا تھا، جب بلی کو ناپاک قرار دیا تھا، اور جب اس کے جھوٹے کو جائز فرمایا تو اس کی بیع بھی جائز ہو گئی۔

(۳) یہ نہی تنزیہی ہے۔ یہ علامہ نووی کا جواب ہے۔

(۴) یہ حدیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس کی روایات کے معارض ہے جن میں اس کی بیع کو جائز کہا گیا ہے۔[3]

اس باب کی احادیث میں فاحشہ کی اجرت سے بھی منع کیا گیا ہے اور یہ نہی تحریم کے لیے ہے، چونکہ فاحشہ کی اجرت کا حرام ہونا بالکل بدیہی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لیے ہم نے اس پر مستقل بحث کرنے سے

---

[1] علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی اُبی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[3] ،، ،، ،، ،، ،، ،، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۶۰

اجتناب کیا ہے۔

بَابُ الْاَمْرِ بِقَتْلِ الْكِلَابِ وَبَيَانِ نَسْخِهٖ وَبَيَانِ تَحْرِيْمِ اقْتِنَائِهَا اِلَّا لِصَيْدٍ اَوْ زَرْعٍ اَوْ مَاشِيَةٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ!

کتوں کے قتل کا حکم اور پھر اس کے منسوخ ہونے کا بیان اور شکار اور کھیت اور جانوروں کی حفاظت کے لیے کتے پالنے کا جواز

۳۹۰۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

۳۹۰۵ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ فَاَرْسَلَ فِيْ اَقْطَارِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ تُقْتَلَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور مدینہ کے اطراف میں کتوں کو قتل کرنے کے لیے آدمی روانہ کیے۔

۳۹۰۶ - وَحَدَّثَنِيْ حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ نَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ قَالَ نَا اِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ اُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِقَتْلِ الْكِلَابِ فَتُنْبَعَثُ فِي الْمَدِيْنَةِ وَاَطْرَافِهَا فَلَا نَدَعُ كَلْبًا اِلَّا قَتَلْنَاهُ حَتّٰى اِنَّا لَنَقْتُلُ كَلْبَ الْمُرَيَّةِ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ يَتْبَعُهَا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے تھے پھر مدینہ اور اس کے اطراف میں کتوں کا پیچھا کیا گیا اور ہم نے کوئی کتا مارے بغیر نہیں چھوڑا، حتیٰ کہ دیہاتیوں کی اونٹنی کے ساتھ جو کتا رہتا تھا ہم نے اس کو بھی مار ڈالا۔

۳۹۰۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے اور بکریوں یا مویشیوں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ اَوْ كَلْبَ غَنَمٍ اَوْ مَاشِيَةٍ فَقِيْلَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ اَوْ كَلْبَ زَرْعٍ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اِنَّ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ زَرْعًا۔

کی حفاظت کے کتوں کے سوا کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کھیت کے کتے کا بھی استثناء کرتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت ابوہریرہ کے پاس کھیت ہے (اس وجہ سے انھوں نے کھیت کا حکم بطور خاص یاد رکھا۔ سعیدی)

۳۹۰۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ خَلَفٍ قَالَ نَا رَوْحٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ تَقْدَمُ مِنَ الْبَادِيَةِ بِكَلْبِهَا فَنَقْتُلُهٗ ثُمَّ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْاَسْوَدِ الْبَهِيْمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَاِنَّهٗ شَيْطَانٌ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، حتیٰ کہ کوئی عورت دیہات سے اپنا کتا لے کر آتی تو ہم اس کتے کو بھی قتل کر دیتے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے سے منع کر دیا، اور فرمایا اس کالے سیاہ کتے کو قتل کر دو جو دو نقطے والا ہو، کیونکہ وہ شیطان ہے۔

۳۹۰۹- وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ سَمِعَ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ الْمُغَفَّلِ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُهُمْ وَبَالُ الْكِلَابِ ثُمَّ رَخَّصَ فِيْ كَلْبِ الصَّيْدِ وَكَلْبِ الْغَنَمِ۔

حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کتے لوگوں کو کیا تکلیف دیتے ہیں! پھر آپ نے شکاری کتے اور بکریوں (کی حفاظت) کے کتوں کی اجازت دی۔

۳۹۱۰- وَحَدَّثَنِيْهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ

امام مسلم متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن مغفل

قَالَ نَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ ح قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا النَّضْرُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ كُلُّهُمْ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي حَدِيثِهِ عَنْ يَحْيَى وَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْعِ.

کی روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بکریوں کے کتوں، شکار کے کتوں اور کھیت کے کتوں کی اجازت دی۔

۳۹۱۱- وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارِيًا نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کے کتے کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

۳۹۱۲- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالُوا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ نَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

۳۹۱۳- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ نَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ قَالَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا مویشیوں کے کتوں کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنٰی کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ ضَارِیَۃٍ اَوْ مَاشِیَۃٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِہٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطَانِ۔

۳۹۱۴۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیٰی وَیَحْیَی بْنُ اَیُّوْبَ وَقُتَیْبَۃُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ یَحْیٰی اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا اِسْمٰعِیْلُ عَنْ مُحَمَّدٍ وَھُوَ ابْنُ اَبِیْ حَرْمَلَۃَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنٰی کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ مَاشِیَۃٍ اَوْ کَلْبَ صَیْدٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِہٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ وَقَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ اَوْ کَلْبَ حَرْثٍ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت یا شکاری کتے کے علاوہ اور کوئی کتا پالا تو اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں اور کھیتی کا کتا۔

۳۹۱۵۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ قَالَ اَنَا وَکِیْعٌ قَالَ نَا حَنْظَلَۃُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنٰی کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ ضَارِیَۃٍ اَوْ مَاشِیَۃٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِہٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطَانِ قَالَ سَالِمٌ وَکَانَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ اَوْ کَلْبَ حَرْثٍ وَکَانَ صَاحِبَ حَرْثٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا حفاظت کے کتوں کے سوا کوئی اور کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے، سالم نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے یا کھیت کی حفاظت کا کتا اور وہ کاشتکاری کرتے تھے (اس وجہ سے انہوں نے کھیت کے کتے کا حکم بطور خاص یاد رکھا، سعیدی)

۳۹۱۶۔ حَدَّثَنَا دَاوٗدُ بْنُ رُشَیْدٍ قَالَ نَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِیَۃَ قَالَ اَنَا عُمَرُ بْنُ حَمْزَۃَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل خانہ میں سے جس نے بھی مویشیوں کے کتے یا شکاری کتوں کے سوا کوئی کتا رکھا ان کے اعمال سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

أَهْلِ دَارٍ اتَّخَذُوا كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ كَلْبَ صَائِدٍ نُقِصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطَانِ۔

۳۹۱۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ مُثَنَّى قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ زَرْعٍ أَوْ غَنَمٍ أَوْ صَيْدٍ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کھیت یا بکریاں یا شکار کے کتوں کے علاوہ کوئی اور کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

۳۹۱۸- وَحَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَيْسَ بِكَلْبِ صَيْدٍ وَلَا مَاشِيَةٍ وَلَا أَرْضٍ فَإِنَّهُ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ قِيرَاطَانِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ أَبِي الطَّاهِرِ وَلَا أَرْضٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے شکار، مویشی اور زمین کے علاوہ کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے، ابوالطاہر کی روایت میں زمین کا لفظ نہیں ہے۔

۳۹۱۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَذُكِرَ لِابْنِ عُمَرَ قَوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مویشی، شکار یا کھیت کے علاوہ کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ زہری کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کو حضرت ابوہریرہ کی روایت سنائی گئی تو انھوں نے فرمایا: اللہ ابوہریرہ پر رحم کرے وہ کھیت والے تھے۔

اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ یَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا هُرَیْرَةَ کَانَ صَاحِبَ زَرْعٍ۔

۳۹۲۰ - حَدَّثَنِیْ زُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ نَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِیُّ قَالَ نَا یَحْیٰی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَمْسَكَ کَلْبًا فَاِنَّهٗ یَنْقُصُ مِنْ عَمَلِهٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطٌ اِلَّا کَلْبَ حَرْثٍ اَوْ مَاشِیَةٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کھیت یا مویشی کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

۳۹۲۱ - وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ اَنَا شُعَیْبُ بْنُ اِسْحٰقَ قَالَ نَا الْاَوْزَاعِیُّ قَالَ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

۳۹۲۲ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ نَا حَرْبٌ قَالَ نَا یَحْیٰی بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

۳۹۲۳ - حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ یَعْنِی ابْنَ زِیَادٍ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ سُمَیْعٍ قَالَ نَا اَبُوْ رَزِیْنٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ کَلْبًا لَیْسَ بِکَلْبِ صَیْدٍ وَلَا غَنَمٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شکاری کتے یا بکریوں کی حفاظت کے علاوہ کوئی اور کتا رکھا اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔

كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطًا ۔

۳۹۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ خُصَيْفَةَ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ شَنُوءَةَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَلَا ضَرْعًا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ قَالَ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِي وَرَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ ۔

حضرت سفیان بن ابی زہیر (یہ قبیلہ شنوءۃ کے تھے) ، صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسا کتا پالے جو کھیت اور مویشیوں کی حفاظت کا نہ ہو اس کے عمل سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا رہے گا۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت سفیان سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں اس مسجد کے رب کی قسم!۔

۳۹۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا أَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّهُ وَفَدَ عَلَيْهِمْ سُفْيَانُ بْنُ أَبِي زُهَيْرٍ الشَّنَائِيُّ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ ۔

حضرت سفیان بن ابی زہیر شنائی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔

کتوں کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: کاٹنے والے کتے کو قتل کرنے پر اجماع ہو چکا ہے، اور جو کتے بے ضرر ہیں ان میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام الحرمین فرماتے ہیں اولاً شارع علیہ السلام نے ہر قسم کے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا اور سیاہ شریر کتے کے سوا باقی کتوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔ حسن اور ابراہیم سیاہ شریر کتے کے شکار کو بھی مکروہ کہتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اور بعض شافعیہ کا بھی یہی موقف ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب سیاہ کتا شکار کرے تو وہ حلال نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سیاہ شکاری کتے کا شکار کیا ہوا بھی حلال ہے۔[1] (حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا یہ مسلک ہے کہ جن کتوں کا حدیث میں استثناء ہے ان کے سوا تمام کتوں کو قتل کرنا جائز ہے اور جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ سیاہ کتے کے سوا باقی تمام کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔[۱]

کھیت کے کتے کے مستثنیٰ ہونے کی روایت

حدیث نمبر ۳۹۰ میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ کھیت کا کتا بھی قتل کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت ابن عمر نے جواب دیا کہ حضرت ابوہریرہ کھیت والے تھے۔ حضرت ابن عمر کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حضرت ابوہریرہ پر طنز کر رہے تھے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت ابوہریرہ نے اپنے مفاد میں کھیت کے بارے میں حدیث گھڑ لی ہے! علامہ نووی فرماتے ہیں اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابوہریرہ کھیت میں کام کرتے تھے اس لیے انھوں نے ان الفاظ کو یاد رکھا، کیونکہ جو شخص جس کام میں مشغول رہتا ہے وہ اس کام کے احکام کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ یاد رکھتا ہے۔ نیز کھیت کے استثناء کی روایت میں حضرت ابوہریرہ منفرد نہیں ہیں، امام مسلم نے حضرت ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی بھی روایت ذکر کی ہے جس میں قتل کے حکم سے کھیت کا کتا مستثنیٰ ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۳۹) نیز امام مسلم نے کھیت کے کتے کے استثناء کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی بیان کی ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۳۹۱) رہا یہ سوال کہ جب حضرت ابن عمر نے خود بھی کھیت کے کتے کا استثناء بیان کیا ہے تو حضرت ابوہریرہ کے بارے میں ایسا ریمارک کیوں دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت ابن عمر نے حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث سن لی اور ان کو اس کی تحقیق ہو گئی تو انھوں نے اس کو خود بھی روایت کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب انھوں نے کھیت کا استثناء بیان نہیں کیا تھا اس وقت ان کو یہ استثناء یاد نہیں تھا اور جب ان کو یاد آیا تو انھوں نے بیان کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کھیت کے کتے کا استثناء بیان کرنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں بلکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس کو بیان کرتی ہے اور اگر وہ منفرد ہوتے تب بھی ان کی روایت مقبول ہوتی۔[۲]

ایک قیراط اور دو قیراط کی دو حدیثوں میں تطبیق

حدیث نمبر ۳۹۱۱ میں ہے جس شخص نے شکاری کتے یا جانوروں کی حفاظت کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے اجر سے ہر روز دو قیراط کم ہوں گے، اور حدیث نمبر ۳۹۱۲ میں ہے اس کے اجر سے ہر روز ایک قیراط کم ہوگا، ان دونوں حدیثوں میں کس طرح موافقت ہوگی؟ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کتے کی دو قسمیں ہوں جو زیادہ ایذاء دینے والا ہو اس کی وجہ سے دو قیراط اور جو کم ایذاء دینے والا ہو اس کی وجہ سے ایک قیراط کم ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آبادی والے کتوں کی وجہ سے دو قیراط اور جنگلوں والے کتوں کی وجہ سے ایک قیراط اجر کم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں جب کتوں کے معاملے میں آپ نے شدت کی تھی اس وقت آپ نے دو قیراط اجر کم ہونے کا بیان فرمایا اور جب کتوں کے امر میں تخفیف کر دی تو ایک قیراط اجر کم ہونے کا بیان فرمایا۔[۳]

[۱] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[۱] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ آبی مالکی وشتانی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[۲] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[۳] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۵۸ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

کتوں کو رکھنے کی وجہ سے ایک یا دو قیراط اجر میں کمی کی وجہ

کتوں کو رکھنے کی وجہ سے اجر میں کیوں کمی ہوتی ہے؛ بعض فقہاء نے کہا کتوں کی وجہ سے فرشتے گھر میں نہیں آسکتے اس لیے رکھنے والے کے اجر میں کمی ہوتی ہے، بعض نے کہا کتوں کی وجہ سے گھر میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے اجر میں کمی ہوتی ہے، یا اس وجہ سے کہ رکھنے والے نے ایک ممنوع کام کا ارتکاب کیا اس کی پاداش میں اس کے اجر میں کمی ہوتی ہے، یا اس وجہ سے کہ کتا بکثرت نجاسات کھاتا ہے یا اس کی بدبو کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ جب گھر والے غافل ہوں تو یہ برتن میں منہ ڈالتا ہے۔

قیراط کے وزن اور مصداق کی تحقیق

اس میں بھی اختلاف ہے کہ دو قیراط کی کمی کون سے اعمال میں ہوتی ہے؟ بعض نے کہا ایک قیراط دن کے اعمال سے اور ایک قیراط رات کے اعمال سے کم کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ایک قیراط فرائض سے اور ایک قیراط نوافل سے کم کیا جاتا ہے۔

عام طور پر ایک قیراط دینار کا بیسواں حصہ ہوتا ہے اور شام میں ایک قیراط ایک دینار کا چوبیسواں حصہ ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ایک قیراط تین حبات کے برابر ہے اور ایک حبہ چار چاولوں کے برابر ہوتا ہے تو گویا ایک قیراط بارہ چاول (ڈیڑھ رتی) کے برابر ہوتا ہے [1] امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حالت ایمان میں اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ گیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن سے فراغت تک اس کے ساتھ رہا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو شخص نماز جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ آیا اس کو ایک قیراط اجر ملے گا [2] اب سوال یہ ہے کہ کتوں کو گھر میں رکھنے کی وجہ سے جو دو قیراط اجر میں کمی ہوتی ہے کیا یہ قیراط بھی احد پہاڑ کے برابر ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کو ایسا پایا ہے کہ وہ نیکیوں کے اجر وثواب کو بڑھا دیتا ہے اور برائی کے عذاب کو برائی کے برابر رکھتا ہے زیادہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں ہے: من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلہا (انعام: ۱۶۰) "جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کے لیے دس نیکیوں کا اجر ہے اور جو شخص ایک برائی کرتا ہے اس کو صرف ایک برائی کی سزا دی جائے گی" اس لیے نماز جنازہ پڑھنے والے شخص کا ایک قیراط اجر احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور کتا رکھنے والے کے اجر میں جس ایک قیراط کی کمی ہوگی وہ ڈیڑھ رتی (بارہ چاول) سے زیادہ نہیں ہوگا۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

فقہاء حنبلیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں تین چیزوں کے لیے کتا رکھنے کی اجازت ہے، شکار کے لیے، کھیت کی حفاظت کے لیے اور جانوروں کے لیے اس پر قیاس کر کے گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

وان اقتناہ لحفظ البیوت لم یجز للخبر ویحتمل الاباحۃ وھو قول اصحاب الشافعی، لانہ فی معنی الثلاثۃ فیقاس علیھا والاول اصح لان قیاس غیر الثلاثۃ علیھا یبیح ما یتناول الخبر تحریمہ۔[1]

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا حدیث شریف کی ممانعت کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور اباحت کا بھی احتمال ہے۔ فقہاء شافعیہ کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ گھر کی حفاظت بھی حدیث میں مذکور تین چیزوں کے حکم میں ہے، سو اس پر قیاس کیا جائے گا اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ کسی اور چیز کو ان تین چیزوں پر قیاس کرنا اُس چیز کی اباحت کو مستلزم ہے جس کو حدیث نے حرام کیا ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء شافعیہ کا موقف

فقہاء شافعیہ کے بھی اس مسئلے میں دو قول ہیں اور زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ جائز ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

وھل یجوز لحفظ الدور والدروب ونحوھا فیہ وجھان احدھما لایجوز لظواھر الاحادیث فانھا مصرحۃ بالنھی الا لزرع او صید او ماشیۃ واصحھما یجوز قیاسا علی الثلاثۃ عملا بالعلۃ المفھومۃ من الاحادیث وھی الحاجۃ۔[2]

آیا گھروں اور محلوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے؟ اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نا جائز ہے کیونکہ احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ کھیت، شکار اور جانوروں کے علاوہ کتا رکھنا منع ہے۔ اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جائز ہے، کیونکہ گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے کو تین صورتوں میں کتا رکھنے پر قیاس کیا ہے کیونکہ علت مشترک ہے اور وہ ہے ضرورت۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

والاصح عند الشافعیۃ اباحۃ اتخاذ الکلاب لحفظ الدرب الحاقا للمنصوص بما فی معناہ کما اشار الیہ ابن عبد البر۔[3]

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ محلہ کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا جائز ہے اور اس کی وجہ اشتراک علت کی بناء پر حدیث میں مذکور تین صورتوں پر قیاس ہے جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء مالکیہ کا موقف

فقہاء مالکیہ کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے، تاہم بعض فقہاء نے گھر کی حفاظت کے لیے کتا

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۶، مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

واختلف فی اتخاذھا للعس فی الدور فاجیز قیاسا علی اتخاذھا لحفظ الزرع وقال بعضھم حدیث اتخاذھا لحفظ الزرع دلیل علی ذلک لانہ صلی اللہ علیہ وسلم نبہ باتخاذھا بقوۃ المنفعۃ علی اتخاذھا لکل منفعۃ وانما النھی عن اتخاذھا لا لمنفعۃ۔[1]

گھروں کی چوکیداری کے لیے کتوں کو رکھنے میں اختلاف ہے، سو کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے پر قیاس کرتے ہوئے اس کو بھی جائز کہا گیا ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں اس پر دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوت منفعت کی وجہ سے اس پر متنبہ کیا ہے کہ ہر جس چیز میں کتا رکھنے سے فائدہ ہو اس میں کتا رکھنا جائز ہے۔ اور جہاں کتا رکھنے سے کوئی منفعت نہ ہو وہاں ناجائز ہے۔

گھر کی حفاظت کے لیے کتا رکھنے میں فقہاء احناف کا موقف

فقہاء احناف کے نزدیک دشمن یا چور کے خطرہ سے گھر کی حفاظت کی خاطر گھر میں کتا رکھنا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

واما اقتناءہ للصید وحراسۃ الماشیۃ والبیوت والزرع فیجوز بالاجماع لکن لا ینبغی ان یتخذہ فی دارہ الا ان خاف لصوصا او اعداء۔[2]

شکار کے لیے، مویشیوں، گھروں اور کھیتوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا بالاجماع جائز ہے، لیکن گھر کے اندر کتا نہیں رکھنا چاہیے۔ البتہ اگر چوروں اور دشمنوں کا خوف ہو پھر جائز ہے۔

وفی الاجناس لا ینبغی ان یتخذ کلبا الا ان یخاف من اللصوص وغیرھم۔[3]

اجناس میں ہے کہ کتا نہیں رکھنا چاہیے البتہ اگر چوروں وغیرہ کا خوف ہو پھر جائز ہے۔

باب حل اجرۃ الحجامۃ

فصد لگانے کی اجرت کا حلال ہونا

۳۹۲۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَقُتَيْبَةُ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمَاعِيْلُ يَعْنُوْنَ ابْنَ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ

حمید کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فصد لگانے والے کی اجرت کے متعلق سوال کیا گیا انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی تھی، حضرت ابوطیبہ

---

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۴۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ ھ، عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۱ مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ ھ

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهٗ اَبُوْ طَيْبَةَ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ وَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ هُوَ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمْ۔

رضی اللہ عنہ نے آپ کو فصد لگائی تھی، آپ نے اس کو دو صاع اناج دینے کا حکم دیا اور ان کے مالکوں سے سفارش کی کہ اس کے خراج سے کچھ کم کر دیں اور فرمایا تمہاری دواؤں میں بہتر ین چیز فصد لگانا ہے یا فرمایا: یہ تمہاری بہتر ین دواؤں میں سے ہے۔

۳۹۲۷- حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ قَالَ نَا مَرْوَانُ يَعْنِي الْفَزَارِيَّ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَذَكَرَ بِمِثْلِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ فَلَا تُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْزِ۔

حمید کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فصد لگانے والے کی اجرت کے بارے میں سوال کیا گیا، حضرت انس نے اس کی مثل جواب دیا اور سابق جملے کی بجائے یہ فرمایا تمہاری دواؤں میں بہترین چیز فصد لگانا اور عود ہندی ہے۔ اپنے بچوں کا حلق دبا کر انہیں تکلیف نہ دو۔ (یعنی حلق دبانے کی بجائے اس کو عود ہندی کھلا دو، یہ حلق کی بیماری میں مفید ہے)

۳۹۲۸- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ قَالَ نَا شَبَابَةُ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعٍ اَوْ مُدٍّ اَوْ مُدَّيْنِ وَكَلَّمَ فِيْهِ فَخُفِّفَ عَنْ ضَرِيْبَتِهٖ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگانے والے ہمارے ایک غلام کو بلایا اس نے آپ کے فصد لگائی۔ آپ نے اس کو ایک صاع (۴۰۲۵ کلوگرام) یا ایک یا دو مد (ایک مد ایک کلو گرام کے برابر ہے) دینے کا حکم دیا اور اس کے خراج میں کم کرنے کی سفارش کی۔ سو اس کے خراج میں کمی کر دی گئی۔

(ف) غلام کے مالک غلام کے لیے کچھ رقم مقرر کر دیں کہ تم نے اتنے پیسے روزانہ محنت مزدوری سے کما کے لا کر دینے ہیں اس کو خراج اور ضریبۃ کہتے ہیں۔

۳۹۲۹- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا الْمَخْزُوْمِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ وُهَيْبٍ قَالَ اَنَا الْمَخْزُوْمِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگوائی اور فصد لگانے والے کو اس کی اجرت دی اور ناک میں دوا ڈالی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

كِلَاهُمَا عَنْ وُهَيْبٍ قَالَ نَا طَاوُسٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَاسْتَعَطَ۔

۳۹۳۰- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِعَبْدٍ قَالَا أَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ حَجَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدٌ لِبَنِي بَيَاضَةَ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْرَهُ وَكَلَّمَ سَيِّدَهُ فَخَفَّفَ عَنْهُ مِنْ ضَرِيبَتِهِ وَلَوْ كَانَ سُحْتًا لَمْ يُعْطِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بیاضہ کے ایک غلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فصد لگائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجرت دی اور اس کے مالک سے سفارش کی کہ اس کے خراج سے کچھ کم کر دیں۔ پس اس نے اس کے خراج سے کم کر دیا۔ اگر فصد کی کمائی حرام ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اجرت نہ دیتے۔

فصد لگانے کی اجرت کے حکم میں مذاہب

اس باب کی احادیث فصد لگانے والے کی اجرت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اور یہی جمہور فقہاء اسلام کا موقف ہے جیسا کہ ہم باب نمبر ۵۰۰ میں بیان کر چکے ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: جن احادیث میں اس کی ممانعت ہے جمہور کے نزدیک وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہیں کیونکہ اس کسب میں نجاست کے ساتھ تلوث ہوتا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اجرت اس لیے مکروہ ہے کہ مسلمان پر لازم ہے کہ ضرورت کے وقت اپنے مسلمان بھائی کی بلا معاوضہ معاونت کرے۔ علامہ ابن عربی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "فصد لگانے والے کی کمائی خبیث ہے" اس کا محمل یہ ہے کہ جب عمل مجہول ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد لگانے والے کو اجرت اس وقت عطا کی تھی جب اس کا عمل معلوم تھا، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں، امام طحاوی کا بھی یہی مختار ہے۔[1]

فصد کا طبی حکم

فصد لگانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی آلے کے ذریعہ جسم سے خون نکال لیا جائے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ فصد لگانے کا طبی حکم زمانے، جگہ اور مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، گرم علاقوں، گرمیوں کے موسم اور گرم مزاج والوں میں فصد لگانا مفید ہے اور ٹھنڈے علاقوں میں سردیوں کے موسم میں اور سرد مزاج والے لوگوں میں فصد لگانا نقصان دہ ہے۔ اسی طرح نوجوان لوگوں میں یہ مفید ہے اور بوڑھے لوگوں میں نقصان دہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرب فرمایا ہے "تمہارا بہترین علاج فصد لگوانا ہے"؛ اہل معرفت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۴۵۹، مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

کا یہ خطاب اہل حجاز کے لیے ہے اور ان دیگر گرم علاقوں کے لیے ہے جو حجاز کے حکم میں ہیں[1]

ان احادیث میں علاج کی مشروعیت پر بھی دلیل ہے، مقالات سعیدی میں "علاج کی شرعی حیثیت" کے زیر عنوان ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے نیز شرح صحیح مسلم جلد ثانی کی کتاب الجنائز میں بھی ہم نے علاج کی بعض صورتوں سے مفصل بحث کی ہے جس میں انتقال خون، پوسٹ مارٹم، اعضاء کی پیوند کاری اور ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کی ابحاث لائق مطالعہ ہیں۔

بَابُ ۵۱ تَحْرِيمِ بَيْعِ الْخَمْرِ!

شراب کی بیع کا حرام ہونا

۳۹۳۱ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى أَبُو هَمَّامٍ قَالَ نَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ تَعَالَى يُعَرِّضُ بِالْخَمْرِ وَلَعَلَّ اللهَ سَيُنْزِلُ فِيهَا أَمْرًا فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلْيَبِعْهُ وَلْيَنْتَفِعْ بِهِ قَالَ فَمَا لَبِثْنَا إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ أَدْرَكَتْهُ هٰذِهِ الْآيَةُ وَعِنْدَهُ مِنْهَا شَيْءٌ فَلَا يَشْرَبْ وَلَا يَبِعْ قَالَ فَاسْتَقْبَلَ النَّاسُ بِمَا كَانَ عِنْدَهُمْ مِنْهَا فِي طَرِيقِ الْمَدِينَةِ فَسَفَكُوهَا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے شراب (کی حرمت) کا اشارۃً ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ عنقریب اس کے متعلق کوئی (قطعی) حکم نازل فرمائے گا، سو جس شخص کے پاس کچھ شراب ہو وہ اس کو فروخت کر کے اس (کی قیمت) سے فائدہ اٹھا لے" حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ ہمیں چند روز ہی ہوئے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دیا ہے، سو جس شخص کو حرمت شراب کی آیت معلوم ہو جائے اور اس کو نہ تو پیئے اور نہ فروخت کرے"۔ حضرت ابو سعید کہتے ہیں پھر جن لوگوں کے پاس شراب تھی انھوں نے اس کو لا کر مدینہ کے راستوں پر بہا دیا۔

۳۹۳۲ - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ وَغَيْرُهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ

عبد الرحمن بن وعلہ سبائی مصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انگور کے شیرے کے متعلق دریافت کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۵۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ اَنَّهٗ جَآءَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ اَبُوالطَّاهِرِ وَاللَّفْظُ لَهٗ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَغَيْرُهٗ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ السَّبَائِيِّ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ مِصْرَ اَنَّهٗ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَمَّا يُعْصَرُ مِنَ الْعِنَبِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاوِيَةَ خَمْرٍ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَلِمْتَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ حَرَّمَهَا قَالَ لَا فَسَارَّ اِنْسَانًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَ سَارَرْتَهٗ فَقَالَ اَمَرْتُهٗ بِبَيْعِهَا فَقَالَ اِنَّ الَّذِيْ حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا قَالَ فَفَتَحَ الْمَزَادَةَ حَتّٰى ذَهَبَ مَا فِيْهَا۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شراب کی ایک مشک ہدیہ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا ہے؟" اس نے کہا: "نہیں" اس شخص نے کسی سے سرگوشی میں کوئی بات کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تم نے اس سے کیا کہا ہے؟" اس نے کہا میں نے اس سے شراب کو فروخت کرنے کے لیے کہا ہے، آپ نے فرمایا: "جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کے فروخت کرنے کو بھی حرام کر دیا ہے۔" حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس شخص نے مشک کا منہ کھول کر ساری شراب بہا دی۔

۳۹۳۳ - حَدَّثَنِيْ اَبُوالطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ وَعْلَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مروی ہے۔

۳۹۳۴ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ زُهَيْرٌ نَا وَقَالَ اِسْحَاقُ اَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ اَبِي الضُّحٰى عَنْ عَآئِشَةَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور لوگوں پر وہ آیات تلاوت کیں اور لوگوں کو شراب کی تجارت سے منع کر دیا۔

قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتِ الْاٰيَاتُ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْتَرَاَهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ نَهٰى عَنِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ۔

۳۹۳۵ - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاَبُوْكُرَيْبٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِاَبِيْ كُرَيْبٍ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اُنْزِلَتِ الْاٰيَاتُ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سود کے بارے میں سورہ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور شراب کی تجارت حرام فرمادی۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے

علامہ نووی لکھتے ہیں اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ احکام شرعیہ وارد ہونے سے پہلے اشیاء میں تحریم وغیرہ کا حکم نہیں تھا، تاآنکہ کوئی شرعی حکم آجائے دکیونکہ شراب حرام ہونے سے پہلے پی جاتی تھی) اور اس مسئلہ میں اصولیین کا اختلاف مشہور ہے، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ شریعت وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم ہوتا ہے نہ انسان کسی حکم کا مکلف ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ "ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کسی رسول کو نہ بھیج دیں" دوسرا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل تحریم ہے حتیٰ کہ کوئی شرعی حکم آجائے، تیسرا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف ہے[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اصل اشیاء میں اباحت ہے اور جب کتے کو رکھنے سے ممانعت اور ان کو قتل کرنے کا حکم وارد ہوا تو ہم کو معلوم ہوگیا کہ کتوں کو رکھنا حرام ہے اور ان کی بیع حرام ہے، اور جس چیز سے نفع حاصل کرنا حرام ہو اس کی قیمت بھی حرام ہوتی ہے[2]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے تحریر میں تصریح کی ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ علامہ ابن ہمام کے تلمیذ علامہ قاسم نے بھی یہی لکھا ہے، ہدایہ اور خانیہ میں بھی

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۰۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

اسی طرح ہے۔ شرح تحریر میں ہے معتزلہ بصرہ، کثیر شافعیہ اور کثیر حنفیہ خصوصاً عراقیین کا یہی موقف ہے، امام محمد نے فرمایا" مردار کا کھانا اور شراب کا پینا شریعت کی ممانعت سے حرام ہوا ہے" اس سے معلوم ہوا انھوں نے اباحت کو اصل قرار دیا ہے[1]

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں ہے کیونکہ اس عورت کے حق میں نکاح کی نعمت فوت ہی نہیں ہوئی کہ وہ اس پر افسوس کرتی اور اباحت اصل ہے[2]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں یعنی اصل میں زینت مباح ہے۔[3]

علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں اصل میں خوشبو کا استعمال کرنا مباح ہے۔[4]

قرآن کی روشنی میں شراب کی حرمت کا بیان

علامہ شمس الدین سرخسی لکھتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: شراب مال کو ضائع کرتی ہے اور عقل کو معطل کر دیتی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس بارے میں حکم نازل فرمائے، حضور نے دعا کی اے اللہ! ہمارے لیے بیان شافی نازل فرما، پھر یہ آیت نازل ہوئی: یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس۔ " یہ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا نفع ہے" کچھ لوگ شراب پینے سے رک گئے اور کچھ لوگ پیتے رہے اور کہا اس میں ہمارا نفع ہے اور گناہ کو ہم ترک کر دیں گے، حضرت عمر نے دعا کی اے اللہ زیادہ بیان فرما تب یہ آیت نازل ہوئی: لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ما تقولون۔ " نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب مت جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" بعض لوگوں نے شراب چھوڑ دی اور کہا جو چیز ہمیں نماز سے روکے اس میں خیر نہیں ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہم اس وقت شراب پی لیں گے جب نماز کا وقت نہیں ہوگا، حضرت عمر نے پھر دعا کی: اے اللہ! زیادہ بیان فرما، پھر یہ آیات نازل ہوئیں:

یا ایها الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۰ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فهل انتم منتهون ۰

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور جوئے کے تیر ناپاک ہی ہیں، شیطانی کاموں سے (ہیں) تو تم ان سے بچو تاکہ کامیاب ہو جاؤ، شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم (ان کاموں سے) باز آنے والے ہو؟

(مائدہ ۹۱-۹۰)

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۹۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ۔

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[4] علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۵ " "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات کو سن کر فرمایا: ہم باز آگئے۔[1]

علامہ شامی لکھتے ہیں اس آیت میں شراب کی حرمت پر دس دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل: شراب کا ذکر جوئے، بت اور جوئے کے تیروں کے ساتھ کیا ہے اور یہ سب حرام ہیں۔ دوسری دلیل: شراب کو ناپاک (رجس) فرمایا اور ناپاک چیز حرام ہوتی ہے۔ تیسری دلیل: شراب کو عمل شیطان فرمایا اور عمل شیطان حرام ہے۔ چوتھی دلیل: شراب سے اجتناب کا حکم دیا اور جس سے اجتناب فرض ہو اس کا ارتکاب حرام ہوتا ہے۔ پانچویں دلیل: فلاح کو شراب سے اجتناب پر معلق کیا اس لیے اجتناب فرض اور ارتکاب حرام ہوا۔ چھٹی دلیل: شراب کے سبب سے شیطان عداوت واقع کرتا ہے، اور عداوت حرام ہے اور حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، ساتویں دلیل: شراب کے سبب سے شیطان بغض واقع کرتا ہے اور بغض حرام ہے۔ آٹھویں دلیل: شراب کے سبب سے شیطان اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور اللہ کے ذکر سے روکنا حرام ہے۔ نویں دلیل: شراب کے سبب سے شیطان نماز سے روکتا ہے، دسویں دلیل: اللہ تعالیٰ نے صیغہ استفہام کے ساتھ نہی بلیغ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم (شراب پینے سے) باز آنے والے ہو؟[2]

احناف کے نزدیک خمر کی تعریف اور خمر اور دیگر شرابوں کا حکم

قرآن مجید نے (خمر) شراب کو حرام کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر انگور کے کچے شیرے کا نام ہے جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے انی اعصر خمرا (یوسف: ۳۶) "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خمر کو نچوڑ رہا ہوں یعنی انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں جو خمر ہو جائیں گے۔[3]

امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف خمر حرام قطعی ہے، اس کا پینا، رکھنا، بیچنا اور خریدنا سب حرام قطعی ہے۔ خمر کے علاوہ تین مشروب اور حرام ہیں ایک باذق ہے یعنی انگور کا پکا ہوا شیرہ جو پکنے کے بعد ایک تہائی رہ جائے یا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگے اور جھاگ چھوڑ دے دوسرا سکر ہے یعنی تازہ کھجوروں کا کچا شیرہ جب جھاگ چھوڑ دے۔ تیسرا نقیع الزبیب یعنی کشمش کا کچا شیرہ جو پڑے پڑے جھاگ چھوڑ دے[4] ان تینوں مشروبات کی حرمت ظنی ہے اور ان کی نجاست خفیفہ ہے۔ جبکہ یہ اس مقدار میں ہوں جو نشہ آور ہو۔ اور اس سے کم مقدار میں یہ حرام ہیں نہ نجس۔

خمر کا ایک قطرہ بھی پی لیا جائے تو حد واجب ہوگی اور باقی تین شرابوں کے پینے سے اس وقت حد واجب ہوگی جب نشہ ہو جائے۔[5]

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[2] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۷-۲۹۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[3] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۴ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

[4] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۹ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[5] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۵ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

WWW.NAFSEISLAM.COM

امام ابوحنیفہ پر نشہ آور شرابوں کو حلال کرنے کا اعتراض اور اس کا جواب

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان چار شرابوں کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں ہے[1]۔ اس کی تشریح میں علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: یہ عبارت اس میں نص ہے کہ جو شراب گندم، جَو اور شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے، اس کے پینے والے پر حد واجب نہیں ہوگی خواہ اس کو ان شرابوں سے نشہ ہو جائے اور جس کو ان شرابوں سے نشہ ہو جائے اس کی طلاق بھی نہیں واقع ہوگی[2]۔

ہدایہ کی اس عبارت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس دور کی تمام نشہ آور شرابوں کو حلال کر دیا ہے اور نشہ آور شرابوں کو حلال قرار دینا احادیث صحیحہ کی صراحت اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ ابوالحسن مرغینانی نے جامع صغیر کی عبارت کی جو تخریج کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ جامع صغیر کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی شرابوں کو نشہ کی حد تک پینا بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو حرام قطعی ہے باقی تین شرابیں (باذق، سکر اور نقیع الزبیب) حرام ظنی ہیں اور ان چار کے علاوہ باقی چیزوں کی شراب پینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ان کو اس مقدار سے کم پیا جائے جس سے نشہ ہو جاتا ہے کیونکہ مقدار نشہ تک پینے کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جو مشروب بھی اتنی مقدار میں پی لیا جائے جس سے نشہ ہو جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہے، خود علامہ ابوالحسن مرغینانی نے لکھا ہے کہ: مختصر (قدوری) میں ہے چھواروں اور کشمش کے نبیذ کو جب ہلکا جوش دیا جائے تو وہ حلال ہے خواہ گاڑھا ہو جب کہ اس کو ظن غالب ہو کہ اس کے پینے سے نشہ نہیں ہوگا اور اس کا پینا لہو اور طرب کی وجہ سے نہ ہو (بلکہ طاقت کے لیے ہو) یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے[3]۔

چھواروں اور کشمش کا نبیذ بھی ان چار شرابوں کے علاوہ ہے لیکن امام ابوحنیفہ نے اس کے پینے کی شرط یہ لگائی ہے کہ جب پینے والے کو یہ ظن غالب ہو کہ اس سے نشہ نہیں ہوگا اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اس سے نشہ ہو جائیگا تو پھر اس کا پینا جائز نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی شرابیں اس وقت حلال ہیں جب نشہ آور نہ ہوں یا اس مقدار میں حلال ہیں جب نشہ آور نہ ہوں، اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ علامہ ابوالحسن مرغینانی نے لکھا ہے کہ انگور کے شیرے کو جب پکا لیا جائے اور وہ ایک تہائی رہ جائے تو وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک حلال ہے خواہ گاڑھا ہو اور باقی ائمہ اور فقہاء کے نزدیک حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها والسکر من کل شراب "خمر بعینہٖ حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر اور ہر وہ مشروب حرام ہے جو نشہ آور ہو،" اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر خمر میں نشہ آور ہونے کی قید لگائی ہے[4]۔

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، الجامع الصغیر ص ۱۵۲ مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند، ۱۲۹۱ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۲ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

[3] 〃 〃 〃 〃، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۶

[4] 〃 〃 〃 〃، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۷

علامہ ابوالحسن مرغینانی نے امام ابوحنیفہ کی جو دلیل پیش کی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو مشروب نشہ آور ہو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ادھ کچی اور ادھ پکی کھجوروں کو ملا کر جو مشروب بنایا جائے وہ نشہ آور ہونے سے پہلے حلال ہے۔ [1]

اس مشروب کے بھی حلال ہونے کی شرط، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قبل از اسکار (نشہ) ہے۔

نیز علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

قال ابوحنيفة المحرم عصير العنب النئ فمن شرب منها ولو نقطة حد وما عداها لا يحد الا بالسكر۔ [2]

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں انگور کا کچا شیرہ حرام ہے، جس نے اس کا ایک قطرہ بھی پیا اس پر حد لگائی جائے گی اس کے ماسوا جو شرابیں ہیں ان کے پینے پر اس وقت حد لگائی جائے گی جب ان سے نشہ ہو جائے۔

علامہ عینی نے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امام محمد نے جامع صغیر میں جو یہ لکھا ہے کہ ان "چار شرابوں کے علاوہ باقی شرابوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے"، اس عبارت میں یہ قید ملحوظ ہے کہ وہ شرابیں اس مقدار میں نہ پی جائیں جس سے نشہ ہو جائے، کیونکہ شراب کی جو مقدار نشہ آور ہو وہ بالاجماع حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

علامہ علائی لکھتے ہیں:

ولكن لا يحد شاربه عندنا بلا سكر وبه يحد اجماعا۔ [3]

لیکن ہمارے نزدیک بغیر نشہ کے نبیذ پینے والے پر حد نہیں لگائی جائے گی اور نشہ کے ساتھ اجماعاً حد لگائی جائے گی۔

اور علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وقال الشافعي يحد لانه شرب جزأ من اجزاء الخمر ولنا ان قليله لا يدعو الى كثيره لما في الطباع من النبوة عنه فكان ناقصا فاشبه غير الخمر من الاشربة ولا فيها الا بالسكر۔ [4]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ نبیذ پینے پر حد لگے گی، کیونکہ اس نے خمر کے اجزاء میں سے ایک جز پی لیا، ہم کہتے ہیں کہ نبیذ کی قلیل مقدار، کثیر مقدار کی طرف دعوت نہیں دیتی کیونکہ طبیعت اس سے متنفر ہوتی ہے، سو یہ ناقص ہے اور خمر کے علاوہ دوسری شرابوں کے مشابہ ہے۔ اور دوسری شرابوں میں بغیر نشہ کے حد نہیں لگتی۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[2] 〃 〃 〃 ، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۶۷، 〃 〃 〃

[3] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۵ ص ۴۰۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[4] سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۵ ص ۴۰۴، 〃 〃

ہم نے بکثرت حوالہ جات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر کے علاوہ دیگر شرابیں اس وقت حلال ہیں جب ان کو مقدار نشہ سے کم پیا جائے اور مقدار نشہ میں امام اعظم کے نزدیک ان کا پینا حرام ہے اور اس پر حد واجب ہوگی۔ اس لیے جامع صغیر کی زیر بحث عبارت میں بھی یہ قید ملحوظ ہے کہ "ان شرابوں کو مقدار نشہ تک نہ پیا جائے" اور علامہ ابوالحسن مرغینانی نے جامع صغیر کی اس عبارت پر جو یہ مسئلہ متفرع کیا ہے کہ "امام ابوحنیفہ کے نزدیک گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی گئی شرابیں حلال ہیں خواہ نشہ آور ہوں" وہ علامہ ابوالحسن کی خطاء فاحش ہے۔ میں نے ہدایہ کی متعدد شروح اور حواشی کو دیکھا کسی نے علامہ ابوالحسن صاحب ہدایہ کی اس خطاء پر متنبہ نہیں کیا۔ میں نے اپنے معاصرین اور اکابر علماء سے بھی ہدایہ کی اس عبارت پر مذاکرہ کیا لیکن کوئی شخص اس کا جواب نہ دے سکا۔ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم سے میں نے جب پہلی بار اس عبارت پر غور کیا تھا تو اسی وقت میرے ذہن میں یہ آیا تھا کہ جامع صغیر کی اس عبارت پر علامہ ابوالحسن کی ذکر کردہ یہ تخریج صحیح نہیں ہے، نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس تخریج سے پہلے ہدایہ میں لکھا ہے کہ جامع صغیر کے شارحین نے کہا ہے کہ یہ حکم اس عموم اور بیان کے ساتھ جامع صغیر کے علاوہ اور کسی کتاب میں نہیں ہے بلکہ اس شذوذ کا تقاضا تو یہ تھا کہ جامع صغیر کی اس عبارت کے عموم اور اطلاق کی قید بیان کی جاتی نہ یہ کہ اس عموم اور اطلاق سے ایسے مسائل نکالے جاتے اور ان کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا جن سے امام ابوحنیفہ بری ہیں، اللہ تعالیٰ علامہ ابوالحسن مرغینانی صاحب ہدایہ کی اس لغزش کو معاف فرمائے (آمین) اور امام ابوحنیفہ کا موقف واضح کرنے میں اس گنہ گار نے جو کاوش اور سعی کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ قرآن اور سنت کے علوم اور امام ابوحنیفہ کی فقاہت سے اس عاجز کو حظ وافر عطا فرمائے اور تمام جسمانی اور روحانی بیماریوں سے کلی نجات عطا فرمائے۔ آمین یا رب العٰلمین بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

الکوحل کا شرعی حکم ہم فقہ حنفی کی متعدد کتابوں کے حوالہ جات سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ خمر کے علاوہ دیگر شرابوں کی قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو وہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔ اس لیے الکوحل بھی اگر اس قلیل مقدار میں ہو تو وہ بھی جائز ہے، کیونکہ الکوحل انگور اور کھجور سے نہیں بنائی جاتی بلکہ شہد، شیرہ مختلف دانے، جو، انناس، گندھک، ادرک کی جڑ اور دیگر نشاستہ دار اشیاء سے بنائی جاتی ہے۔ جب کہ خمر کے لیے صرف انگور سے بنایا جانا کافی نہیں بلکہ انگور کا کچا شیرہ جو پڑے رہنے سے جھاگ چھوڑ دے وہ خمر کہلاتا ہے، اس لیے الکوحل پر خمر کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اور الکوحل کی وہ مقدار جو حد نشہ تک نہ پہنچے، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔

الکوحل آمیز دواؤں پرفیوم اور الکوحل اور سپرٹ کے دیگر مرکبات کا حکم مذاہب اربعہ کی روشنی میں

مذکورۃ الصدر تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ قلیل اور غیر نشہ آور مقدار میں الکوحل اور سپرٹ کا استعمال جائز ہے، کیونکہ وہ

لہ۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۶، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

حرام ہے نہ نجس، اس لیے ایلو پیتھک کی مائع ادویات اور ہومیو پیتھک کی ادویات کا استعمال کرنا جائز ہے۔ پرفیوم کا اسپرے کرنا جائز ہے، سینٹ لگانا جائز ہے، انجکشن لگانے سے پہلے اور بعد جسم پر اسپرٹ لگانا جائز ہے، غرضیکہ اسپرٹ اور الکوحل کے تمام مرکبات کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ حرام ہیں نہ نجس۔

ایک علمی مجلس میں جب میں نے یہ مسئلہ بیان کیا تو اس پر ایک معمر فقیہ[1] نے یہ اعتراض کیا کہ غیر خمر کی قلیل مقدار کو یہ تو لکھا ہے کہ حرام نہیں ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ وہ نجس نہیں ہے، میں نے کہا فقہاء نے قلیل مقدار میں اس کے پینے کی اجازت دی ہے، تو کیا آپ کی رائے میں نجس چیز کا پینا جائز ہے؟ اس پر وہ بزرگ بالکل خاموش ہو گئے۔!

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو چیز کثیر مقدار میں نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہوتی ہے، اس لیے الکوحل اور اسپرٹ کی قلیل مقدار بھی ان کے نزدیک ناجائز ہے اور جن دواؤں میں الکوحل ملی ہوئی ہو ان کا استعمال ان کے نزدیک ناجائز ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: خمر، نبیذ اور دیگر نشہ آور مشروبات کو کیا بطور دواء یا پیاس بجھانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اس میں مشہور قول چار ہیں۔ (اول): جمہور اصحاب کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں نشہ آور مشروب کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے (ثانی) دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ (ثالث) بطور دواء جائز ہے اور پیاس بجھانے کے لیے جائز نہیں ہے (رابع) پیاس بجھانے کے لیے جائز ہے اور بطور دوا جائز نہیں ہے۔ علامہ رافعی نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔[2]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: دواء کے طور پر بھی خمر کو پینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ نبیذ کو دواء کے لیے تیار کیا جائے؟ آپ نے فرمایا یہ دواء نہیں، بیماری ہے۔[3]

(ہمارے نزدیک یہ نبیذ مسکر پر محمول ہے اور دواؤں میں الکوحل کی جتنی مقدار ہوتی ہے وہ مسکر نہیں ہے۔ سعیدی)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

دواء کے لیے خمر کو پینا ناجائز ہے خواہ موت کا خدشہ ہو کیونکہ اس میں شفاء نہیں ہے نہ پیاس بجھانے کے لیے اس کو پینا جائز ہے، کیونکہ یہ پیاس بڑھاتی ہے۔[4]

فتاویٰ اسلامیہ میں ہے:

فقہاء مذاہب کا خمر اور دیگر حرام دواؤں سے علاج میں اختلاف ہے، امام احمد اور امام مالک نے حرام دواؤں سے علاج کو منع کیا ہے، فقہاء حنفیہ کے قول مختار میں یہ جائز ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک ایک قول میں یہ جائز ہے، بشرطیکہ مسلمان طبیب یہ خبر دے کہ یہ دواء متعین ہے اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے۔[5]

---

[1]۔ مولانا وقار الدین کراچی۔
[2]۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح المہذب ج ۹ ص ۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔
[3]۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۳۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
[4]۔ علامہ ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد دردیر مالکی، الشرح الصغیر ج ۴ ص ۵۰۲، مطبوعہ دار المعارف ۱۹۷۴ء
[5]۔ الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۱۰ ص ۳۴۹۲ - ۳۴۹۱، مطبوعہ القاہرہ ۱۴۰۳ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

خمر کو سرکہ بنانے پر علامہ نووی کے اعتراض کا جواب

فقہاء احناف کے نزدیک خمر کو سرکہ بنانا اور سرکہ بنا کر استعمال کرنا جائز ہے[1] علامہ نووی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ صحابہ کرام نے شراب بہا دی تھی اگر شراب کو سرکہ بنانا جائز ہوتا تو آپ ان کو بہانے سے منع فرما دیتے اور سرکہ بنانے کی ہدایت دیتے کیونکہ آپ صحابہ کی خیر خواہی پر حریص تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شروع میں خمر کے سلسلے میں بہت شدت کی گئی تھی حتیٰ کہ ان برتنوں کے استعمال سے بھی روک دیا تھا جن میں شراب بنائی جاتی تھی اس وجہ سے آپ نے شراب بہانے سے منع نہیں کیا اور خمر جب سرکہ بن گئی تو اس کی ماہیت بدل گئی اب اس پر سرکہ کے احکام جاری ہوں گے۔ خمر کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں یہ اختلاف اس وقت ہے جب خمر کو سرکہ بنایا جائے لیکن اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور اگر شراب کو سرکہ بنایا جائے تو صرف امام ابو حنیفہ اور اوزاعی کے نزدیک جائز ہے اور ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک بھی جائز ہے، امام شافعی اور امام احمد اس کو بہر حال ناجائز کہتے ہیں۔[2]

بَابُ۱۱ تَحْرِيْمِ بَيْعِ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ

شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کا حرام ہونا

۳۹۳۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَاِنَّهٗ يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں فتح مکہ کے سال یہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے خمر، مردار اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس کو کشتیوں پر ملا جاتا ہے اور کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور لوگ (چراغ جلا کر) اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں، وہ حرام ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کر دے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر مردار کی چربیاں کو حرام کیا تو انھوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔

---

[1] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۴۹۹ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهَا اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَاَكَلُوْا ثَمَنَهٗ۔

۳۹۳۷- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا نَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا الضَّحَّاكُ يَعْنِيْ اَبَا عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ قَالَ حَدَّثَنِيْ يَزِيْدُ بْنُ اَبِيْ حَبِيْبٍ قَالَ كَتَبَ اِلَيَّ عَطَاءٌ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ۔

امام مسلم نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے۔

۳۹۳۸- وَحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِاَبِيْ بَكْرٍ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ بَلَغَ عُمَرَ اَنَّ سَمُرَةَ بَاعَ خَمْرًا فَقَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ سَمُرَةَ اَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ سمرہ نے شراب فروخت کی ہے، تو انہوں نے فرمایا سمرہ پر خدا کی مار! کیا اس کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے، ان پر چربی حرام کی گئی تھی انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۹۳۹- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ بِسْطَامٍ قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ نَا رَوْحٌ يَعْنِي ابْنَ الْقَاسِمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

عمرو بن دینار سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۹۴۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ نَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الشُّحُومَ فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تھی، انھوں نے اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی۔

۳۹۴۱ - وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حُرِّمَ عَلَيْهِمُ الشَّحْمُ فَبَاعُوهُ وَأَكَلُوا ثَمَنَهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی، انھوں نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔

اللہ اور رسول کی طرف ضمیر واحد لوٹانے کی توجیہ

حدیث نمبر ۳۹۳۶ میں ہے: ان اللّٰہ ورسولہ حرم بیع الخمر الحدیث اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حرما بصیغہ تثنیہ ہوتا اس کا علامہ عینی نے یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر، اللہ تعالیٰ کے امر سے الگ اور متغائر نہیں ہے اس لیے واحد کے صیغہ سے ذکر فرمایا۔ قرآن مجید میں اس کی نظیر ہے: واللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ (توبہ: ۶۲) نیز فرمایا: ان اللّٰہ بریٔ من المشرکین ورسولہ (توبہ: ۳)[1]

آیا مردار کا صرف گوشت حرام ہے یا اس کے تمام اجزاء؟

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام شافعی اور امام احمد کا یہ نظریہ ہے کہ مردار کا گوشت، اس کے بال، ناخن، کھال اور ہڈی تمام اجزاء نجس ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ جن اجزاء میں حیات نہیں ہوتی وہ موت سے نجس نہیں ہوتے، مثلاً بال، ناخن، سینگ، کھر، ـــــ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہاتھی دانت کی کنگھی تھی اور ہاتھی کا دانت اس کی ہڈی ہے اور ہاتھی کا گوشت چونکہ کھایا نہیں جاتا اس لیے وہ مردار ہے۔ پس

---

[1] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۵۔۵۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

ثابت ہوگیا کہ مردار کی ہڈی پاک ہوتی ہے، نیز سنن دار قطنی میں حدیث ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کے صرف گوشت کو حرام کیا ہے، اس کی کھال، بال اور اون میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز سنن دار قطنی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردار کی مشک کو جب رنگ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اور اس کے اون، بال اور سینگوں کو جب پانی سے دھو لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پہلی روایت کی سند میں ایک راوی عبد الجبار بن مسلم ہے اس کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حبان نے عبد الجبار کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور دوسری روایت میں ایک راوی یوسف بن ابی السفر ہے اس کو دار قطنی نے متروک الحدیث کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جرح مبہم ہے جو اصولیین کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ [1]

کیا مردہ انسان کے اجزاء سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ مردہ انسان کی بیع حرام ہے خواہ وہ مردہ مسلمان ہو یا کافر، مردہ مسلمان کی بیع اس کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے حرام ہے حتیٰ کہ اس کے بال اور کھال سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں ہے، اور مردہ کافر کی بیع کی ممانعت پر یہ دلیل ہے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے کہ نوفل بن عبد اللہ بن مغیرہ جب خندق میں داخل ہوا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو مشرکین نے اس کی لاش کو خریدنا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیں اس کے جسم کی ضرورت ہے نہ اس کی قیمت کی۔ [2]

فتاویٰ اسلامیہ مصریہ میں ہے:

قال الحنفية على ما جاء فى الدر المختار للحصكفى وحاشية رد المحتار لابن عابدين فى الجزء الخامس، ان لحم الانسان لا يباح فى حال الاضطرار ولو كان ميتا للكرامة المقررة فى قوله تعالىٰ ولقد كرمنا بنى آدم۔ [3]

حصکفی کی در مختار اور ابن عابدین کا جو اس پر رد المحتار حاشیہ ہے اس کی پانچویں جلد میں تصریح ہے کہ فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ حالت اضطرار میں بھی انسان کا گوشت مباح نہیں ہے، خواہ انسان مردہ ہو، کیونکہ اس کی کرامت ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے بنو آدم کو عزت دی ہے۔

اس مسئلہ پر مکمل اور مفصل بحث ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الجنائز میں کر چکے ہیں، خصوصاً اہل علم کے لیے یہ بحث لائق مطالعہ ہے۔ اس بحث میں ہم نے انسانی اعضاء کی پیوند کاری پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

حیلہ کی تحقیق

حدیث نمبر ۳۹۳۸ میں ہے: اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے ان پر چربی حرام کی گئی تھی، انھوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا۔ اس حدیث کی بنا پر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حیلہ کرنا ناجائز ہے، کیونکہ بنو اسرائیل نے چربی فروخت کرنے کے لیے حیلہ کیا تو ان کی مذمت کی گئی اسی طرح انھوں نے مچھلیوں کو حیلہ سے ہفتہ کے دن شکار کیا تو اس وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بنو اسرائیل نے حیلہ نہیں کیا تھا بلکہ بعینہٖ حرام کا ارتکاب

---

[1] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۵،

[3] الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ، ج ۱۰ ص ۳۵۵۹، مطبوعہ قاہرہ، ۱۴۰۳ھ

کیا تھا، کیونکہ چربی پگھلانے کے بعد بھی چربی ہی رہتی ہے اور ہفتہ کے دن شکار منع تھا۔ وہ ہفتہ کے دن ایک نالی کے راستہ مچھلیوں کو ایک حوض میں جمع کر لیتے اور اتوار کو ان کا شکار کر لیتے، ان کا مچھلیوں کو حوض میں جمع کر لینا ہی مچھلیوں کا شکار کرنا تھا۔ اس لیے یہ حیلہ نہیں ہے۔

شریعت کے بہت سے احکام حیلہ پر مبنی ہیں اور حیلہ کا انکار کرنا، احکام شرعیہ کا انکار کرنا ہے۔ علامہ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہے حیلہ کی دو قسمیں ہیں، مستحسن اور مکروہ اور ان کی حسب ذیل تعریفیں کی ہیں:

ما یتخلص به الرجل من الحرام اویتوصل به الی الحلال من الحیل فهو حسن وانما یکره ذٰلك ان یحتال فی حق لرجل حتی یبطله او فی باطل حتی یموهه او فی حق حتی یدخل فیه شبهة فما کان علی هذا السبیل فهو مکروه۔[1]

جس حیلہ کی وجہ سے انسان حرام سے چھٹکارا پائے یا جس حیلہ کی وجہ سے حلال چیز کو حاصل کرے وہ مستحسن ہے اور حیلہ اس وقت مکروہ ہے جب حیلہ کر کے کسی شخص کے حق کو باطل کرے یا حیلہ کر کے کسی باطل کو حق کر کے دکھلائے یا حیلہ کر کے کسی حق میں شبہ ڈالے، اس قسم کے حیلے مکروہ ہیں۔

قرآن مجید سے حیلہ کا ثبوت

وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث۔ (ص: ۴۴)

اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو پکڑو اور اس کے ساتھ مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو سو تنکوں والی ایک جھاڑو مار دو۔ اور اپنی قسم نہ توڑو۔

فلما جهزهم بجهازهم جعل السقایة فی رحل اخیه۔ (یوسف: ۷۰)

پھر جب ان کا سامان تیار کیا تو (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی بوری میں رکھ دیا۔

قرآن مجید کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کے ملکی قانون کی رو سے جس شخص کے سامان سے مسروقہ مال برآمد ہو اس شخص کو پکڑ لیا جاتا تھا اس حیلہ کے ذریعہ حضرت یوسف اپنے بھائی کو روک سکتے تھے، حضرت یوسف کو یہ حیلہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم کیا تھا کذٰلك کدنا لیوسف (یوسف: ۷۶) یہ آیت بھی حیلہ کے جواز اور استحسان پر واضح دلیل ہے۔

حدیث سے حیلہ کا ثبوت

علامہ سرخسی نے حیلہ کے جواز پر احادیث اور آثار کو پیش کیا ہے ہم اس سلسلہ میں ایک واضح حدیث کو پیش کر رہے ہیں:

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءه بتمر جنیب فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو عامل بنا کر خیبر بھیجا، وہ بہت عمدہ کھجوریں لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۳۰ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار المعرفۃ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

اكل تمر خيبر هكذا؟ قال لا والله يا رسول الله انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا۔ [1]

نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے کہا: نہیں، بخدا، یا رسول اللہ ہم دو صاع کھجوریں دے کر ایک صاع ایسی کھجوریں لیتے ہیں اور تین صاع کھجوریں دے کر دو صاع ایسی کھجوریں لیتے ہیں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، سب کھجوریں دراہم کے بدلے بیچ دو، پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو۔

بَابُ الرِّبَا [512]

سُود کا بیان

۳۹۴۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کو سونے کے عوض صرف برابر برابر فروخت کرو اور بعض سونے کے عوض کم سونا فروخت مت کرو اور چاندی کو چاندی کے عوض صرف برابر برابر فروخت کرو اور بعض چاندی کو کم چاندی کے عوض فروخت مت کرو اور ان میں سے کسی کو ادھار مت فروخت کرو۔

۳۹۴۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَ أَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي لَيْثٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَأْثُرُ هَذَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رِوَايَةِ قُتَيْبَةَ فَذَهَبَ عَبْدُ اللهِ وَنَافِعٌ مَعَهُ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ رُمْحٍ قَالَ نَافِعٌ فَذَهَبَ عَبْدُ اللهِ

نافع کہتے ہیں کہ بنو لیث کے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ قتیبہ کی روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر اور نافع اس شخص کے ساتھ گئے اور ابن رمح کی حدیث میں ہے کہ نافع نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر گئے اور میں اور لیثی ان کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ ابن عمر، حضرت ابو سعید خدری کے پاس تشریف لے گئے، حضرت ابن عمر نے کہا اس شخص نے مجھ سے یہ کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں چاندی

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

وَاَنَا مَعَهُ وَاللَّيْثِيُّ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اَخْبَرَنِيْ اَنَّكَ تُخْبِرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَعَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَاَشَارَ اَبُوْ سَعِيْدٍ بِاِصْبَعَيْهِ اِلٰى عَيْنَيْهِ وَاُذُنَيْهِ فَقَالَ اَبْصَرَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ اُذُنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا شَيْئًا غَائِبًا مِنْهُ بِنَاجِزٍ اِلَّا يَدًا بِيَدٍ۔

کو برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو اور سونے کو سونے کے عوض برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو، تو حضرت ابو سعید نے اپنی انگلیوں سے اپنی آنکھوں اور کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو اور چاندی کو چاندی کے عوض برابر برابر کے سوا مت فروخت کرو، اور بعض چاندی کو کم چاندی کے عوض مت فروخت کرو، اور ہاتھ کے ہاتھ فروخت کرو اور ادھار مت فروخت کرو۔

٣٩٤٤- حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ قَالَ نَا جَرِيْرٌ يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيْدٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنّٰى قَالَ نَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ بِنَحْوِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

امام مسلم نے دو سندوں کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ذکر کی ہے۔

٣٩٤٥- وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض مت فروخت کرو مگر برابر برابر ناپ اور تول دونوں میں مساوی ہوں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ۔

۳۹۴۶ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ وَهَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى قَالُوْا نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَخْرَمَةُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَقُوْلُ اَنَّهٗ سَمِعَ مَالِكَ بْنَ اَبِيْ عَامِرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الدِّيْنَارَ بِالدِّيْنَارَيْنِ وَلَا الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے میں اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں مت فروخت کرو۔

۳۹۴۷ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ قَالَ اَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ ابْنِ الْحَدَثَانِ اَنَّهٗ قَالَ اَقْبَلْتُ اَقُوْلُ مَنْ يَّصْطَرِفُ الدَّرَاهِمَ فَقَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَرِنَا ذَهَبَكَ ثُمَّ ائْتِنَا اِذَا جَآءَ خَادِمُنَا نُعْطِيْكَ وَرِقَكَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَلَّا وَاللّٰهِ لَتُعْطِيَنَّهٗ وَرِقَهٗ اَوْ لَتَرُدَّنَّ اِلَيْهِ ذَهَبَهٗ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَآءَ وَهَآءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّا

مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں، میں یہ کہتا ہوا آیا کہ دراہم کو کون فروخت کرتا ہے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا درآں حالیکہ وہ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس تھے، ہمیں اپنا سونا دکھاؤ، اور پھر آنا جب ہمارا نوکر آئے گا تو ہم تمہیں (قیمت) دے دیں گے، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: ہرگز نہیں، تم اس کو چاندی ابھی دو، ورنہ اس کا سونا واپس کر دو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: چاندی سونے کے عوض سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو، اور گندم، گندم کے بدلے سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو اور جو، جو کے عوض سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو اور کھجور، کھجور کے بدلے میں سود ہے، مگر جو نقد بہ نقد ہو۔

هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ.

٣٩٤٨ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

٣٩٤٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ كُنْتُ بِالشَّامِ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا مُسْلِمُ بْنُ يَسَارٍ فَجَاءَ أَبُو الْأَشْعَثِ قَالَ قَالُوا أَبُو الْأَشْعَثِ فَجَلَسَ فَقُلْتُ لَهُ حَدِّثْ أَخَانَا حَدِيثَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ نَعَمْ غَزَوْنَا غَزَاةً وَعَلَى النَّاسِ مُعَاوِيَةُ فَغَنِمْنَا غَنَائِمَ كَثِيرَةً فَكَانَ فِيمَا غَنِمْنَا آنِيَةٌ مِنْ فِضَّةٍ فَأَمَرَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا أَنْ يَبِيعَهَا فِي أَعْطِيَاتِ النَّاسِ فَتَسَارَعَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ فَبَلَغَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَقَامَ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْنًا بِعَيْنٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوا فَبَلَغَ ذَلِكَ مُعَاوِيَةَ فَقَامَ خَطِيبًا فَقَالَ أَلَا مَا بَالُ رِجَالٍ يَتَحَدَّثُونَ عَنْ رَسُولِ

ابو قلابہ کہتے ہیں کہ میں شام میں لوگوں کے ایک حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں مسلم بن یسار بھی تھے، اتنے میں ابو الاشعث آ گئے، راوی کہتے ہیں لوگوں نے کہا ابو الاشعث (آ گئے) جب وہ بیٹھ گئے تو میں نے ان سے کہا ہمارے ان بھائیوں کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سناؤ، انھوں نے کہا اچھا: ہم ایک جہاد میں گئے جس میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سردار تھے۔ ہم کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جس میں چاندی کا ایک برتن بھی تھا۔ حضرت معاویہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو لوگوں کی تنخواہوں میں فروخت کر دیں، لوگوں نے اس کو لینے میں جلدی کی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے اٹھ کر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے سونے کی بیع سونے کے عوض، چاندی کی بیع چاندی کے عوض، گندم کی گندم کے عوض، جنگلی جو کے عوض، کھجور کی کھجور کے عوض اور نمک کی نمک کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے البتہ جو برابر برابر، اور نقد بہ نقد ہو، سو جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا وہ سود ہو گیا، پس لوگوں نے جو کچھ لیا تھا وہ واپس کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی احادیث بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کی مجلس میں رہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَادِیْثَ قَدْ کُنَّا نَشْہَدُہٗ وَنَصْحَبُہٗ فَلَمْ نَسْمَعْہَا مِنْہُ فَقَامَ عُبَادَۃُ فَاَعَادَ الْقِصَّۃَ فَقَالَ لَنُحَدِّثَنَّ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَرِہَ مُعَاوِیَۃُ اَوْ قَالَ وَاِنْ رَغِمَ مَا اُبَالِیْ اَنْ لَّا اَصْحَبَہٗ فِیْ جُنْدِہٖ لَیْلَۃً سَوْدَآءَ قَالَ حَمَّادٌ ھٰذَا اَوْ نَحْوَہٗ۔

ہیں اور ہم نے آپ سے ایسی احادیث نہیں سنیں۔ حضرت عبادہ نے کھڑے ہو کر پھر قصہ دہرایا اور کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث سنی ہیں ہم ان کو ضرور بیان کریں گے خواہ حضرت معاویہ کو ناپسند ہو، یا کہا خواہ ان کی ناک خاک میں آلود ہو۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں معاویہ کے لشکر کی تاریک راتوں میں اس کے ساتھ نہ رہوں، حماد نے بھی یہی یا اس کی مثل کہا ہے۔

۳۹۵۰ - وَحَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ جَمِیْعًا عَنْ عَبْدِ الْوَھَّابِ الثَّقَفِیِّ عَنْ اَیُّوْبَ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ نَحْوَہٗ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۳۹۵۱ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ نَا وَکِیْعٌ قَالَ نَا سُفْیَانُ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّآءِ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ اَبِی الْاَشْعَثِ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ یَدًا بِیَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ ھٰذِہِ الْاَصْنَافُ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ اِذَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کی بیع سونے کے عوض، اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض اور گندم کی بیع گندم کے عوض اور جو کی بیع جو کے عوض اور کھجور کی بیع کھجور کے عوض اور نمک کی بیع نمک کے عوض برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو اور جب یہ اقسام مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشرطیکہ نقد بہ نقد ہو۔

۳۹۵۲ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ نَا وَکِیْعٌ قَالَ نَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْعَبْدِیُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْمُتَوَکِّلِ النَّاجِیُّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا، چاندی کے بدلے میں چاندی، گندم

WWW.NAFSEISLAM.COM

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی الْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْهِ سَوَآءٌ۔

کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو، کھجور کے بدلے میں کھجور اور نمک کے بدلے میں نمک برابر برابر اور نقد بہ نقد (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی کاروبار کیا، اس میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

۳۹۵۳- حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ قَالَ اَنَا سُلَیْمَانُ الرَّبْعِیُّ قَالَ نَا اَبُو الْمُتَوَکِّلِ النَّاجِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَذَکَرَ بِمِثْلِهٖ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا برابر پھر اس کی مثل حدیث ذکر کی۔

۳۹۵۴- حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی قَالَا نَا ابْنُ فُضَیْلٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اِلَّا مَا اخْتَلَفَتْ اَلْوَانُهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور کے بدلے میں کھجور، گندم کے بدلے میں گندم، جو کے بدلے میں جو اور نمک کے بدلے میں نمک برابر اور نقد بہ نقد (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اس نے سودی کاروبار کیا الا یہ کہ اقسام بدل جائیں۔

۳۹۵۵- حَدَّثَنِیْهِ اَبُوْ سَعِیْدِ الْاَشَجُّ قَالَ نَا الْمُحَارِبِیُّ عَنْ فُضَیْلِ بْنِ غَزْوَانَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَمْ یَذْکُرْ یَدًا بِیَدٍ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث منقول ہے مگر اس میں نقد بہ نقد کا ذکر نہیں ہے۔

۳۹۵۶ - حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَوَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى قَالَ نَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ اَبِيْ نُعْمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا تول کر برابر برابر چاندی کے بدلے میں چاندی تول کر برابر برابر فروخت کرو، جس نے زیادہ دیا، یا زیادہ لیا تو وہ زیادتی سود ہے۔

۳۹۵۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَبِيْ تَمِيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلدِّيْنَارُ بِالدِّيْنَارِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دینار کے بدلے میں دینار (فروخت کرو) اور کسی کو زیادہ مت دو اور درہم کو درہم کے بدلے میں فروخت کرو اور کسی کو زیادہ مت دو۔

۳۹۵۸ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ اَنَسٍ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ اَبِيْ تَمِيْمٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

ایک اور سند سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

۳۹۵۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ بَاعَ شَرِيْكٌ لِيْ وَرِقًا بِنَسِيْئَةٍ اِلَى الْمَوْسِمِ اَوْ اِلَى الْحَجِّ فَجَاءَ اِلَيَّ فَاَخْبَرَنِيْ فَقُلْتُ هٰذَا اَمْرٌ لَا يَصْلُحُ قَالَ قَدْ بِعْتُهٗ فِي السُّوْقِ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَحَدٌ فَاَتَيْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ قَدِمَ

ابوالمنہال کہتے ہیں کہ میرے ایک شریک نے حج کے موسم یا حج تک چاندی ادھار بیچی، پھر وہ آیا اور مجھے اس بات کی اطلاع دی، میں نے کہا یہ چیز صحیح نہیں ہے، اس نے کہا میں نے بازار میں یہ بیع کی تھی اور کسی نے اس سلسلے میں مجھ پر اعتراض نہیں کیا، پھر میں براء بن عازب کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ پوچھا، انھوں نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم اس طرح کی بیع کرتے تھے، آپ نے فرمایا جو نقد ہو اس میں

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَنَحْنُ نَبِيْعُ هٰذَا الْبَيْعَ فَقَالَ مَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ بِهٖ وَمَا كَانَ نَسِيْئَةً فَهُوَ رِبًا وَائْتِ زَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ تِجَارَةً مِّنِّيْ فَاَتَيْتُهٗ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

کوئی حرج نہیں اور جو ادھار ہو وہ سود ہے۔ اور تم حضرت زید بن ارقم کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ تجارت کرتے ہیں میں ان کے پاس گیا اور ان سے سوال کیا انھوں نے بھی ایسا ہی کہا۔

۳۹۶۰ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيْبٍ سَمِعَ اَبَا الْمِنْهَالِ يَقُوْلُ سَاَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ سَلْ زَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ فَهُوَ اَعْلَمُ فَسَاَلْتُ زَيْدًا فَقَالَ سَلِ الْبَرَاءَ فَاِنَّهٗ اَعْلَمُ ثُمَّ قَالَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ دَيْنًا۔

ابوالمنہال کہتے ہیں میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے صَرف (سونے، چاندی کی بیع) کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے کہا حضرت زید بن ارقم مجھ سے زیادہ جانتے ہیں ان سے سوال کرو، میں نے حضرت زید سے سوال کیا، انھوں نے کہا حضرت براء بن عازب سے سوال کرو وہ زیادہ عالم ہیں، پھر ان دونوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے بدلے میں چاندی کی ادھار بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳۹۶۱ - حَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ نَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ قَالَ اَنَا يَحْيٰى بْنُ اَبِيْ اِسْحَاقَ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ وَاَمَرَنَا اَنْ نَّشْتَرِيَ الْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْنَا وَنَشْتَرِيَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْنَا قَالَ فَسَاَلَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَدًا بِيَدٍ فَقَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے بدلے میں چاندی اور سونے کے بدلے میں سونے کی بیع سے منع فرمایا اِلّا یہ کہ برابر برابر ہو اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سونے کے بدلے چاندی کو جس طرح چاہیں خریدیں، اور چاندی کے بدلے سونا جس طرح چاہیں خریدیں۔ ایک شخص نے سوال کیا تو کہا نقد بہ نقد اور کہا میں نے اسی طرح سنا ہے۔

۳۹۶۲ - حَدَّثَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ نَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ كَثِيْرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ اِسْحَاقَ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا بَكْرَةَ قَالَ نَهَانَا

حضرت ابوبکرہ نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پھر حسب سابق حدیث ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

۳۹۶۳۔ حَدَّثَنِيْ أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِيْ سَرْحٍ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ أَبُوْ هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ رَبَاحٍ اللَّخْمِيَّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ فُضَالَةَ ابْنَ عُبَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِخَيْبَرَ بِقِلَادَةٍ فِيْهَا خَرَزٌ وَذَهَبٌ وَهِيَ مِنَ الْمَغَانِمِ تُبَاعُ فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّهَبِ الَّذِيْ فِي الْقِلَادَةِ فَنُزِعَ وَحْدَهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیبر میں مال غنیمت کا ایک ہار لایا گیا جس میں پتھر کے نگینے اور سونا تھا، اس کو فروخت کیا جا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار سے سونے کو نکالنے کا حکم دیا، پس صرف سونے کو نکال لیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے میں سونا برابر، برابر تول کے فروخت کریں۔

۳۹۶۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ أَبِيْ شُجَاعٍ نَا سَعِيْدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِيْ عِمْرَانَ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِيْنَارًا فِيْهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيْهَا أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ دِيْنَارًا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰى تُفَصَّلَ۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ خیبر میں بارہ دینار کا ایک ہار خریدا، جس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے جب میں نے ہار سے سونا الگ کیا تو وہ سونا بارہ دینار سے زیادہ تھا، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا سونے کو جدا کیے بغیر نہ بیچا جائے۔

۳۹۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَأَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَا نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَزِيْدَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ۔

ایک اور سند سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۹۶۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ اَبِي جَعْفَرٍ عَنِ الْجُلَاحِ قَالَ حَدَّثَنِيْ حَنَشٌ الصَّنْعَانِيُّ عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ نُبَايِعُ الْيَهُوْدَ الْاُوْقِيَّةَ الذَّهَبَ بِالدِّيْنَارَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ.

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ایک اوقیہ سونے کی یہودیوں سے دو اور تین دینار کے عوض بیع کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کو سونے کے بدلے میں بغیر برابر برابر وزن کے فروخت نہ کریں۔

۳۹۶۷ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُعَافِرِيِّ وَعَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ وَغَيْرِهِمَا اَنَّ عَامِرَ بْنَ يَحْيَى الْمُعَافِرِيَّ اَخْبَرَهُمْ عَنْ حَنَشٍ اَنَّهُ قَالَ كُنَّا مَعَ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِيْ غَزْوَةٍ فَطَارَتْ لِيْ وَلِاَصْحَابِيْ قِلَادَةٌ فِيْهَا ذَهَبٌ وَوَرِقٌ وَجَوْهَرٌ فَاَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِيَهَا فَسَاَلْتُ فُضَالَةَ بْنَ عُبَيْدٍ فَقَالَ انْزِعْ ذَهَبَهَا فَاجْعَلْهُ فِيْ كِفَّةٍ وَاجْعَلْ ذَهَبَكَ فِيْ كِفَّةٍ ثُمَّ لَا تَاْخُذَنَّ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَاْخُذَنَّ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ.

حنش کہتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، سو میرے اور میرے ساتھیوں کے حصے میں ایک ہار آیا جس میں سونا، چاندی اور جواہر تھے، میں نے اس کو خریدنا چاہا، میں نے فضالہ بن عبید سے پوچھا، انھوں نے کہا سونا الگ کر کے ایک پلڑے میں رکھو اور اپنا سونا ایک پلڑے میں رکھو، پھر برابر کے سوا مت خریدنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ برابر کے سوا نہ لے۔

۳۹۶۸ - حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مَعْرُوْفٍ قَالَ نَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ

معمر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے غلام کو ایک صاع گندم دے کر بھیجا اور کہا اس کو بیچ کر اس کے بدلے میں جو خرید لینا، غلام گیا اور اس نے ایک صاع

قَالَ اَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ اَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ اَنَّ بُسْرَ بْنَ سَعِيْدٍ حَدَّثَهُ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ اَرْسَلَ غُلَامَهُ بِصَاعِ قَمْحٍ فَقَالَ بِعْهُ ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ شَعِيْرًا فَذَهَبَ الْغُلَامُ فَاَخَذَ صَاعًا وَّزِيَادَةَ بَعْضِ صَاعٍ فَلَمَّا جَآءَ مَعْمَرًا اَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَقَالَ لَهُ مَعْمَرٌ لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ انْطَلِقْ فَرُدَّهُ وَلَا تَاْخُذَنَّ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَاِنِّيْ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَانَ طَعَامُنَا يَوْمَئِذٍ الشَّعِيْرُ قِيْلَ فَاِنَّهُ لَيْسَ بِمِثْلِهِ قَالَ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّضَارِعَ۔

سے زیادہ (جو) خرید لیے اور جب معمر آئے تو ان کو اس کی خبر دی، معمر نے کہا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جاؤ جا کر اسے واپس کرو، اور صرف برابر برابر لینا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنتا رہا ہوں کہ طعام کے بدلے طعام برابر برابر (فروخت کرو) اور ان دنوں ہمارا طعام جو تھے، ان سے کہا گیا کہ گندم اور جو ایک جنس تو نہیں ہیں، انھوں نے مجھے اس کے مشابہ ہونے کا خوف ہے۔

۳۹۶۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِيْ ابْنَ بِلَالٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا حَدَّثَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اَخَا بَنِيْ عَدِيِّ الْاَنْصَارِيَّ فَاسْتَعْمَلَهُ عَلٰى خَيْبَرَ فَقَدِمَ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَشْتَرِي الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ مِنَ الْجَمْعِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عدی انصاری کے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عمدہ کھجوریں لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! بلکہ ہم دو صاع ردی کھجوریں دے کر ایک صاع عمدہ کھجوریں خریدتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح نہ کرو، لیکن برابر برابر کی بیع کرو یا اس کو فروخت کرو، اور اس کی قیمت سے اس کو خرید لو اسی طرح تول میں بھی برابری رکھو۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلُوْا وَلٰكِنْ مِثْلًا بِمِثْلٍ اَوْ بِيْعُوْا هٰذَا وَاشْتَرُوْا بِثَمَنِهٖ مِنْ هٰذَا وَكَذٰلِكَ الْمِيْزَانُ۔

۳۹۷۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى قَالَ قَرَاْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَاءَهٗ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَاْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا، وہ عمدہ کھجوریں لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہیں؟ اس نے کہا نہیں بخدا، یا رسول اللہ! ہم دو صاع کھجوریں دے کر یہ ایک صاع کھجوریں لیتے ہیں، اور تین صاع دے کر یہ دو صاع لیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح مت کرو، ردی کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچ دو پھر دراہم سے عمدہ کھجوریں خرید لو۔

۳۹۷۱۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ الْوُحَاظِيُّ قَالَ نَا مُعَاوِيَةُ وَهُوَ ابْنُ سَلَّامٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيْمِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُمَا جَمِيْعًا عَنْ يَحْيَى بْنِ حَسَّانَ قَالَ نَا مُعَاوِيَةُ وَهُوَ ابْنُ سَلَّامٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ كَثِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ برنی کھجوریں لے کر آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟ حضرت بلال نے جواب دیا میرے پاس ردی کھجوریں تھیں، میں نے اس میں سے دو صاع فروخت کر کے اس کے عوض یہ ایک صاع کھجوریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے لیے لی ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوہ: یہ تو بعینہٖ سود ہے، ایسا نہ کرو، لیکن جب تم کھجور خریدنا چاہو تو اپنی کھجوریں فروخت کر دو

الْغَافِرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدٍ يَقُوْلُ جَآءَ بِلَالٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَيْنَ هٰذَا فَقَالَ بِلَالٌ تَمْرٌ كَانَ عِنْدَنَا رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِمَطْعَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَشْتَرِيَ التَّمْرَ فَبِعْهُ بِبَيْعٍ اٰخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ سَهْلٍ فِيْ حَدِيْثِهٖ عِنْدَ ذٰلِكَ۔

پھر اس (قیمت) سے دوسری کھجوریں خرید لو۔

۳۹۷۲۔ وَحَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيْبٍ قَالَ نَا الْحَسَنُ بْنُ اَعْيَنَ قَالَ نَا مَعْقِلٌ عَنْ اَبِيْ قَزَعَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا التَّمْرُ مِنْ تَمْرِنَا فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِعْنَا تَمْرَنَا صَاعَيْنِ بِصَاعٍ مِّنْ هٰذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الرِّبَا فَرُدُّوْهُ ثُمَّ بِيْعُوْا تَمْرَنَا وَاشْتَرُوْا لَنَا مِنْ هٰذَا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوریں لائی گئیں، آپ نے فرمایا ہماری کھجوروں کے مقابلہ میں یہ کیسی (اچھی) کھجوریں ہیں! ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نے اپنی دو صاع کھجوریں دے کر یہ ایک صاع کھجوریں لی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سود ہے، ان کو واپس کر دو، ہماری کھجوریں فروخت کرو، پھر ہمارے لیے یہ کھجوریں خرید لو۔

۳۹۷۳۔ حَدَّثَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُرْزَقُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمیں کھجوریں دی جاتی تھیں وہ کھجور کی ایک ملی جلی (ردی) قسم تھی ہم ان کے دو صاع کو ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیتے تھے۔

تَمْرَ الْجَمْعِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ فَكُنَّا نَبِيْعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا صَاعَيْ تَمْرٍ بِصَاعٍ وَّلَا صَاعَيْ حِنْطَةٍ بِصَاعٍ وَّلَا دِرْهَمَ بِدِرْهَمَيْنِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی، آپ نے فرمایا دو صاع کھجوروں کو ایک صاع کھجوروں کے عوض مت فروخت کرو اور نہ دو صاع گندم کو ایک صاع گندم کے عوض اور نہ ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے۔

۳۹۷۴ - حَدَّثَنِيْ عَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَ نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ سَعِيْدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْ نَضْرَةَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ اَيَدًا بِيَدٍ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَا بَاْسَ بِهٖ فَاَخْبَرْتُ اَبَا سَعِيْدٍ فَقُلْتُ اِنِّيْ سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ اَيَدًا بِيَدٍ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَلَا بَاْسَ بِهٖ قَالَ اَوَ قَالَ ذٰلِكَ اِنَّا سَنَكْتُبُ اِلَيْهِ فَلَا يُفْتِيْكُمُوْهُ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ جَآءَ بَعْضُ فِتْيَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَاَنْكَرَهٗ فَقَالَ كَاَنَّ هٰذَا لَيْسَ مِنْ تَمْرِ اَرْضِنَا قَالَ كَانَ فِيْ تَمْرِ اَرْضِنَا اَوْ فِيْ تَمْرِنَا الْعَامَ بَعْضُ الشَّيْءِ فَاَخَذْتُ هٰذَا وَزِدْتُ بَعْضَ الزِّيَادَةِ فَقَالَ اَضْعَفْتَ اَرْبَيْتَ لَا تَقْرَبَنَّ هٰذَا اِذَا رَابَكَ مِنْ تَمْرِكَ شَيْءٌ فَبِعْهُ ثُمَّ اشْتَرِ الَّذِيْ تُرِيْدُ مِنَ التَّمْرِ۔

ابو نضرہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف کے بارے میں سوال کیا، حضرت ابن عباس نے پوچھا: کیا نقد بہ نقد، میں نے کہا ہاں، حضرت ابن عباس نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، میں نے یہ جواب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بتایا، میں نے کہا میں نے حضرت ابن عباس سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا کیا نقد بہ نقد؟ میں نے کہا ہاں، انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو سعید نے کہا کیا واقعی حضرت ابن عباس نے اس طرح کہا ہے؟ ہم ان کی طرف لکھتے ہیں وہ تمہیں ایسا فتویٰ نہیں دیں گے، حضرت ابو سعید نے کہا بخدا بعض جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوریں لے کر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کھجوریں دیکھ کر تعجب ہوا، آپ نے فرمایا یہ ہمارے علاقے کی کھجوریں تو نہیں ہیں، انھوں نے کہا اس سال ہمارے علاقے کی کھجوروں میں کچھ نقص تھا۔ ہم نے یہ کھجوریں لیں اور ان کے بدلے میں کچھ زیادہ کھجوریں دیں، آپ نے فرمایا تم نے زیادہ کھجوریں دیں۔ تم نے سود دیا، اب اس کے قریب نہ جانا، جب تمہیں اپنی کھجوروں میں کچھ کمی محسوس ہو تو ان کو فروخت کر دینا، پھر جو کھجوریں پسند ہوں وہ خرید لینا۔

۳۹۷۵ - حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ

ابو نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور

قَالَ اَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی قَالَ اَنَا دَاوٗدُ عَنْ اَبِیْ نَضْرَةَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ وَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ عَنِ الصَّرْفِ فَلَمْ یَرَیَا بِهٖ بَاْسًا فَاِنِّیْ لَقَاعِدٌ عِنْدَ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَسَاَلْتُهٗ عَنِ الصَّرْفِ فَقَالَ مَا زَادَ فَهُوَ رِبًا فَاَنْكَرْتُ ذٰلِكَ لِقَوْلِهِمَا فَقَالَ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَآءَهٗ صَاحِبُ نَخْلَةٍ بِصَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ طَیِّبٍ وَّ كَانَ تَمْرُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اللَّوْنَ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنّٰی لَكَ هٰذَا قَالَ انْطَلَقْتُ بِصَاعَیْنِ فَاشْتَرَیْتُ بِهٖ هٰذَا الصَّاعَ فَاِنَّ سِعْرَ هٰذَا فِی السُّوْقِ كَذَا وَ سِعْرَ هٰذَا كَذَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیْلَكَ اَرْبَیْتَ اِذَا اَرَدْتَّ ذٰلِكَ فَبِعْ تَمْرَكَ بِسِلْعَةٍ ثُمَّ اشْتَرِ بِسِلْعَتِكَ اَیَّ تَمْرٍ شِئْتَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ اَحَقُّ اَنْ یَّكُوْنَ رِبًا اَمِ الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ قَالَ فَاَتَیْتُ ابْنَ عُمَرَ بَعْدُ فَنَهَانِیْ وَلَمْ اٰتِ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ فَحَدَّثَنِیْ اَبُو الصَّهْبَآءِ اَنَّهٗ سَاَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا بِمَكَّةَ فَكَرِهَهٗ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بیع صرف کے بارے میں سوال کیا تھا تو انھوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے ان سے بیع صرف کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے کہا اس میں زیادتی سود ہے، میں نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے جو سنا ہوا تھا اس وجہ سے حضرت ابو سعید کے قول کا انکار کیا حضرت ابو سعید نے کہا میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا۔ ایک کھجور والا آپ کے پاس ایک صاع اچھی کھجوریں لے کر آیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کھجوریں بھی اس رنگ کی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: یہ کھجوریں کہاں سے لائے ہو؟ انھوں نے کہا میں دو صاع کھجوریں لے گیا اور ان کے بدلے میں یہ ایک صاع کھجوریں لایا ہوں، کیونکہ اس کا بازار میں بھاؤ اتنا ہے اور اس کا بازار میں بھاؤ اتنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر افسوس ہے کہ تم نے سود دیا، جب تم ایسا کرنا چاہو تو اپنی کھجوروں کو ایک سودے میں فروخت کر دو، پھر اس کی قیمت سے جس قسم کی کھجوریں چاہو خرید لو، ابو سعید نے کہا یہ بتاؤ کہ کھجور کے بدلے میں کھجور سود ہونے کی زیادہ حقدار ہے یا چاندی کے بدلے میں چاندی! ابونضرہ کہتے ہیں پھر میں حضرت ابن عمر کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اس سے منع کیا، اور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس نہیں گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے ابو صہبا نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس سے مکہ میں سوال کیا گیا تو انھوں نے اس کو ناپسند فرمایا۔

۳۹۷۶۔ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ جَمِیْعًا عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عُیَیْنَۃَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ عَبَّادٍ قَالَ نَا سُفْیَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ الدِّیْنَارُ بِالدِّیْنَارِ وَالدِّرْھَمُ بِالدِّرْھَمِ مِثْلًا بِمِثْلٍ مَنْ زَادَ اَوِ ازْدَادَ فَقَدْ اَرْبٰی فَقُلْتُ لَہٗ اِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا یَقُوْلُ غَیْرَ ھٰذَا فَقَالَ لَقَدْ لَقِیْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا فَقُلْتُ اَرَاَیْتَ ھٰذَا الَّذِیْ تَقُوْلُ اَشَیْءٌ سَمِعْتَہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ وَجَدْتَّہٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ لَمْ اَسْمَعْہُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ اَجِدْہُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ حَدَّثَنِیْ اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبَا فِی النَّسِیْئَۃِ

ہیں کہ دینار کے بدلے میں دینار اور درہم کے بدلے میں درہم برابر برابر (فروخت کرو) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو وہ سود ہے، راوی ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید سے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اس کے خلاف کہتے ہیں، حضرت ابو سعید نے کہا میری حضرت ابن عباس سے ملاقات ہوئی تھی میں نے ان سے کہا مجھے بتائیے آپ کیا چاہتے ہیں کیا اس بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے یا کتاب اللہ میں ایسی کوئی آیت ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث سنی ہے نہ میں نے یہ حکم کتاب اللہ میں دیکھا ہے لیکن مجھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود صرف ادھار میں ہے۔

۳۹۷۷ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَابْنُ اَبِیْ عُمَرَ وَاللَّفْظُ لِعَمْرٍو قَالَ اِسْحَاقُ اَنَا وَقَالَ الْاٰخَرُوْنَ نَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ یَزِیْدَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا یَقُوْلُ اَخْبَرَنِیْ اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود صرف ادھار میں ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

إِنَّمَا الرِّبٰوا فِي النَّسِيْئَةِ.

۳۹۷۸ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا عَفَّانُ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ نَا بَهْزٌ قَالَا نَا وُهَيْبٌ قَالَ نَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رِبًا فِيْمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ.

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نقد بہ نقد میں کوئی سود نہیں ہے۔

۳۹۷۹ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ نَا مِعْقَلٌ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ لَقِيَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ أَرَأَيْتَ قَوْلَكَ فِي الصَّرْفِ شَيْئٌ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ شَيْئٌ وَجَدْتَهُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا كَلَّا لَا أَقُوْلُ أَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ بِهِ وَأَمَّا كِتَابُ اللّٰهِ فَلَا أَعْلَمُهُ وَلٰكِنْ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيْئَةِ.

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی حضرت ابو سعید نے ان سے کہا: یہ بتائیے کہ بیع صرف میں جو آپ فتویٰ دیتے ہیں آیا آپ نے یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا آپ نے اس کو اللہ عزوجل کی کتاب میں پایا ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا میں ان میں سے کوئی بات نہیں کہتا، رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو آپ اس کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور رہا کتاب اللہ کا معاملہ تو مجھے اس میں اس حکم کا علم نہیں، لیکن حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود صرف ادھار میں ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۹۸۰ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِعُثْمَانَ قَالَ إِسْحٰقُ أَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ نَا جَرِيْرٌ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا

عَنْ مُغِيْرَةَ قَالَ سَأَلَ شِبَاكٌ إِبْرَاهِيْمَ فَحَدَّثَنَا عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ قَالَ قُلْتُ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ قَالَ إِنَّمَا نُحَدِّثُ بِمَا سَمِعْنَا۔

اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر؟۔ حضرت ابن مسعود نے کہا ہم حدیث اتنی ہی بیان کرتے ہیں جتنی ہم نے سُنی

۳۹۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالُوْا نَا هُشَيْمٌ أَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سود لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا یہ سب برابر ہیں۔

ربٰوا کا لغوی معنی

لغت میں ربٰو کے معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی ہیں، علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو ربٰوا کہتے ہیں۔ اور زجاج نے کہا ہے کہ ربٰوا کی دو قسمیں ہیں ایک ربٰوا حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے، ربٰو حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور ربٰوا غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے[1] علامہ عینی نے شرح المہذب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربٰوا کو الف، واؤ اور یا تینوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے یعنی ربا، ربٰوا اور ربیٰ۔[2]

ربٰوا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں ربٰو کی دو قسمیں ہیں ربٰوا النسیئۃ (اس کو ربٰوا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) اور ربٰوا الفضل (اس کو ربٰوا الحدیث بھی کہتے ہیں) ربٰوا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو، مثلاً چار کلوگرام گندم کو نقد آٹھ کلوگرام گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ ربٰوا الفضل کن چیزوں میں ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، جس کو انشاء اللہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ ربٰوا النسیئۃ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

[1] السید محمد مرتضےٰ حسینی زبیدی نزیل مصر متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۱۴۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: علامہ ابن اثیر نے کہا ہے شریعت میں ربوٰ بغیر عقد بیع کے اصل مال پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک ربوٰ یہ ہے کہ مال کے بدلے مال میں جو مال بلا عوض لیا جائے مثلاً کوئی شخص دس درہم کو گیارہ درہم کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں ایک درہم زیادتی بلا عوض ہے۔[1]

علامہ ابن اثیر نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئۃ پر صادق نہیں آتی اور علامہ عینی نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئۃ پر اس لیے صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں اُدھار کا ذکر نہیں ہے اور چونکہ اس میں مجانست کی قید نہیں ہے اس لیے ربا الفضل پر بھی صادق نہیں آتی۔

ربا النسیئۃ کی صحیح اور واضح تعریف امام رازی نے کی ہے لکھتے ہیں: ربا النسیئۃ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی، مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ، مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا، اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔[2]

باب: ۲۸۴ میں انعامی بانڈز کی بحث میں ہم نے فقہاء اربعہ کے حوالوں سے ربا النسیئۃ کی تعریفات ذکر کی ہیں۔

بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل

معیشت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ربوا اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی، بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعتکار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا اور تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے۔ اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے اگر بینک کو وہ چودہ فیصد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا، سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود ادا کرتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد سالانہ کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا ربا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی سکیم بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ ربا غرباء پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ۔

[2] امام محمد بن ضیاء الدین فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

بینک کے سود جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراطِ زر کی وجہ سے روپے کی قدر (INFLATION) دن بدن گرتی جا رہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جارہی ہے۔ اب سے بائیس سال پہلے (۱۹۶۶ء میں) سونا ایک سو روپیہ تولہ تھا، اصلی دیسی گھی پانچ روپیہ کلو، ڈالڈا دو روپیہ کلو، دیسی انڈا دو آنے کا، تنوری روٹی ایک آنے کی، دودھ آٹھ آنے کلو اور ڈاک کا لفافہ چھ پیسے (ڈیڑھ آنے) کا ملتا تھا اور اب (۱۹۸۸ء) میں سونا تین ہزار روپیہ تولہ، دیسی گھی ساٹھ ستر روپیہ کلو، ڈالڈا گھی اٹھارہ روپیہ کلو، دیسی انڈا دو روپیہ کا، تنوری روٹی ایک روپیہ کی، دودھ آٹھ روپیہ کلو اور ڈاک کا لفافہ اسی پیسے کا ہو گیا ہے۔ اس تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیس سال میں روپیہ کی قدر بارہ سے لے کر تیس گنا بارہ سو فیصد سے لے کر تین ہزار فی صد تک گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بائیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت سات آٹھ روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ گیا ہے اگر اس سو روپیہ پر سال بسال بینک کا سود لگتا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل بچتوں کو جمع کراتے ہیں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے، خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو خواہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ، اللہ تعالیٰ نے امارت اور غربت کا فرق کیے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

احل اللہ البیع وحرم الربٰو۔ (بقرہ: ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰو ان کنتم مؤمنین۔ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ (بقرہ: ۲۷۸-۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مؤمن ہو تو (زمانہ جاہلیت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفرد کو بھی حرام کیا ہے اور لا تاکلوا الربٰوا اضعافاً مضاعفۃ (آل عمران: ۱۳۰) "دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ مطلقاً سود کو حرام کیا ہے اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔

ابن جریر وذروا ما بقی من الربٰو کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کان ربا یتبایعون بہ فی الجاھلیۃ۔

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانۂ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن السدی قال نزلت ھذہ الاٰیۃ فی العباس بن عبد المطلب

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت

ورجل من بني المغيرة كان شريكين في الجاهلية يسلفان في الربا الى ناس من ثقيف من بني و لهما اموال عظيمة في الربا۔[1] عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں زمانۂ جاہلیت میں شریک تھے قرض پر مال دیتے رہتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود میں لگا ہوا تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھار پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہوگیا کہ زمانۂ جاہلیت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو الربٰوا کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بناء پر افراط زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے اور اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو بائیس سال میں بینک میں رکھوایا ہوا ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ جائے گا۔ اور یہ نقصان بینک سے سود نہ لینے کی وجہ سے ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہیے۔ مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے۔ دنیاوی اور مادی اعتبار سے تو زکوٰۃ، قربانی اور حج کے لیے زر کثیر خرچ کرنا بھی ـــــ مال کا ضیاع اور نقصان ہے تو کیا اس مادی نقطۂ نظر سے ان تمام مالی عبادات کو خیر باد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو سود کھا کر اللہ اور رسول سے اعلانِ جنگ کے لیے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی وجہ سے روپے کی قدر کا کم ہو جانا خسارہ نہیں ہے بلکہ اصل خسارہ یہ ہے کہ سود لینے کی وجہ سے آخرت برباد ہو جائے!

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضاربت کو رواج نہیں دیا، کرنا یہ چاہیے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ امانت رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی، زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آ سکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو، اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کر دے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراطِ زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا ایک حل

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ بینک میں لوگ جو پیسے امانۃً جمع کراتے ہیں ان پیسوں میں سے

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، در منثور ج ۱ ص ۳۶۶، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ

بینک کو خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہے اس طرح یہ پیسے بینک پر قرض ہو جاتے ہیں اور اگر قرض میں پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ لین دین میں معیار سونا یا ڈالرز ہونگے۔ مثلاً ایک شخص تین ہزار روپیہ قرض دے رہا ہے اور فرض کیجئے اس وقت ایک ہزار روپیہ تولہ سونا ہے تو مقروض کو تین ہزار روپوں کی بجائے تین تولہ سونا یا اس کے مساوی ڈالرز قرض دے۔ اور جب وہ اس سے واپس لے گا تو وہ تین تولہ سونا یا اس کے مساوی کرنسی نوٹ یا ڈالرز لے گا اب اگر وہ پانچ سال بعد اپنا قرض واپس لیتا ہے اور اس وقت سونا تین ہزار روپیہ تولہ ہے تو وہ تین تولہ سونا یا اس کے مساوی نو ہزار روپیہ یا اتنے ڈالرز لینے کا مجاز ہوگا۔ اس طرح افراط زر کی صورت میں بھی قرض دہندہ کا اصل زر محفوظ رہے گا۔ میں نے اس جواب میں جو تجویز پیش کی ہے یہ آخری اور حتمی نہیں ہے۔ اہل علم حضرات کو اس پیچیدہ مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے چونکہ شریعت میں ثمن اصلی سونا اور چاندی ہیں اس لیے قرض اور بینک کے فکسڈ ڈپازٹ میں روپیہ دیتے وقت اعتبار سونے یا چاندی کے وزن یا ڈالرز کا کیا جائے اور وصولیابی کے وقت اتنا ہی سونا یا چاندی یا اُس کے مساوی کرنسی نوٹ یا اتنے ڈالرز لے لیے جائیں تو اس سے سود بھی لازم نہیں آئے گا اور لوگ افراط زر کے استحصال سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اہل علم اور اصحاب فقہ حضرات سے گزارش ہے کہ وہ اس بنیاد پر غور کریں اگر علماء نے اس چیز پر اتفاق کر لیا تو بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے ۔

اس تجویز کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو مثلاً ایک ہزار روپیہ قرض دیتا ہے تو مقروض پر بعینہ وہی نوٹ دینے لازم نہیں ہیں اور اگر بالفرض وہ نوٹ گورنمنٹ منسوخ کر دے اور مقروض وہی منسوخ نوٹ واپس کرے تو یہ شرعاً اور قانوناً جائز نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار نوٹ کا نہیں قوت خرید کا ہے اور ثمن اصلی چونکہ سونا اور چاندی ہے اس لیے قوت خرید میں اسی کو معیار بنانا چاہیے ، اور اگر سونے کا حصول مشکل ہو تو ڈالرز یا پونڈز میں معاملہ کریں۔

بینک نوٹ کی تحقیق آج کل دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس بینک نوٹ پر ہے، اور تجارتی سود کی ادائیگی بھی بینک نوٹ کے ذریعہ کی جاتی ہے، اور تمام دنیا میں مالیاتی لین دین بینک نوٹ کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اور اب نوٹ کی حیثیت ثمن عرفی اور زر اعتباری کی ہے اور بہت سے شرعی احکام پر عمل کرنا نوٹ پر موقوف ہے اس لیے ضروری ہے کہ نوٹ کی تحقیق کی جائے۔ نوٹ کے بارے میں مذاہب اربعہ کو کھنگالا جائے اور نوٹ کی ابتداء اور ارتقاء اور اس کی موجودہ صورت حال کو جانا جائے لہٰذا اس مبحث میں ہم نوٹ سے متعلق تمام ضروری امور کا ذکر کریں گے تاکہ معاشیات کے طلبہ اور شرعی احکام میں غور و فکر کرنے والوں کو نوٹ کی حقیقت پر آگہی ہو سکے اور نوٹ کے ذریعہ جو سود کمایا جاتا ہے اس سے دامن بچایا جا سکے ، فنقول و باللّٰہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق ۔

نوٹ میں مذاہب اربعہ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں: جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ نوٹ کا سونے اور چاندی کی جگہ رواج ہے، اور اس کو آسانی سے چاندی کی جگہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ دولت مند لوگوں کے پاس نوٹ ہوں اور وہ ان نوٹوں کو چاندی کے نصاب کے تابع کر کے زکوٰۃ ادا کر سکتے ہوں اور پھر زکوٰۃ نہ دیں، اس لیے فقہاء ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ میں زکوٰۃ واجب ہے، البتہ فقہاء حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے ۔

فقہاء احناف کہتے ہیں کہ بینک نوٹ دین قوی کے حکم میں ہیں، البتہ ان کو فوراً بطور چاندی کے خرچ کیا جا سکتا ہے اس لیے ان پر زکوٰۃ واجب ہے ۔

ے ڈالرز کی خصوصیت مراد نہیں ہے۔ اس سے مراد مستحکم بین الاقوامی کرنسی ہے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر چند کہ بینک نوٹ قرضوں کی رسیدیں ہیں لیکن ان کو فوراً بطور چاندی کے خرچ کیا جا سکتا ہے اور رواج میں یہ سونے کے قائم مقام ہیں لہٰذا اس میں سونے کی شرائط کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہے۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ نوٹ کی زکوٰۃ صرف اسی صورت میں واجب ہوگی جب ان سے چاندی یا سونا لے لیا جائے۔

فقہاء شافعیہ کہتے ہیں کہ نوٹ سامان تجارت کے حکم میں ہیں اور ان میں اسی اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ [۲]

فقہ السنۃ[۳] اور فتاویٰ مصریہ[۴] میں بھی مذاہب اربعہ اسی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

نوٹ میں علماء مصر کا نظریہ

فتاویٰ مصریہ میں ہے: بینک نوٹ جن کا اب رواج ہو چکا ہے یہ قرضوں کی رسیدیں ہیں اور ان کے ساتھ معاملہ کرنا حوالہ کے قبیل سے ہے اور یہ بیع کے حکم میں نہیں۔[۵]

ڈاکٹر احمد مصری لکھتے ہیں: بینک نوٹ ایک خاص قسم کے کاغذ کا ٹکڑا ہے جس پر اعداد و شمار لکھے ہوتے ہیں۔ ان نوٹوں کے مقابلے میں عادۃً سونے کا ایک محفوظ ذخیرہ ہوتا ہے جس کی قانون تحدید کرتا ہے۔ ان نوٹوں کو حکومت جاری کرتی ہے یا حکومت کا مجاز ادارہ جاری کرتا ہے تاکہ لوگوں کے ہاتھ میں ایک کاغذی سکہ آ جائے۔ ہر چند کہ نوٹ قرضوں کی رسیدیں ہیں، البتہ ان سے فی الفور چاندی لی جا سکتی ہے اور یہ رواج میں سونے کے قائم مقام ہیں پس اس میں سونے کی شرائط سے زکوٰۃ واجب ہے، جس طرح سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے۔[۶]

ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں: تعامل اور رواج کی وجہ سے یہ نوٹ اب اشیاء اور اموال کی ثمن ہو گئے ہیں ان کے ساتھ بیع اور شراء مکمل ہو جاتی ہے اور یہ رواج ہر ملک میں ہے ان سے اجرت اور جرمانے وغیرہ دیے جاتے ہیں اور جس شخص کے پاس جس قدر نوٹ ہوں اس کے حساب سے اس کی دولت مندی کا اعتبار کیا جاتا ہے، ضروریات کی تکمیل، مبادلات کے حصول اور کسب کے تحقق میں ان کی قوت سونے اور چاندی کے برابر ہے اور اس اعتبار سے یہ بڑھنے والے اموال ہیں اور ان کا حکم سونے اور چاندی کا ہے۔[۷]

نوٹ کا لغوی اور عرفی معنی

عربی نوٹ کو ورق النقد یا ورق العملۃ (سکہ کا کاغذ) کہتے ہیں۔ یوسف خیاط اور ندیم مرعشلی اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نوٹ کو حکومت یا اسٹیٹ بینک اپنے محفوظ سرمایہ کی نسبت کم مقدار سے اس وعدہ کے ساتھ جاری کرتا ہے کہ وہ اس کے حامل کو اس کے مطابق نقود صدقی ادا کرے گا۔ جمہور اس کو اعتماد کے ساتھ قبول کرتے ہیں اس لیے اس کو ائتمانیہ، الزامیہ یا ورق نقدی کہتے ہیں۔[۸]

۱۔ محمد فرید وجدی، دائرۃ معارف القرن العشرین ج ۲ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۷۱ء

۲۔ علامہ عبدالرحمان الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۶۰۶ - ۶۰۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

۳۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی، فقہ السنۃ ج ۱ ص ۲۷۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ

۴۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ مطبوعہ القاہرہ، ۱۴۰۰ھ

۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۱ ص ۱۰۹ مطبوعہ القاہرہ ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

۶۔ ڈاکٹر احمد شرباصی استاذ بجامعۃ الازہر، یسئلونک فی الدین والحیاۃ ج ۶ ص ۹۳ مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

۷۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی، فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

۸۔ یوسف خیاط، ندیم مرعشلی، الملحق بلسان العرب ج ۱۸ ص ۱۶۹ مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

محمد فرید وجدی لکھتے ہیں: بینک جس نوٹ کو جاری کرتا ہے وہ سونے، چاندی کی مثل ہے اور حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ جس وقت نوٹ جاری کیا جاتا ہے اس کی قدر کم نہ ہونے دے۔[1]

نوٹوں کی فقہی حیثیت

کاغذی نوٹوں کے احکام کا بیان اس کی تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ شروع کرنے سے پہلے ان نوٹوں کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے کہ کیا یہ کسی قرض کے وثیقے ہیں، یا عرفی ثمن ہیں؟

جن لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ کاغذی نوٹ مالی دستاویز اور سند ہیں، ان کے نزدیک یہ نوٹ اس قرض کی سند ہے جو اس کے جاری کرنے والے (بینک) کے ذمہ واجب ہے، لہٰذا اس رائے اور خیال کے مطابق یہ نوٹ نہ تو ثمن ہیں اور نہ مال، بلکہ نوٹ اس وثیقے سے عبارت ہے جو مدیون نے دائن کو لکھ کر دے دیا ہے، تاکہ جب وہ چاہے اس کے ذریعے اپنے دین پر قبضہ کرنا ممکن ہو۔ اس لیے ان حضرات کی رائے میں جو شخص بھی یہ نوٹ کسی دوسرے کو دے گا، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا، کہ اس نے مال دیا ہے، بلکہ یہ اپنے مال کا حوالہ اس مقروض (بینک) پر کر رہا ہے جس نے یہ نوٹ بطور سند جاری کیے ہیں، اس لیے اس پر فقہی اعتبار سے وہی احکام جاری ہوں گے جو "حوالہ" پر جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا دوسرے کا حق ان نوٹوں کے ذریعے ادا کرنا وہاں جائز ہوگا جہاں حوالہ جائز ہوتا ہے اور اگر یہ نوٹ سونے یا چاندی کی دستاویز اور سند ہیں (یعنی اگر ان کی پشت پر بینک میں سونا یا چاندی ہے) تو اس صورت میں ان نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ سونے کا سونے سے تبادلہ کرنا یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کرنا "بیع صرف" ہے اور "بیع صرف" میں مبیع اور ثمن دونوں کا مجلس عقد میں قبضہ کرنا شرط ہے لہٰذا اگر ان نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدی تو صرف ایک طرف سے قبضہ پایا گیا، دوسری طرف سے قبضہ نہیں پایا گیا، اس لیے کہ خریدار نے تو سونے پر قبضہ کر لیا، لیکن دوکاندار نے سونے کے قرض کی سند پر قبضہ کیا، سونے پر قبضہ نہیں کیا۔ لہٰذا جب "بیع صرف" کے جائز ہونے کے لیے مجلس عقد ہی میں دونوں طرف سے قبضہ کرنے کی شرط نہیں پائی گئی تو یہ بیع شرعاً جائز نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی مالدار شخص اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ کاغذی نوٹ کسی فقیر کو دے، تو جب تک وہ فقیر ان نوٹوں کے بدلے میں اس سونے یا چاندی کو بینک سے وصول نہ کرلے جس کی یہ دستاویز ہے یا جب تک وہ ان نوٹوں کے ذریعہ کوئی سامان نہ خرید لے، اس وقت تک اس مالدار شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر استعمال کرنے سے پہلے یہ نوٹ فقیر کے پاس سے برباد یا ضائع ہو جائیں تو وہ مالدار شخص صرف نوٹوں کو فقیر کے دے دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔ اب اس کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

اس کے برخلاف دوسرے حضرات فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اب یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی بن گئے ہیں۔ اس لیے جو شخص یہ نوٹ ادا کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مال اور ثمن ادا کیا ہے ان نوٹوں کی ادائیگی سے دین کا حوالہ نہیں سمجھا جائے گا۔ لہٰذا اس رائے کے مطابق ان نوٹوں کے ذریعہ زکوٰۃ فی الفور ادا ہو جائے گی، اور ان کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا بھی جائز ہوگا۔

لہٰذا کاغذی نوٹ اور مختلف کرنسیوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے نوٹوں کے بارے میں مذکورہ بالا دو آراء میں

[1] محمد فرید وجدی دائرۃ معارف القرن العشرین ج ۲ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

سے کسی ایک رائے کو فقہی نقطہ نظر سے متعین کرلینا ضروری ہے۔

چنانچہ اس موضوع پر کتب فقہ اور معاشیات کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میرے خیال میں ان نوٹوں کے بارے میں دوسری رائے زیادہ صحیح ہے وہ یہ کہ یہ نوٹ اب عرفی ثمن بن گئے ہیں، اور اب یہ حوالہ کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

دنیا کے کرنسی نظام میں انقلابات اور تبدیلیاں

قدیم زمانے میں لوگ اشیاء کا تبادلہ اشیاء (BARTER) کے ذریعہ کرتے تھے یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز لیتے تھے۔ لیکن اس طرح کے تبادلے میں بہت سے نقائص اور مشکلات تھیں اور ہر جگہ ہر وقت اس طریقہ پر عمل کرنا دشوار ہوتا تھا۔ اس لیے آہستہ آہستہ یہ طریقہ متروک ہوگیا۔[1]

اس کے بعد ایک اور نظام جاری ہوا جسے "زر بضاعتی کا نظام" (COMMODITY MONEY SYSTEM) کہا جاتا ہے، اس نظام میں لوگوں نے مختلف مخصوص اشیاء کو بطور ثمن کے تبادلے کا ذریعہ بنایا اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بناتے جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کبھی اناج اور گندم کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا، کبھی نمک کو، اور کبھی چمڑے کو، کبھی لوہے وغیرہ کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا، مگر ان اشیاء کو تبادلہ میں استعمال کرنے میں نقل وحمل کی بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں اس لیے جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلہ میں زیادہ ہونے لگا تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلہ کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہوا ہے اس میں تو بہت سی مشکلات ہیں، لہٰذا تبادلہ کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہیے جس میں نقل وحمل کم سے کم ہو جائے اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو۔

آخر کار تیسرے مرحلے میں جاکر لوگوں نے سونے چاندی کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا، اس لیے کہ یہ دونوں قیمتی دھاتیں ہیں۔ اور چاہے یہ زیور کی شکل میں ہوں یا برتن کی شکل میں، بہر حال ان کی اپنی ذاتی قیمت بھی تھی اور اس کی نقل وحمل اور ذخیرہ اندوزی بھی آسان تھی حتی کہ ان دونوں قیمتی دھاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لیے ایک پیمانہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو "نظام زر معدنی" (METALIC MONEY SYSTEM) کہا جاتا ہے، اس نظام پر بہت سے تغیرات اور انقلابات گزرے ہیں جن کو ہم اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کرتے ہیں:

(۱): ابتداء میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے، جو سائز، ضخامت وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈھلے ہوئے برتن اور زیور کی شکل میں ہوتا تھا۔ لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

(۲): اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہوگیا۔ بعض شہروں میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاگئے، جو ضخامت، وزن اور خالص ہونے کے اعتبار سے برابر اور مساوی

WWW.NAFSEISLAM.COM

[1] مثلاً ایک شخص کو گندم کی ضرورت ہے، اس کے پاس زائد چاول موجود ہیں۔ اب وہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا جس کو چاول کی ضرورت بھی ہو اور اس کے پاس زائد گندم بھی ہو۔ ایسے شخص کے ملنے کے بعد وہ اس سے گندم کا چاول سے تبادلہ کرتا، تب جاکر اس کو گندم میسر آتی۔ یہ طریقہ اب متروک ہو چکا ہے، البتہ اس قسم کے تبادلے اب بھی بعض جگہ نظر آتے ہیں۔ مثلاً آپ نے گلی کوچوں میں بعض افراد کو دیکھا ہوگا کہ وہ پرانے کپڑے پرانے جوتے اور اخبارات کی ردی لے کر اس کے بدلے میں پیالے برتن وغیرہ دیتے ہیں۔

ہوتے تھے، اور جن پر دونوں طرف مہر ثبت ہوتی تھی، جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکے درست اور تبادلہ کے قابل ہیں اور اس سکے کی ظاہری قیمت (FACE VALUE) جو اس پر لکھی ہوتی تھی وہ اس سونے اور چاندی کی حقیقی قیمت ____ (GOLD OR SILVER CONTENT) کے برابر ہوتی تھی۔ گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت سونے کی اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی۔ جو سکے کے ہم وزن ہو۔ اس نظام کو "معیاری قاعدہ زر" (Gold Specie Standard) کہا جاتا ہے۔ اس نظام کو سب سے پہلے چینیوں نے ساتویں صدی عیسوی قبل مسیح میں رائج کیا تھا۔

اس نظام کے اندر لوگوں کو اس بات کی آزادی تھی کہ وہ چاہیں آپس میں لین دین کے لیے سکے استعمال کریں یا سونے کے ٹکڑے یا سونے کے ڈھلے ہوئے زیورات وغیرہ استعمال کریں اور ملک سے باہر برآمد و درآمد کی بھی عام اجازت تھی۔

اور حکومت کی طرف سے یہ عام اجازت تھی جو شخص بھی جس مقدار میں سکے ڈھلوانا چاہے وہ ڈھال کر دے گی۔ چنانچہ لوگ حکومت کے پاس سونے کے ٹکڑے اور سونے کی ڈھلی ہوئی دوسری اشیاء لاتے اور حکومت ان کو سکے بنا کر واپس کر دیتی۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص سکے لا کر اسکو پگھلانے کے لیے کہتا تو حکومت ان سکوں کو پگھلا کر ٹکڑے کی شکل میں اس شخص کو واپس کر دیتی۔

(۳) بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے چاندی دونوں کے سکوں کو بطور کرنسی کے رائج کیا، اور ان دونوں کے آپس کے تبادلے کے لیے ایک خاص قیمت مقرر کر دی اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کی حیثیت سے استعمال کیا جانے لگا۔ اس نظام کو "دو دھاتی نظام" (Bi - Metallism) کہا جاتا ہے۔

لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہو گئیں۔ وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے سکوں میں آپس میں تبادلہ کے لیے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی۔ جس کی بنا پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے۔ مثلاً امریکہ میں سونے کے ایک سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اسی وقت میں یورپ میں سونے کے ایک سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی۔ اس صورت حال میں تاجر امریکہ سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے۔ اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکہ لا کر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جا کر یورپ میں فروخت کر دیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے۔ لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکہ کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا۔ گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکہ سے باہر نکال دیا۔ پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکہ نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دیا تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا اور اب سونے کے سکے امریکہ میں منتقل ہونے شروع ہو گئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکہ سے نکال دیا۔

(۴)۔ سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگرچہ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل و حمل آسان ہے لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے۔ اس لیے مالداروں کے لیے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers)

کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کر دیتے۔ آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سناروں پر اعتماد زیادہ ہوگیا تو یہی رسیدیں، جو ان سناروں نے قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع وشراء میں بطور ثمن کے استعمال ہونے لگیں، لہٰذا ایک خریدار دوکاندار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے ادا کرنے کے اپنی رسیدوں میں سے ایک رسید دے دیتا۔ اور دکاندار ان سناروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کر لیتا۔

یہ ہے کاغذی نوٹ کی ابتداء لیکن ابتداء میں نہ اس کی کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنار پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

(۵)۔ جب ۱۶۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج زیادہ ہوگیا تو ان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کر لی جسے "بینک نوٹ" کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اسٹاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اُس وقت جاری کرنے والے بینک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا، اور بینک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے، اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے، بینک جا کر اس کے بدلے سونے کی سلاخ حاصل کرے، اسی وجہ سے اس نظام کو "سونے کی سلاخوں کا معیار" (GOLD BULLION STANDARD) کہا جاتا ہے۔

(۶)۔ ۱۸۳۳ء میں جب "بینک نوٹ" کا رواج بہت زیادہ ہوگیا تو حکومت نے اس کو "زر قانونی" (Legal Tender) قرار دے دیا۔ اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے گا جس طرح اس کے لیے سونا چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہیں اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے والے مرکزی بینک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔

(۷)۔ پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں۔ چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کر دے۔ جو سونے کی موجودہ مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسے استعمال کرے، اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان جاری شدہ نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی حتیٰ کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فیصد تناسب تھا وہ گھٹتے گھٹتے معمولی تناسب رہ گیا۔ اس لیے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات کا یقین تھا کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لیے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہوگئے جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تجار ایسے نوٹوں کو اس بھروسہ پر قبول

کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبے کے وقت اس کے پاس موجود سونے کے ذریعے اس کا مطالبہ پورا کر دے گا۔ اگرچہ اس کے پاس موجود سونے کی مقدار اس کے جاری کردہ نوٹوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ایسے کرنسی نوٹوں کو "زر اعتباری" (FIDUCIARY MONEY) کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بناء پر حکومتیں جو اب تک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہو رہی ہے اس کو کم کر دیں۔ یا ہر سکے میں اصلی دھات کے بجائے ناقص دھات استعمال کریں۔ چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (FACE VALUE) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت (INTRINSIC VALUE) سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ ایسے سکوں کو "علامتی زر" (TOKEN MONEY) کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔

(۸) رفتہ رفتہ "زر اعتباری" (یعنی جس نوٹ کی پشت پر سونا نہیں تھا) کا رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد ملک میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقۃً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت کڑی شرطیں لگا دیں، انگلینڈ نے تو ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا، البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہو گئے (اس لیے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے) لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لیے کوئی پرواہ نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ زر قانونی بن گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کیے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی، اور اس کے ذریعہ اندرونِ ملک تجارت کر کے اسی طرح نفع حاصل کیا جاتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعہ تجارت کر کے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

(۹) پھر ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی حتیٰ کہ اس شخص کے لیے بھی جو سترہ سو پونڈ کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں۔ لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اندرونِ ملک اگرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے

یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی جائے گی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی۔ مثلاً اگر امریکہ کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آگئے، اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے امریکہ کو سونا فراہم کرے۔ اس نظام کو "سونے کی مبادلت کا معیار" (GOLD EXCHANGE STANDARD.) کہا جاتا ہے۔

(۱۰)۔ اسی اصول پر سالہا سال تک عمل جاری رہا، حتیٰ کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ڈالر کی قیمت کی کمی کی باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہو گئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ وہ دوسری حکومتوں کے لیے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کر دے۔ چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کر دیا، اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے منسلک رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہو گئی۔
اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں "بین الاقوامی فنڈ" (INTER NATIONAL MONETARY FUND) سونے کے بدل کے طور پر ایک "زر مبادلہ نکلوانے کے حق" (SPECIAL DRAWING RIGHT.) کا نظریہ پیش کیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ "بین الاقوامی مالی فنڈ" کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لیے نکلوا سکتے ہیں اور مقدار کی تعیین کے لیے ۸۸۸۶۷۱، ۰ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا۔ (کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدا جا سکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکلوا سکتا ہے۔ لہٰذا اب صورتحال یہ ہے کہ زر مبادلہ نکلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لیے "ایس۔ ڈی۔ آر" کہا جاتا ہے سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔
اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اور نوٹوں اور "زر علامتی" (یعنی کم قیمت کے سکوں) نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے۔ اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کر رہے ہیں......... لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور ابدی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جماؤ پیدا نہیں ہوا، اس لیے کہ تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ "سونے کی سلاخوں کے نظام" کی طرف لوٹنے کی آوازیں لگنے لگی ہیں، اس لیے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے...... لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے۔ اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی کے ساتھ کوئی قانونی تعلق نہیں ہے۔ خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔
بہرحال یہ دنیا کے کرنسی نظام کے انقلابات اور تغیرات کا خلاصہ ہے، جس کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی

"ENCYCLOPAEDIA BRITONNICA" "BANKING AND CREDIT."
" MONEY CURRENCY. حکم التعامل فی الذهب والفضة- للدکتور محی هاشم عرض.

ہے کہ یہ کرنسی نوٹ ایک حالت اور ایک کیفیت پر قائم نہیں رہے، بلکہ مختلف ادوار مختلف زمانوں میں ان کی حیثیت بدلتی رہی ہے، اور ان پر بہت سے انقلاب اور تغیرات گذر چکے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بالکل ابتدائی دور میں یہ نوٹ قرض کی سند اور دستاویز سمجھے جاتے تھے اور اسی بناء پر بہت سے علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے، اس کی حیثیت مال اور ثمن کی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ سید احمد بیگ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "بہجۃ المشتاق فی بیان حکم زکاۃ الاوراق" میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب ہم نے لفظ "بینک نوٹ" کی ماہیت کے بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ فرانسیسی زبان کی اصطلاح ہے، اور "لاروس" جو فرانسیسی زبان کی سب سے بڑی اور مشہور لغت ہے۔ اس میں بینک نوٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بینک نوٹ ایک کرنسی قوت ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی۔ اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقہ پر رائج ہوتا ہے۔ البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے تاکہ لوگ اس کے لین دین پر اعتماد کریں۔"

لہٰذا اس تعریف میں یہ الفاظ کہ: "اس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کر دی جائے گی" بغیر کسی شک کے اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ نوٹ قرض کی سند ہے۔ البتہ اس تعریف میں جو دوسرے الفاظ ہیں کہ: "ان نوٹوں کے ساتھ بھی اس طریقہ پر لین دین کیا جاتا ہے جس طرح دھات کی کرنسی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔" اس عبارت سے کوئی شخص اس کے مال یا ثمن ہونے کا وہم نہ کرے اس لئے کہ اس عبارت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ لوگ کرنسی کے بجائے ان نوٹوں کو لین دین میں قبول کر لیتے ہیں صرف اس خیال سے کہ مطالبہ کے وقت اس کی قیمت حامل نوٹ کو وصول ہو جائیگی اور حکومت اس نوٹ کی ادائیگی کی ضامن ہے، لہٰذا یہ تعریف اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند اور دستاویز ہے۔[1]

اسی وجہ سے گذشتہ صدی میں ہندوستان کے بہت سے علماء نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ نوٹ قرض کی دستاویز ہے لہٰذا اس کے ذریعہ اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جب تک فقیر اس نوٹ کو اپنی ضروریات میں خرچ نہ کرے، اور ان نوٹوں کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا جائز نہیں ہے۔[2]

لیکن اسی زمانہ میں علماء اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو ان کاغذی نوٹوں کو "ثمن عرفی" کے طور پر مال قرار دیتی تھی۔ چنانچہ اس مسئلہ پر مسند احمد کے مرتب اور شارح علامہ احمد ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ نے سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فالذی اراه حقا، وادین اللہ علیه، ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰۃ سواء بسواء، لانه یتعامل

میرے نزدیک صحیح بات جس پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوں یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے مسئلہ میں ان کاغذی نوٹوں کا حکم بھی بعینہ سونے

[1] یہ عبارت "بلوغ الامانی" سے نقل کی گئی ہے۔ بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی، المساقاۃ ۸: ۲۴۸

[2] شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵ (علماء بدایوں کا بھی یہی موقف تھا)

به کالنقدین تماما ولان مالکه یملك صرفه وقضاء مصالحه به فی ای وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالی، ومکث عنده حولا کاملا وجب علیه زکوته ...... الخ [1]

چاندی کے حکم کی طرح ہے، اس لیے کہ لوگوں میں ان نوٹوں کا لین دین بالکل اسی طرح جاری ہے، جس طرح سونے چاندی کا لین دین رائج ہے اور ان کے ذریعہ نوٹ کا مالک ہر وقت اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے لہٰذا جو شخص نصاب کے بقدر ان نوٹوں کا مالک بن جائے اور اس پر ایک سال گذر جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

ہندوستان کے بعض دوسرے علماء کی بھی یہی رائے تھی چنانچہ حضرت مولانا عبد الحیٔ لکھنوی ــــــ کے خصوصی شاگرد اور "عطر ہدایہ" اور "خلاصۃ التفاسیر" کے مصنف شیخ فتح محمد صاحب لکھنوی ــــــ کی بھی نوٹ کے بارے میں یہی رائے تھی۔ اور ان کے بیٹے شیخ مفتی سعید احمد لکھنوی ــــــ (سابق مفتی و صدر مدرس مدرسہ تکمیل العلوم، کانپور) نے اپنے والد ماجد کی یہ رائے، ان کی کتاب "عطر ہدایہ" کے آخر میں نقل کی ہے۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ علامہ عبد الحیٔ لکھنوی ــــــ بھی اس مسئلہ میں ان کے موافق تھے۔

ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ: کاغذی نوٹ کی دو حیثیتیں ہیں:۔

ایک یہ کہ خرید و فروخت، اجارات اور تمام مالی معاملات میں ان نوٹوں کا رواج اور لین دین بعینہٖ حقیقی ثمن اور سکوں کی طرح ہے۔ بلکہ حکومت نے لوگوں پر قرضوں اور حقوق کی ادائیگی میں اس کے قبول کرنے کو لازمی قرار دے دیا ہے، لہٰذا موجودہ قانون میں قرض خواہ کو اس کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں ان نوٹوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے ..... اس حیثیت سے یہ کاغذی نوٹ اب "عرفی ثمن" بن چکے ہیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ نوٹ حکومت کی طرف سے جاری شدہ ایک دستاویز ہے اور حکومت نے یہ التزام کیا ہے کہ اس کے ضائع ہونے کی صورت میں، یا اس کے حامل کے مطالبے کے وقت اس کا بدل ادا کرے گی... اس حیثیت سے یہ نوٹ "ثمن عرفی" کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لیے کہ "ثمن عرفی" کی ہلاکت کے وقت حکومت اس کا بدل ادا نہیں کرتی ہے۔ دوسری حیثیت کے اعتبار سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نوٹ قرض کی سند یا دوسری مالی دستاویز کی طرح ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لیکن اگر اس دوسری حیثیت پر ذرا تعمق سے غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ نوٹ کی یہ دوسری حیثیت اس کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتی ہے، اس لیے کہ حکومت کا اصل مقصد یہ تھا کہ یہ نوٹ بھی ثمن عرفی کے طور پر لوگوں میں رائج ہو جائیں اسی وجہ سے حکومت نے قرض کی ادائیگی میں اس کے قبول کرنے کو ضروری قرار دیا..... لیکن خلقی ثمن (سونے چاندی کے سکے) اور دوسری دھاتوں کے علامتی سکے جو پہلے سے رائج تھے ان کا حال تو یہ تھا کہ ان کی اپنی ذاتی حیثیت اور قیمت بھی تھی۔ ان کو قیمتی بنانے کے لیے حکومت کے کسی اعلان کی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ یہ سکے کبھی سونے چاندی سے بنائے جاتے تھے اور کبھی تانبے، پیتل اور لوہے سے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز مال متقوم ہے۔ حتی کہ اگر حکومت

---

[1] شرح الفتح الربانی للساعاتی، آخر باب زکاۃ الذہب والفضۃ ج ۸ ص ۲۵۱

ان سکوں کی ثمنیت کو ختم کرنے کا بھی اعلان کر دے۔ تب بھی مال متقوم ہونے کے اعتبار سے ان کی ذاتی قیمت باقی رہے گی۔

بخلاف ان کاغذی نوٹوں کے کہ ان کی اپنی ذاتی کوئی قابل ذکر قیمت نہیں ہے (صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے) البتہ حکومت کے اعلان کے بعد یہ قیمتی بن گئے ہیں لہٰذا اگر حکومت ان نوٹوں کی ثمنیت باطل کر دے تو ان نوٹوں کی کوئی قیمت باقی نہیں رہے گی، اس لیے کہ لوگوں کو جتنا اعتماد اور بھروسہ دھات کی کرنسی پر ہوتا ہے اتنا نوٹوں پر نہیں ہوتا، اس لیے حکومت کو یہ ضمانت لینی پڑی کہ اس کے ہلاک ہونے کی صورت میں حکومت اس کا بدل ادا کرے گی۔ یہ ضمانت حکومت نے اس لیے نہیں لی کہ حکومت کی نظر میں یہ ثمن عرفی کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ان نوٹوں پر لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ضمانت دی تاکہ لوگ بلاخوف وخطر اس کا لین دین کر سکیں۔

لہٰذا اس نوٹ کے دستاویز ہونے کی حیثیت ایسی نہیں ہے جس سے اس کی ثمنیت باطل ہو جائے اس لیے اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ حکومت نے اس کا بدل دینے کا وعدہ کیا ہے، مگر حکومت کے اس وعدہ کا لوگوں کے آپس میں لین دین پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اگر حکومت ان نوٹوں کو ثمن عرفی نہ بنانا چاہتی تو لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر کبھی مجبور نہ کرتی۔ اور ان نوٹوں کے قابل تبدیلی ہونے کی حیثیت کی وجہ سے لوگوں پر اس کا اعتماد حقیقی کرنسی سے بھی زیادہ ہو چکا ہے، اس لیے کہ حقیقی کرنسی کے خراب اور ضائع ہونے کی صورت میں اس کا بدل نہیں ملے گا۔ بخلاف ان کاغذی نوٹوں کے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں حکومت اس کا بدل مہیا کرتی ہے۔[1]

نوٹ کے متعلق مصنف کا موقف

کاغذی کرنسی کے بارے میں اوپر جو دو رائیں ذکر کی گئی ہیں ہمارے نزدیک اختلاف زمانہ کے لحاظ سے دونوں درست ہیں جس کی تشریح ہم پچھلے کاغذی کرنسی کی تاریخ اور اس پر گذرے ہوئے مختلف تغیرات کے بیان میں کر چکے ہیں۔

لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں یہ کاغذی نوٹ قرض کی دستاویز شمار ہوتی تھی جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے:

> دنیا میں بینک نوٹ (موجودہ کاغذی کرنسی) کا رواج بینک چیک کے رواج سے پہلے ہوا تھا اور یہ بینک نوٹ قرض خواہ کے پاس اس قرض کی سند سمجھا جاتا تھا جو قرض اس کا بینک کے ذمہ ہے۔ اور اگر یہ نوٹ دوسرے شخص کو دے دیا جاتا تو اس نوٹ کے تمام حقوق خود بخود اس دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گے لہٰذا دوسرا شخص جو اب اس نوٹ کا حامل ہے، خود بخود بینک کا قرض خواہ بن جائے گا اسی وجہ سے تمام مالی حقوق کو ان کے ذریعہ ادا کرنا حقیقی کرنسی کے ذریعہ ادا کرنے کی طرح ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور رقم کی بڑی مقدار کو ڈھلے ہوئے سکوں کے ذریعہ ادا کرنا بہت دشوار کام ہے اس لیے کہ اسے شمار کرنے اور پرکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے نقل وحمل میں کافی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کاغذی کرنسی کے استعمال نے شمار کرنے کی مشقت کو کم اور دوسری مشکلات کو سرے سے ختم کر دیا۔[2]

---

[1] عمدۃ الرعایۃ، للشیخ اللکنوی، ص ۲۱۸ تا ۲۲۲، طبع دیوبند، انڈیا۔

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ ۱۹۵۰، ج ۳ ص ۴۴، "بینکنگ اور کریڈٹ"

لیکن جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے ان کاغذی نوٹوں پر تغیرات کے بیان میں بتایا کہ بعد کے زمانے میں نوٹوں کی مندرجہ بالا حالت باقی نہیں رہی تھی۔ بالکل ابتدائی دور میں یہ نوٹ سنار اور صراف کی طرف سے کسی خاص شخص کو اس کے جمع کیے سونے کی رسید کے طور پر جاری ہوتا تھا، اس وقت اس کی نہ کوئی خاص شکل وصورت تھی اور نہ اس کو جاری کرنے والا ایک شخص ہوتا تھا اور نہ ہی کسی شخص کو اپنے حق کی وصولیابی میں اس نوٹ کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ بعد میں جب اس کا رواج زیادہ ہو گیا تو حکومت نے اس کو "قانونی زر" (LEGAL TENDER) قرار دے دیا، اور شخصی (غیر سرکاری) بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے اس اعلان کے بعد اس نوٹ کی حیثیت دوسری مالی دستاویزات سے مندرجہ ذیل حیثیتوں سے مختلف ہو گئی ہے:

۱۔ اب یہ نوٹ قانونی زر کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، اور دوسرے عرفی ثمن کی طرح لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر بھی مجبور کر دیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے مالی دستاویز مثلاً بینک چیک کو اپنے قرض کی وصولیابی میں قبول کرنے پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ باوجودیکہ بینک چیک کا رواج بھی عام ہو چکا ہے۔

۲۔ یہ نوٹ "غیر محدود زر قانونی" (UNLIMITED LEGAL TENDER) کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، جبکہ دھاتی کرنسی "محدود زر قانونی" (LIMITED LEGAL TENDER) ہے، اس لیے ان نوٹوں کے ذریعہ قرض کی بڑی سے بڑی مقدار کی ادائیگی ممکن ہے اور قرض خواہ اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا، بخلاف دھاتی سکوں کے کہ قرض کی بڑی مقدار کو اگر کوئی شخص اس کے ذریعہ ادا کرنا چاہے تو قرض خواہ اس کو قبول کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاغذی نوٹ نے لین دین میں رواج کی کثرت، لوگوں کے اس پر زیادہ اعتماد اور اس کی قانونی حیثیت کی وجہ سے دھاتی کرنسی پر بھی برتری حاصل کر لی ہے۔

۳۔ قرض کی دستاویز ہر شخص جاری کر سکتا ہے، اس میں شرعاً اور قانوناً کوئی ممانعت نہیں کہ قرض خواہ یہ سند اپنے دین کی ادائیگی میں دوسرے قرض خواہ کو دے دے اور دوسرا قرض خواہ تیسرے قرض خواہ کو دے دے۔ لیکن یہ نوٹ حکومت کے علاوہ کوئی اور شخص جاری نہیں کر سکتا۔ جیسے دھاتی کرنسی حکومت کے علاوہ کوئی شخص جاری نہیں کر سکتا۔

۴۔ دنیا کے تمام ممالک میں عرفاً اور قانوناً نوٹوں کے لیے "کیش"، "ثمن" اور "کرنسی" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جبکہ دوسری مالی دستاویزات کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

۵۔ لوگ آپس میں ان نوٹوں کا لین دین اس اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں جس اعتماد کے ساتھ دھاتی کرنسی کا لین دین کرتے ہیں۔ اور ان نوٹوں کے لین دین کے وقت لوگوں کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ قرض کا لین دین کر رہے ہیں، آج کوئی شخص بھی ایسا موجود نہیں ہے جو ان نوٹوں کو اس لیے حاصل کرنا چاہتا ہو کہ ان کے ذریعہ سونے، چاندی یا دھات کے سکے حاصل کرے گا۔

۶۔ جیسا کہ اس کاغذی کرنسی کے ارتقاء میں پیچھے ذکر کیا گیا، اب ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر کوئی سونا چاندی سرے سے موجود نہیں ہے، اور نہ اسے سونے میں تبدیل کرنا ممکن ہے، حتیٰ کہ ملکوں کے درمیان آپس کے لین دین میں بھی اس کا امکان باقی نہیں رہا۔ چنانچہ جیوفرے کراؤتھر لکھتا ہے:

"کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ "حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا" اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور کوئی معنی باقی نہیں رہے۔ اس لیے کہ اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں

کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں، چاہے ان نوٹوں کی مقدار ستر ہزار پونڈ یا اس سے زیادہ بھی کیوں نہ ہو۔ اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پرزہ ہے جس کی ذاتی قیمت کچھ بھی نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو برطانیہ کے مرکزی بینک میں لے جاکر اس کے بدلے میں سونے یا کرنسی کا مطالبہ کرے تو وہ بینک یا تو علامتی سکے دے دے گا یا اس کے بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا۔ لیکن یہ کاغذی پونڈ برطانیہ کے تمام جزائر میں کیش ہی کی طرح قبول کیے جاتے ہیں (اس لیے اب اس کے بدل کے مطالبہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔)

خلاصہ یہ کہ نوٹ پر لکھی ہوئی تحریر کا مطلب صرف اتنا رہ گیا ہے کہ حکومت اس نوٹ کی ظاہری قیمت کی ضامن ہے اور اس کی ظاہری قیمت اس کی قوت خرید ہی کا دوسرا نام ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بینک اس کے بدلے میں سونا، چاندی یا دوسرے دھاتی سکے دینے کا پابند نہیں ہے۔ چنانچہ بعض اوقات بینک مطالبہ کے وقت اس کے بدلے میں اس کی ظاہری قیمت ہی کے برابر دوسرے نوٹ ادا کر دیتا ہے۔ حالانکہ نوٹ کے بدلے میں نوٹ ادا کرنے کو قرض کی ادائیگی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک کرنسی کو دوسرے کرنسی سے تبدیل کر کے دے دیا۔ اور مرکزی بینک نوٹوں کی یہ تبدیلی بھی صرف اس مقصد کے لیے کرتا ہے تاکہ ان نوٹوں پر لوگوں کا اعتماد برقرار رہے۔ اس تبدیلی کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ نوٹ کرنسی کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔

بہرحال! مندرجہ بالا بحث سے واضح ہو گیا کہ فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ "فلوس نافقہ" (مروجہ سکوں) کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ جس طرح "فلوس نافقہ" کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، اور لوگوں میں ان نوٹوں کے ذریعہ لین دین کا رواج "فلوس نافقہ" ہی طرح ہو گیا ہے بلکہ موجودہ دور میں دھاتی سکوں کا وجود بھی نادر ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان نوٹوں کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ اس کے ذریعہ زکوٰۃ فی الفور ادا نہیں ہوتی۔ یا ایک کرنسی نوٹ کی دوسرے کرنسی نوٹ میں تبدیلی کو یہ کہہ کر ناجائز قرار دینا کہ یہ "بیع الکالی بالکالی" کی قبیل سے ہے یا ان نوٹوں کے ذریعہ سونے چاندی کی خریداری کو اس لیے ناجائز قرار دینا کہ یہ "بیع صرف" ہے اور "بیع صرف" میں دونوں طرف سے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے، جو یہاں نہیں پایا گیا۔ ان تمام باتوں میں ناقابل تحمل حرج لازم آتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے معاملات میں شریعت مروجہ عرف عام کو معتبر مانتے ہوئے اس میں سہولت اور آسانی پیدا کر دیتی ہے۔ اور ایسے فلسفیانہ نظریہ کی دقیق بحثوں میں نہیں الجھتی، جن کا عملی زندگی پر کوئی اثر موجود نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

بہرحال! مندرجہ بالا بحث سے یہ بات پوری ثابت ہو گئی کہ یہ کاغذی نوٹ کرنسی کے حکم میں ہیں۔ اب ہم اس نوٹ سے متعلق دوسرے فقہی احکام کو بیان کرتے ہیں۔ واللہ المستعان

کرنسی نوٹ اور زکوٰۃ

جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ء۳۶ گرام) چاندی یا ساڑھے سات تولہ ..... (۴۸ء۸۰ گرام) سونے کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہو جائیگی اور چونکہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لیے ان نوٹوں پر قرض کی زکوٰۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے۔

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

١۔ ایک یہ کہ ایک ہی ملک کے مختلف مقدار کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے۔

٢۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ کیا جائے۔

ان دونوں صورتوں کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ تمام معاملات میں کرنسی نوٹ کا حکم بعینہ سکوں کی طرح ہے، جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ برابر سرابر کرکے جائز ہے۔ اسی طرح ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ برابر سرابر کرکے بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ مجلس عقد میں فریقین میں سے کوئی ایک بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلے، لہٰذا اگر تبادلہ کرنے والے دو شخصوں میں سے کسی ایک نے بھی مجلس عقد میں نوٹوں پر قبضہ نہیں کیا حتیٰ کہ وہ دونوں جدا ہوگئے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک یہ عقد فاسد ہو جائے گا، اس لیے کہ ان کے نزدیک فلوس متعین نہیں ہوتے۔ ان کی تعیین صرف قبضے ہی سے ہوسکتی ہے۔ لہٰذا جن فلوس پر عقد ہوا ہے اگر ان پر قبضہ نہیں ہوا تو وہ متعین نہیں ہوسکے بلکہ ہر فریق کے ذمے دین ہوگئے۔ اور یہ دین کی بیع دین سے ہوگئی۔ جو "بیع الکالی بالکالی" ہونے کی بنا پر ناجائز ہے۔

مندرجہ بالا حکم تو اس صورت میں ہے جب نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ برابر سرابر کرکے کیا جائے، اور اگر کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کیا جائے، مثلاً ایک روپیہ کا دو روپے سے یا ایک ریال کا دو ریال سے، یا ایک ڈالر کا دو ڈالر سے تبادلہ کیا جائے تو اس صورت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء کا وہی مشہور اختلاف پیش آئے گا، جو فلوس کے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے بارے میں معروف ہے، وہ یہ کہ:

بعض فقہاء کے نزدیک ایک فلس (پیسے) کا تبادلہ دو فلسوں سے شرعاً سود ہونے کی بناء پر حرام ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، اور حنابلہ کا مشہور مسلک بھی یہی ہے، اور اگر دونوں طرف کے فلوس غیر متعین ہوں تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی یہ تبادلہ حرام ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تبادلہ اس لیے حرام ہے کہ ان کے نزدیک کسی معاملے میں ادھار اور کمی زیادتی کے حرام ہونے کی علت "ثمنیت" (کیش، نقدی، اور کرنسی ہونا) ہے، چاہے حقیقی ثمنیت ہو جیسے سونے چاندی میں ہوتی ہے یا عرفی اور اصطلاحی ثمنیت ہو، جیسے سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے سکے اور کاغذی نوٹ میں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی عقد میں دونوں طرف ایک قسم کا ثمن (کرنسی، نقدی، کیش) ہو تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عقد میں نہ تو کمی زیادتی جائز ہے اور نہ ادھار جائز ہے۔ چنانچہ "المدونۃ الکبریٰ" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو ان الناس اجازوا بينهم الجلود یعنی اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعہ

---

[1] مطلب یہ کہ اگر عقد مجھے متعین روپوں پر ہوا ہو اور کوئی فریق ان روپوں کے بجائے اتنی ہی مالیت کے دوسرے روپے دیدے تو وہ ایسا کرسکتا ہے؛ جب دوسرا فریق ان پر قبضہ کرلے تو پہلا فریق اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا کہ مجھے واپس کردو۔ میں ان کے بدلے دوسرے دیتا ہوں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

حتی یکون لها سکة وعین للکرهتها ان تباع بالذهب والورق نظرة لان مالکا قال، لا یجوز فلس بفلسین . ولا تجوز الفلوس بالذهب ولا بالدنانیر نظرة [1]

خرید و فروخت کا اس قدر رواج پا جائے کہ وہ درہم اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعہ اس چیز کے فروخت کرنا جائز نہیں ———— چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک فلس کی دو فلسوں کے ساتھ بیع اور تبادلہ جائز نہیں، اسی طرح سونا چاندی اور درہم اور دینار کے ذریعہ بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں۔ (اس لیے کہ سونا چاندی، درہم اور دینار میں حقیقی ثمنیت موجود ہے۔ اور سکوں میں اصطلاحی ثمنیت موجود ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک ثمنیت کے ہوتے ہوئے اگر اجناس مختلف ہوں تب بھی ادھار ناجائز ہے)

(المدونۃ الکبریٰ ج ۳، ص ۱۰۴)۔

جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت ثمنیت کے بجائے قدر (کیل اور وزن) ہے اور چونکہ فلوس عددی ہیں اس لیے ان میں یہ علت موجود نہیں، لیکن فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہم قیمت فلوس بازاری اصطلاح کے مطابق بالکل برابر اور قطعی طور پر مساوی اکائیاں ہوتی ہیں، کیونکہ لوگوں کی اصطلاح نے ان کی جودت و رداءت (عمدگی اور گھٹیاپن) کا اعتبار ختم کر دیا ہے لہٰذا اگر ایک اکائی کو دو اکائیوں سے فروخت کیا جائے گا، تو دو میں سے ایک اکائی بغیر کسی عوض کے رہ جائے گی، اور یہ عوض سے خالی رہ جانا عقد میں مشروط ہوگا، لہٰذا اس سے ربا لازم آجائے گا لیکن یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ ان فلوس کی ثمنیت باقی رہے، اور وہ متعین کرنے سے متعین نہ ہوں۔

اب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سکے ثمن اصطلاحی بن کر رائج ہو چکے ہیں تو جب تک تمام لوگ اس کی ثمنیت کو باطل قرار نہ دیں، اس وقت تک صرف متعاقدین (بائع اور مشتری) کے باطل کرنے سے ان کی ثمنیت باطل نہ ہوگی، جب ثمنیت باطل نہ ہوئی تو وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے لہٰذا ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز نہ ہوگا۔ خواہ متعاقدین (بائع اور مشتری) نے انھیں اپنی حد تک متعین ہی کیوں نہ کر لیا ہو۔

لیکن امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سکے خلقی ثمن نہیں ہیں بلکہ اصطلاحی اثمان ہیں۔ اس لیے متعاقدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے درمیان اس اصطلاح کو ختم کرتے ہوئے ان سکوں کی تعیین کے ذریعہ ان کی ثمنیت کو باطل کر دیں۔ اس صورت میں یہ سکے عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے، لہٰذا ان میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہوگا۔ [2]

رہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سو ان کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: العنایہ حاشیہ فتح القدیر۔ ج ۵، ص ۲۸۷۔

[2] المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۸، ۱۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت

ایک یہ کہ ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ جائز ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت "وزن" ہے، اور سکوں کے عددی ہونے کی وجہ سے یہ علت ان میں موجود نہیں جب علت موجود نہیں تو حرمت کا حکم بھی نہیں لگے گا۔

دوسرے یہ کہ سکوں کا اس طرح تبادلہ کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ سکے فی الحال اگرچہ عددی ہیں لیکن اصل میں دھات ہونے کی بنا پر وزنی ہیں۔ اور دھات کو سکوں میں تبدیل کرنے سے ان کی اصلیت باطل نہیں ہوگی۔ جس طرح روئی اگرچہ عددی ہے لیکن اصلیت کے اعتبار سے آٹا ہونے کی بنا پر کیلی یا وزنی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

ان اختيار الناصحي ان ما كان يقصد وزنه بعد عمله كالاسطال، ففيه الربا، وما لا فلا۔[1]

کسی دھات سے کوئی چیز بنانے کے بعد بھی اگر اس میں وزن کا اعتبار کیا جاتا ہو تو اس میں کمی زیادتی سے بیع کرنا سود ہونے کی بنا پر حرام ہے۔ جیسے تانبے، پیتل اور اسٹیل کے برتن (اس لیے کہ یہ چیزیں بازار میں وزن کر کے بیچی جاتی ہیں) اور اگر وزن کا اعتبار نہ کیا جائے تو سود نہیں ہے۔

اس اصول کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کاغذی نوٹ کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہو، اس لیے کہ کاغذی نوٹ اصلاً وزنی نہیں ہیں بخلاف فلوس کے کہ وہ اصلاً وزنی ہے (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

دوسرے بعض فقہاء کے نزدیک ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ مطلقاً جائز ہے۔ بلکہ سکوں کے تبادلے میں ہر قسم کی کمی زیادتی جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک حرمت ربا کی علت اصلی اور خلقی ثمنیت ہے۔ جو صرف سونے چاندی میں پائی جاتی ہے اور سکوں میں صرف عرفی ثمنیت موجود ہے۔ خلقی ثمنیت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک فلوس کا تبادلہ کمی زیادتی کے ساتھ بالکل جائز ہے۔[2]

اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بھی اگر متعاقدین ان سکوں کو متعین کر دیں تو متعین کرنے سے ان کی ثمنیت باطل ہو کر وہ عروض اور سامان کے حکم میں ہو جائیں گے۔ اس صورت میں ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے۔

نوٹ کی نوٹ کے بدلے میں کمی وزیادتی کے ساتھ بیع

مندرجہ بالا اختلاف کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب سونے چاندی کو تمام اثمان کا معیار قرار دیا ہوا تھا۔ اور سونے چاندی سے تبادلے کا عام رواج تھا۔ اور تمام معاملات میں پوری آزادی کے ساتھ سونے چاندی کے سکوں کے ذریعے لین دین ہوا کرتا تھا اور دوسری دھات کے سکے معمولی قسم کے تبادلے میں استعمال ہوتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں سونے چاندی کے سکے نایاب ہو چکے ہیں اور اس وقت دنیا میں کوئی ایسا ملک یا ایسا شہر نہیں ہے جس میں سونے چاندی کے سکے رائج ہوں۔ اور تمام معاملات اور لین دین میں سونے چاندی کے سکوں کے بجائے علامتی سکے اور کرنسی نوٹ رائج ہیں جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں ہم نے بتایا ہے۔

لہٰذا میری رائے میں موجودہ دور کی علامتی کرنسی نوٹ کے تبادلہ کے مسئلہ میں امام مالکؒ یا امام محمدؒ کا قول اختیار کرنا

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ، جلد ۲۹، ص ۴۷۰۔ [2] نہایۃ المحتاج للرملی ج ۳ ص ۴۱۸، تحفۃ المحتاج لابن حجر ج ۴ ص ۲۰۹

مناسب ہے، اس لیے کہ امام شافعی یا امام ابوحنیفہ، اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔ اور ہر سودی کاروبار اور بین دین کو اس مسئلہ کی آڑ بنا کر اسے جائز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے آسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے گا۔

غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ فقہاء محققین نے ایک سکے کے دو سکوں سے تبادلہ کو جائز قرار دیا ہے۔ ہمارے موجودہ دور میں باحیات ہوتے۔ اور کرنسی کی تبدیلی کا مشاہدہ کرتے، تو وہ ضرور اس معاملے کی حرمت کا فتویٰ دیتے، جس کی تائید بعض متقدمین فقہاء کے قول سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ماوراء النہر کے فقہاء عدالی اور غطارفہ میں کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو حرام قرار دیتے تھے[1] ایسے سکوں کے بارے میں حنفیہ کا اصل مذہب کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے جواز کا تھا کیونکہ ان سکوں میں کھوٹ غالب ہونے کی وجہ سے وہاں چاندی اور کھوٹ میں سے ہر ایک کو مخالف جنس کا عوض قرار دینے کی گنجائش موجود تھی۔ (گویا کہ چاندی کا تبادلہ کھوٹ سے اور کھوٹ کا تبادلہ چاندی سے ہوتا تھا۔ اور یہ تبادلہ خلاف جنس سے ہونے کی بناء پر جائز تھا) لیکن ماوراء النہر کے مشائخ حنفیہ نے ان کھوٹے سکوں میں بھی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو ناجائز قرار دیا۔ اور اس کی علت یہ بیان کی کہ:

انها اعز الاموال فی دیارنا
فلو ابیح التفاضل فیہ
ینفتح باب الربا[2]

ہمارے شہر میں ان سکوں کو بھی بہت معزز مال سمجھا جاتا ہے، اس لیے ان میں کمی زیادتی کو جائز قرار دینے سے سود کا دروازہ کھل جائے گا۔

پھر اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا موازنہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے قول سے کیا جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی بہت معتبر اور راجح معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان سکوں کی ثمنیت ختم کرنے کے بعد ہی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے جواز کا حکم دیا جاتا ہے جبکہ سکوں کی ثمنیت ختم کرنے کا کوئی صحیح مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کے نزدیک سکوں کے حصول سے مقصد اس کی ثمنیت نہ ہو۔ لیکن ان سب سکوں کی اصل دھات تانبا، پیتل اور لوہا مقصود ہو، سکوں کے حصول سے ہر شخص کی غرض اس کی ثمنیت ہوتی ہے (تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی ضروریات خرید سکے، نہ یہ کہ اس سکے کو پگھلا کر کوئی دوسری چیز بنائے) لہٰذا اگر متعاقدین (بائع اور مشتری) سکے کی ثمنیت ختم کرنے پر مصالحت کر لیں تو اس مصالحت کو کمی زیادتی کے تبادلے کو جائز کرنے کے لیے ایک من گھڑت اور مصنوعی حیلہ کہا جائے گا۔ جس کو شریعت قبول نہیں کر سکتی۔ خاص کر موجودہ دور میں اس قسم کے حیلوں کی شرعاً کہاں گنجائش ہو سکتی ہے جبکہ سونے چاندی کے حقیقی اور خلقی سکوں کا پوری دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے اور سود صرف ان مروجہ علامتی نوٹوں ہی میں پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کے نقود نایاب ہوتے ہوتے دنیا بھر سے مفقود ہو چکے ہیں۔

ہاں! امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے قول پر عمل ان فلوس میں متصور ہو سکتا ہے۔ جو بذاتِ خود بحیثیت مادّہ کے مقصود ہوں، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ مختلف ممالک کے سکے اور کرنسی نوٹ اپنے پاس جمع کرتے ہیں۔ اس جمع کرنے سے ان کا مقصد تبادلہ یا بیع یا اس کے ذریعہ منافع حاصل کرنا نہیں ہوتا۔

[1] عدالی اور غطارفہ خاص قسم کے دو سکے تھے جن میں چاندی بہت معمولی ہوتی تھی اور باقی سب کھوٹ ہوتا تھا۔ [2] فتح القدیر، باب الصرف، ج ٥ ص ٣٨٢۔

بلکہ انھیں صرف تاریخی یادگار کے طور پر جمع کرتے ہیں تاکہ آئندہ زمانہ میں جب یہ کرنسی بند ہو جائے تو یہ کرنسی ان کے پاس یادگار کے طور پر باقی رہے۔ بظاہر اس قسم کی کرنسی میں ان دونوں حضرات کے قول پر عمل کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کو جائز کہنے کی گنجائش نکل سکتی ہے، جہاں تک اس کرنسی کا تعلق ہے جس کے حصول کا مقصد تبادلہ اور بیع ہو اس کی ذات مقصود نہ ہو ایسی کرنسی کے معاملے میں نرمی برتنے سے سود کے حصول کا راستہ کھل جائے گا۔ لہٰذا ایسی کرنسی کے تبادلے میں کمی زیادتی کو جائز قرار دینا درست نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بہر حال موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے کمی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں۔

پھر یہ برابری کرنسی نوٹوں کی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے نہیں دیکھی جائے گی بلکہ ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے گی جو اس پر لکھی ہوتی ہے۔ لہٰذا پچاس روپے کے ایک نوٹ کا تبادلہ دس دس روپے کے پانچ نوٹوں کے ذریعہ کرنا جائز ہے۔ اس تبادلہ میں اگرچہ ایک طرف صرف ایک نوٹ ہے، اور دوسری طرف پانچ نوٹ ہیں۔ لیکن ظاہری قیمت کے لحاظ سے ان پانچ نوٹوں کے مجموعے کی قیمت پچاس روپے کے برابر ہے، اس لیے کہ یہ نوٹ اگرچہ عددی ہیں لیکن ان نوٹوں کے آپس میں تبادلہ اور بیع کرنے سے بذات خود وہ نوٹ یا ان کی تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی وہ ظاہری قیمت مقصود ہوتی ہے جس کی وہ نوٹ نمائندگی کرتا ہے لہٰذا مساوات اس قیمت میں ہونی چاہیے۔

نوٹوں کے بارے میں یہ مسئلہ بعینہ فلوس کے سکوں کی طرح ہے۔ سکے اصلاً دھات کے ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں لیکن فقہاء نے انھیں عددی قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان فلوس کے حصول سے ان کی ذات یا دھات یا تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ قیمت مقصود ہوتی ہے جس کی وہ نمائندگی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بڑا سکہ جس کی قیمت دس فلس ہو اس کا تبادلہ ایسے دس چھوٹے سکوں سے کرنا جائز ہے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک فلس ہے اور اس کے وہ فقہاء بھی جواز کے قائل ہیں جو ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ کرنا ناجائز کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں ایک سکے کی قیمت بعینہ وہی ہے جو دس سکوں کی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ دس فلس کا سکہ اگرچہ بظاہر ایک ہے لیکن حکماً وہ ایک ایک فلس کے دس سکے ہیں۔ لہٰذا وہ دس واقعی سکوں کے مساوی ہے۔ بعینہ یہی حکم ان کرنسی نوٹوں کا ہے کہ ان میں بھی ظاہری عدد کا اعتبار نہیں۔ اس عدد گنتی کا اعتبار ہے جو ان کی قیمت (FACE VALUE) سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں مساوات ضروری ہے۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

پھر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں۔ اس لیے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا تھا موجودہ دور کے سکے اور کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات ان کا مادہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ آج کے دور میں کرنسی قوت خرید کے ایک مخصوص معیار سے عبارت ہے اور ہر ملک نے چونکہ الگ معیار مقرر کیا ہوا ہے۔ مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکہ میں ڈالر، لہٰذا یہ معیار ملکوں کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، اس وجہ سے کہ ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کے اشاریہ اور اس کی درآمدات و برآمدات وغیرہ کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کوئی ایسی مادی چیز موجود نہیں ہے جو ان مختلف معیارات کے

درمیان کوئی پائیدار تناسب قائم رکھے۔ بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر و اختلاف کی وجہ سے اس تناسب میں ہر روز بلکہ ہر گھنٹے تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے لہٰذا ان مختلف ممالک کی کرنسیوں کے درمیان کوئی ایسا پائیدار تعلق نہیں پایا جاتا جو ان سب کو جنس واحد بنا دے۔

اس کے برخلاف ایک ہی ملک کی کرنسی اور سکوں میں یہ بات نہیں۔ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے وہ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اس اختلاف کا تناسب ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ مثلاً پاکستانی روپیہ اور پیسہ، اگرچہ یہ دونوں مختلف قیمت کے حامل ہیں لیکن دونوں کے درمیان جو ایک اور سو کی نسبت ہے (کہ ایک پیسہ ایک روپیہ کا سواں حصہ ہوتا ہے) روپیہ کی قیمت بڑھنے اور گھٹنے سے اس نسبت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ بخلاف پاکستانی روپیہ اور سعودی ریال کے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی ایسی معین نسبت موجود نہیں جو ہر حال میں برقرار رہے۔ بلکہ ان کے درمیان نسبت ہر وقت بدلتی رہتی ہے[1]

لہٰذا جب ان کے درمیان کوئی ایسی معین نسبت جو جنس ایک کرنے کے لیے ضروری تھی نہیں پائی گئی تو تمام ممالک کی کرنسیاں آپس میں ایک دوسرے کے لیے مختلف الاجناس ہو گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نام ان کے پیمانے اور ان سے گنی جانے والی اکائیاں (ریزگاری وغیرہ) بھی مختلف ہوتی ہیں۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہو گئیں تو ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے لہٰذا ایک ریال کا تبادلہ ایک روپے سے بھی کرنا جائز ہے، پانچ روپے سے بھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو اس لیے کہ جب ان کے نزدیک ایک ہی ملک کے سکے کا تبادلہ دو سکوں سے کرنا جائز ہے۔ تو مختلف ممالک کے سکوں کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموال ربویہ میں سے ہے لیکن اموال ربویہ میں جب جنس بدل جائے تو ان کے نزدیک بھی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ایک فلس کا دو فلسوں سے تبادلہ اس لیے ناجائز تھا کہ وہ سکے آپس میں بالکل برابر اور ہم مثل تھے جس کی بنا پر تبادلہ کے وقت ایک سکہ بغیر عوض کے خالی رہ جاتا تھا لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی بنا پر ہم مثل اور برابر نہ رہیں۔ اس لیے ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصہ کو خالی عن العوض نہیں کہا جائے گا اور جب خالی عن العوض نہیں تو کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بھی جائز ہے۔

لہٰذا ایک سعودی ریال کا تبادلہ ایک سے زائد پاکستانی روپیوں سے کرنا جائز ہے۔

اب یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ بعض اوقات حکومت مختلف کرنسیوں کی قیمت مقرر کر دیتی

---

[1] کسی زمانہ میں ایک اور تین کی نسبت تھی۔ اس وقت ایک ریال تین روپے کے برابر تھا۔ پھر ریال کی قیمت بڑھ جانے سے ایک اور چار کی نسبت ہو گئی تھی۔ اور اب تقریباً ایک اور پانچ کی نسبت ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کرنسیوں کے درمیان ایسی کوئی معین نسبت موجود نہیں ہے جو ہمیشہ ایک حالت پر برقرار رہے۔ بالکل یہی حال دنیا کے ہر دو ملکوں کی مختلف کرنسیوں کا ہے۔

ہے۔ مثلاً اگر حکومت پاکستان ایک ریال کی قیمت چار روپے اور ایک ڈالر کی قیمت پندرہ روپے مقرر کر دے تو کیا اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے؟ مثلاً کوئی شخص ایک ڈالر بجائے ۱۵ روپے کے بیس روپے میں بیچ دے تو اس زیادتی کو سود کہا جائے گا یا نہیں؟ میرے نزدیک حکومت کے مقرر کردہ بھاؤ کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ کرنے میں سود لازم نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ دونوں کرنسیاں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں اور مختلف الاجناس کے تبادلہ میں کمی زیادتی جائز ہے، اور اس کمی زیادتی کی شرعاً کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ یہ فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے جس کی تفصیل ہم نے پہلے بیان کر دی۔ البتہ اس پر "تسعیر" (نرخ مقرر کرنے) کے احکام جاری ہوں گے۔ لہٰذا جن فقہاء کے نزدیک اشیاء میں تسعیر جائز ہے کرنسی میں بھی جائز ہوگا۔ اور لوگوں کے لیے اس حکم کی مخالفت درست نہ ہوگی۔ ایک تو اس لیے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں ان میں حکومت کی اطاعت واجب ہے (شرح السیر الکبیر للسرخسی ج ۱ ص ۹۶، و رد المحتار ج ۱ ص ۷۰، ایضاً ج ۱ ص ۹۴) دوسرے اس لیے کہ جو شخص جس ملک میں قیام پذیر ہوتا ہے وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ پر مجبور نہیں کریں گے وہ ان قوانین کی ضرور پابندی کرے گا۔ لہٰذا ان قواعد کے پیش نظر اس کے لیے حکومت کے اس حکم کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن دوسری طرف اس زیادتی کو سود کہہ کر حرام کہنا بھی درست نہیں۔

بغیر قبضے کے کرنسی کا تبادلہ پھر ایک ہی ملک کے کرنسی نوٹوں کے درمیان تبادلے کے وقت اگرچہ کمی زیادتی تو جائز نہیں، لیکن یہ "بیع صرف" بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کرنسی نوٹ خلقۃً ثمن نہیں ہیں بلکہ یہ ثمن عرفی یا اصطلاحی ہیں اور بیع صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونے چاندی) میں جاری ہوتے ہیں۔ اس لیے مجلس عقد میں دونوں طرف سے قبضہ شرط نہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک کم از کم ایک طرف سے قبضہ پایا جانا ضروری ہے، اس کے بغیر یہ معاملہ درست نہ ہوگا اس لیے کہ ان دونوں اماموں کے نزدیک سکے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور تعیین بغیر قبضے کے نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر بغیر قبضے کے متعاقدین جدا ہو گئے تو ان کی جدائی اس حالت میں ہوگی کہ ہر فریق کے ذمے دوسرے کا دین ہوگا۔ (اور بیع الدین بالدین لازم آجائے گی) جو جائز نہیں ہے۔[1] البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ ان کی تعیین کے لیے قبضہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک اگر کسی ایک فریق نے بھی نوٹ متعین کر دیے (کہ معاملہ خاص انہی نوٹوں پر ہوا ہے) تو پھر قبضہ عقد کی صحت کے لیے شرط نہیں ہوگا۔[2]

اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ تاجروں اور عام لوگوں میں اس کا رواج ہے کہ وہ ایک ملک کی کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ تم اس کے بدلے میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ پر دینا۔ مثلاً زید عمرو کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال دے اور یہ کہے کہ تم اس کے بدلے مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپے دے دینا تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع میں بیع کے وقت ثمن

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار، ج ۴ ص ۱۸۳-۱۸۴۔

[2] المغنی لابن قدامہ، باب الصرف، ج ۴ ص ۱۶۹۔

کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں۔ لہٰذا جب جنسیں مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

واذا اشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع۔ فالبيع جائز لان الفلوس الرائجة ثمن كالنقود وقد بينا ان حكم العقد فی الثمن وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها فی ملك بائعها لصحة العقد كما لا يشترط ذلك فی الدراهم والدنانير۔

اگر کسی شخص نے دراہم کے بدلے فلوس خریدے اور اس نے دراہم بائع کو دے دیئے لیکن بائع کے پاس اس وقت فلوس موجود نہیں تھے تو یہ بیع درست ہو جائیگی اس لیے کہ مروجہ سکے ثمن کے حکم میں ہوتے ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ثمن پر عقد کرنے کا حکم یہ ہے کہ وہ ثمن (مشتری کے ذمے) واجب بھی ہو جائے، اور موجود بھی ہو لیکن ثمن کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں، جس طرح دراہم اور دینار کی بیع کے وقت ان کا ملک میں ہونا ضروری نہیں۔

(مبسوط ج ۱۴ ص ۲۴)

لہٰذا اس صورت میں یہ بیع بثمن مؤجل ہو جائے گی جو اختلاف جنس کی صورت میں جائز ہے۔

اور اس معاملے کو "بیع سلم" میں بھی داخل کر سکتے ہیں۔ اور اکثر فقہاء فلوس میں "بیع سلم" کو جائز بھی قرار دیتے ہیں اس لیے کہ سکے ایسے غیر متفاوت عددی ہیں جو وزن اور صفت وغیرہ بیان کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو ایک فلس کی بیع دو فلسوں سے ناجائز کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سکوں میں "بیع سلم" جائز ہے۔ (فتح القدیر، ج ۵ ص ۳۲۷)۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی عددی اشیاء جن میں تفاوت اور نمایاں فرق نہ ہو، ان میں "بیع سلم" جائز ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۴ ص ۳۲۷)

البتہ اس عقد کو "بیع سلم" میں داخل کرنے کی صورت میں ان شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا، جو مختلف فقہاء نے اپنے اپنے مسالک کے مطابق "بیع سلم" کے جواز کے لیے لگائی ہیں جو کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ [۱]

آج کل دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس چونکہ کرنسی پر ہے اور نوٹ کی قانونی حیثیت مختلف ادوار میں تبدیل ہوتی رہی ہے اس لیے اس کا شرعی حکم بھی تبدیل ہوتا رہے گا مثلاً جب نوٹ کی پشت پر سونے کی ضمانت تھی اس وقت نوٹ سونے کے حکم میں تھا اور کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی تھی جب وہ سونے کے نصاب کے برابر ہوتے غالباً یہی وجہ ہے کہ چند برس پہلے مصری علماء نے یہ لکھا تھا کہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ بیس دینار شرعی کے برابر ہوں اور ایک دینار شرعی کی قیمت ۲۵ء۴ گرام سونے کے برابر ہے۔ [۲] نیز مصری علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ بینک نوٹ میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ نوٹ ایک ہزار گنیوں (سونے کی

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی، ستمبر ۱۹۸۸ء نومبر ۱۹۸۸ء

[۲] الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۸ ص ۲۴۷، ۲۸۴، مطبوعہ القاہرہ ۱۹۸۲ء۔

اشرفیوں) کے برابر ہو جائیں [1] اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے لکھا ہے کہ بینک نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ ۸۵ گرام سونے (ہماری تحقیق کے مطابق ۴۸ء۸۰ گرام سونے) کے برابر ہوں [2]

نوٹ کا یہ شرعی حکم اس وقت تھا جب بینک نوٹ کی پشت پر سونا تھا اور نوٹ کو سونے میں تبدیل کرنا بینک کے لیے عملاً ممکن تھا، لیکن ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء سے جب نوٹ کی یہ حیثیت ختم ہو گئی اور بینک کے لیے نوٹ کو سونے سے تبدیل کرنا ممنوع ہو گیا اور اب نوٹ کی حیثیت صرف "زر اعتباری" رہ گئی ہے تو اب اس کا سابق حکم تبدیل ہو گیا اب نوٹ سونے کے حکم میں نہیں ہے اور سامانِ تجارت کی طرح ہے اور اب سونے یا چاندی کے جس نصاب کو بھی نوٹ کی قیمت پہنچ جائے اس حساب سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی "تادم تحریر نوٹ کے بارے میں ہماری یہی تحقیق ہے اور اگر نوٹ کی قانونی حیثیت مستقبل میں کوئی اور صورت اختیار کرے تو نوٹ کا شرعی حکم حالات کے اعتبار سے تبدیل ہو جائے گا۔

نوٹ کے عوض نوٹ کی کمی اور بیشی کے ساتھ جواز بیع کے اہم دلائل کا جائزہ

نوٹ کے بدلہ نوٹ کی زیادتی کے ساتھ بیع کے جواز پر

ایک یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں ہے اور عددی چیز میں احناف کے نزدیک زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہے۔ جیسے ایک انڈا کے بدلہ میں دو انڈوں کی بیع جائز ہے، اسی طرح دس کے ایک نوٹ کی دس کے دو نوٹوں کے عوض بیع جائز ہے۔

یہ دلیل اپنے تمام مقدمات کے ساتھ باطل ہے اولاً تو یہ مفروضہ غلط ہے کہ نوٹ عددی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے نہیں ہے۔ حقیقت میں نوٹ وزنی چیز ہے اور اموال ربویہ میں سے ہے کیونکہ نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور کاغذ وزنی ہے۔ کاغذ جتنے گرام کا ہوتا ہے اس کی قیمت اسی حساب سے مقرر کی جاتی ہے۔ ہم نے آج ۱۹ جنوری ۱۹۸۹ء کو کراچی پیپر مارکیٹ سے آفسٹ پیپر مارکیٹ کے نرخ معلوم کیے جن کی قیمت ان کے وزن کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

۲۰×۳۰	۴۵ گرام	۲۵۰ روپیہ رم
۲۶×۳۴	۵۵ گرام	۴۳۰ روپیہ رم
۲۰×۳۲	۵۶ گرام	۳۴۵ روپیہ رم
۲۰×۳۰	۵۶ گرام	۲۹۰ روپیہ رم
۲۳×۳۶	۵۶ گرام	۳۹۶ روپیہ رم
۲۶×۳۴	۵۶ گرام	۴۳۵ روپیہ رم
۳۰×۴۰	۵۶ گرام	۵۸۰ روپیہ رم
۲۰×۳۰	۶۳ گرام	۳۲۰ روپیہ رم
۲۰×۳۰	۶۸ گرام	۳۵۰ روپیہ رم

[1] الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۱ ص ۱۱، مطبوعہ القاہرہ، ۱۹۸۰ء۔
[2] فقہ السنۃ ج ۱ ص ۲۷۷، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۱ھ۔

۳۶ ، ۲۳	۲۸ گرام	۴۸۰	روپیہ	رم
۳۲ ، ۲۶	۲۸ گرام	۵۲۰	روپیہ	رم
۴۰ ، ۳۰	۲۸ گرام	[illegible]	روپیہ	رم

ان تمام صورتوں میں کاغذ کی تعداد ایک رم ہے لیکن قیمتوں کا اختلاف رم میں کمی و بیشی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ سائز اور وزن کے اختلاف کے اعتبار سے قیمتوں میں اختلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ کی خرید و فروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک انہی چیزوں میں سود کا اعتبار کیا جاتا ہے جن کی خرید و فروخت پیمائش اور وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے بلکہ کاغذ حقیقت میں اموال ربویہ میں سے ہی ہے۔ اور کاغذ کو اموال ربویہ سے شمار نہ کرنا محض لاعلمی ہے۔

درحقیقت نوٹ فلوس کی طرح ہیں جس طرح فلوس کی اصل تانبہ اور پیتل ہے اور ان کو عددیت عارض ہے اسی طرح نوٹ کی اصل کاغذ ہے اور اس کو عددیت عارض ہے اور جس طرح تانبہ اور پیتل اموال ربویہ سے ہیں اسی طرح کاغذ بھی اموال ربویہ سے ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فلوس (پیسوں) میں ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بغیر تعیین کے ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ از روئے حدیث حرام ہے۔ اور تعیین صرف قبضہ سے ہوتی ہے (مبسوط ج ۱۴ ص ۳) اور جب یہ بیع ادھار کی جائے گی تو بیع کے وقت دوسرے عوض پر قبضہ نہیں ہوگا اور سود کو حلال کرنے کے لیے اس بیع میں ادھار کا ہونا ضروری ہے۔ پس مجوزین ربوٰا کا مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ جب ایک نوٹ کی دو نوٹوں کے عوض ادھار بیع ہوگی تو دونوں جانب سے نوٹ متعین نہیں ہوں گے اور اس صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع ناجائز اور حرام ہے (ہدایہ اخیرین ص ۸۲-۸۱ مطبوعہ ملتان) و (فتح القدیر ج ۶ ص ۱۶۳ مطبوعہ سکھر)

نیز اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ نوٹ کی نوٹ کے عوض کمی اور بیشی سے بیع جائز ہے تو ایک اعتراض یہ لازم آئے گا کہ جو شخص مثلاً سو روپیہ کے نوٹ کے عوض سو روپے کے دو نوٹ خرید رہا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ تم یہ بیع بحیثیت ثمن کر رہے ہو یا تم کو محض کاغذ کے اتنے بڑے دو ٹکڑے لینا مطلوب ہیں۔ اگر وہ یہ بیع بحیثیت ثمن کر رہا ہے تو اس کا سود ہونا واضح ہے اور اگر وہ محض کاغذ کے دو ٹکڑے لینا چاہتا ہے اور ثمن مطلوب نہیں ہے تو وہ نوٹ لینے پر کیوں اصرار کرتا ہے، اتنے سائز کے یا اس سے بڑے دو اور کاغذ کیوں نہیں لے لیتا!

بیع عینہ کے تجزیہ سے سود کو جائز کرنے کا ایک حیلہ

اگر کوئی شخص سود لیے بغیر کسی کو قرض نہ دینا چاہتا ہو تو بعض علماء نے سود سے بچنے کے لیے اس کی بیع عینہ کی طرف رہنمائی کی ہے تاکہ اس کو قرض کے بدلہ میں اضافی منفعت بھی حاصل ہو جائے اور یہ اضافی منفعت سود بھی نہ کہلائے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض فقہاء کی کتابوں میں یہ حیلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً زید، عمرو سے ایک ماہ کے لیے سو روپیہ قرض مانگے اور عمرو بغیر سود لیے اس کو قرض نہ دینا چاہتا ہو تو اس صورت میں جائز طریقے سے سود لینے کا حیلہ یہ ہے کہ عمرو سو روپیہ کی کوئی چیز اس کو ایک ماہ کے ادھار پر ڈیڑھ سو روپیہ میں فروخت کر دے اور دوبارہ وہی چیز اس سو روپیہ میں نقد خرید لے، اس طرح زید کو فی الفور ایک سو روپیہ مل جائے گا اور عمرو کو اس سو روپیہ کے عوض

ایک ماہ بعد ڈیڑھ سو روپیہ مل جائے گا۔ اس طرح عمرو جو اپنے سو روپے پر ایک ماہ کی مدت کے عوض پچاس روپیہ سود لینا چاہتا تھا اس کو اب وہ سود بیع کے عنوان سے مل جائے گا اور اس پر سود لینے کا الزام بھی نہیں آئے گا۔ لیکن امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد نے بیع عینہ کو حرام قرار دیا ہے، امام محمد نے اس کو سود خوروں کا من گھڑت حیلہ قرار دیا ہے اور اس کی بہت مذمت کی ہے، صرف امام شافعی اور امام ابو یوسف نے اس کو جائز کہا ہے لیکن یہ ان کی اجتہادی خطاء ہے جیسا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا۔

بعض معاصر علماء نے بیع عینہ کے اس حیلہ کی بناء پر بینک کے تمام مروجہ سودی کھاتوں کو جائز قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس مروجہ سود کو جائز کرنے کے لیے صرف اتنی ترمیم کر لی جائے کہ حکومت اپنی ایجنسیوں (اپنے بینکوں) کے ذریعہ مختلف مالیت کے سرٹیفکیٹ خریداروں کو مال کے طور پر ان کی "FACE VALUE" پر بیچے گی اور فروخت کے وقت ہی ان سے اضافی قیمت پر واپسی خرید کا معاہدہ کرے گی کہ اگر تم اس مال کو ایک سال کے بعد مجھے بیچنا چاہو تو میں اسے اس قدر اضافی قیمت پر خریدنے کو تیار ہوں۔ دو سال بعد اتنی اضافی قیمت پر اور اس طرح دس سال کے بعد اس اضافی قیمت پر ـــــ (ربا سود بینک کاری ص ۱۰۱)

اور یہ درحقیقت سود ہی کی صورتیں ہیں۔

بیع عینہ کی تحقیق

بعض علماء نے سود سے بچنے کے لیے بیع عینہ کی رہنمائی کی اور بیع عینہ کی روشنی میں نوٹ کی کمی و بیشی سے نقد اور ادھار بیع کو جائز کہا۔ ہمارے نزدیک نوٹ کی کمی و بیشی سے خرید و فروخت بعینہٖ سود ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس قدر سود پر اپنے غضب کا اظہار فرمایا ہے وہ کسی اور گناہ پر نہیں فرمایا اور جو لوگ سودی کاروبار سے نہیں رکتے انھیں فرمایا ہے کہ وہ اللہ اور رسول سے اعلان جنگ قبول کر لیں! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے کے عمل کو اپنی ماں کے ساتھ کعبہ میں ستر بار زنا کے برابر قرار دیا ہے۔ اور بیع عینہ سے سود کا دروازہ کھلتا ہے اور ہم شرح صدر سے بیع عینہ کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں اور چونکہ بعض معاصر علماء نے بیع عینہ کو جائز کہہ کر سود کا دروازہ کھول دیا اس لیے ہم پر شرعی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو قرآن اور حدیث کا علم دیا ہے اس کی روشنی میں بیع عینہ کا حکم واضح کریں اور اس مسئلہ میں مداہنت اور نفاق سے بچیں۔ پس اب ہم بیع عینہ کی تفصیل اور تحقیق بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو صحیح حکم القاء کرے اور حق و صواب پر ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔

عینہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: ایک شخص کسی شخص کو کوئی چیز اس کی معروف قیمت کے عوض مدت معینہ کے ادھار پر فروخت کرے پھر اس شخص سے اسی چیز کو قیمت فروخت سے کم قیمت پر خرید لے، یہ عینہ ہے۔[1]

علامہ زبیدی نے لکھا ہے عینہ بالکسر ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۲۹۱ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ)۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس کو عینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں عین دائن کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴ مطبوعہ سکھر)۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی بیع عینہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک شخص کسی تاجر سے مثلاً دس روپے

---

[1] علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۳ ص ۳۳۲ - ۳۳۳، مطبوعہ مؤسسۃ اسماعیلیان قم ایران، ۱۳۶۴ھ۔

قرض مانگتا ہے وہ انکار کرتا ہے پھر اس کو مثلاً پندرہ روپے میں (مدت معینہ کے ادھار پر) ایک ایسا کپڑا فروخت کرتا ہے جس کی معروف قیمت دس روپے ہے تاکہ قرض لینے والا وہی کپڑا اس کو دس روپے میں فروخت کر دے اور اس کو پانچ روپیہ زیادہ مل جائیں۔ اس کو عینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قرض دینے سے عین کی طرف اعراض ہے، یہ بیع مکروہ ہے[1]

علامہ ابن ہمام نے بیع عینہ کی ایک اور صورت بھی ذکر کی ہے جس میں واسطہ کا دخل ہے۔ ایک شخص مثلاً زید مدت معینہ کے ادھار پر اپنی ایک چیز دو ہزار روپوں میں مقروض کو فروخت کر دیتا ہے۔ پھر ایک تیسرا شخص اسی چیز کو مقروض سے ایک ہزار میں خرید کر اس چیز پر قبضہ کر لیتا ہے، پھر تیسرا شخص وہ چیز بائع اول (زید) کو ایک ہزار میں فروخت کر دیتا ہے۔ اور تیسرے شخص نے جو ایک ہزار نقد مقروض کو دیئے تھے وہ ان ایک ہزار روپوں کو بائع اول (زید) کے حوالے[3] کر دیتا ہے۔ بائع اول مقروض کو ایک ہزار روپیہ نقد دیتا ہے اور مدت معینہ کے بعد اس سے دو ہزار وصول کر لیتا ہے[2] علامہ ابن ہمام نے ان دونوں قسموں کو مکروہ لکھا ہے۔

بیع عینہ کی حرمت میں احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام ابوداؤد سجستانی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اذا تبايعتم بالعينة واخذتم اذناب البقر ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا الى دينكم[4]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیلوں کی دُمیں پکڑ کر زراعت پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس کو اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف رجوع نہیں کرو گے!

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عینہ کرنے پر ذلت کی وعید سنائی ہے اور اس کو دین سے پھرنے کے ساتھ تعبیر فرمایا اور یہ بیع عینہ کی حرمت کی واضح دلیل ہے۔ اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ زراعت کرنے پر بھی یہ وعید ہے پھر چاہیے کہ وہ بھی ممنوع ہو جائے حالانکہ وہ ممنوع نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زراعت پر بھی راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں اس قدر اشتغال ہو جائے کہ لوگ جہاد کو چھوڑ دیں[5] اور اس تاویل کی اس لیے ضرورت ہے کہ دوسری احادیث سے زراعت کا جواز اور استحسان ثابت ہے۔ برخلاف بیع عینہ کے اس میں اس

---

[1] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۳۵، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ۔

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] یہاں حوالے سے مراد فقہی حوالہ ہے یعنی تیسرا شخص مقروض سے کہتا ہے کہ اس چیز کی قیمت بائع اول یعنی زید ادا کرے گا۔ اور بائع اول اس کو قبول کر لیتا ہے۔ منہ

[4] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[5] علامہ ابن ہمام نے بھی یہ توجیہہ کی ہے (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴)۔ منہ الطبع الخامس ۱۴۰۵ھ

تاویل کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ اس کا استحسان دوسری احادیث سے ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس اس کی ممانعت میں بکثرت احادیث ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن عطاء عن ابن عمر قال نهی عن العینة[1]

عطاء کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیع عینہ سے منع فرمایا۔

عن الحکم عن مسروق قال: العینة حرام[2]

حکم کہتے ہیں کہ مسروق نے کہا کہ عینہ حرام ہے۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس یقول اذا بعتم السرق من سرق الحریر بنسیئة فلا تشتروه[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تم ریشم کے ٹکڑوں میں سے کوئی ٹکڑا ادھار فروخت کرو تو اس کو مت خریدو۔

یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے[4]

عن طاؤس قال من اشتری سلعة بنظرة من رجل فلا یبیعها ایاه، ومن اشتری بنقد فلا یبیعها ایاه بنظرة۔[5]

طاؤس کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خریدی وہ اس شخص کو وہ چیز نہ فروخت کرے اور جس شخص نے کوئی چیز نقد خریدی وہ اس شخص کو وہ چیز ادھار فروخت نہ کرے۔

عن معمر قال سألت حمادا عن رجل اشتری من رجل سلعة هل یبیعها منه قبل ان ینقده ابو ضیعة قال: لا وکرهه حتی ینقده۔[6]

معمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے پوچھا ایک شخص نے کسی شخص سے کوئی چیز خریدی کیا وہ اس چیز کی قیمت ادا کرنے سے پہلے کچھ کم پر اس شخص کو وہ چیز فروخت کر سکتا ہے؟ حماد نے کہا نہیں! اور قیمت ادا کرنے سے پہلے اس کو مکروہ قرار دیا۔

عن ابی اسحاق عن امرأته قالت: سمعت امرأة ابی السفر تقول سألت عائشة

ابو اسحاق کی بیوی بیان کرتی ہیں کہ ابو السفر کی بیوی نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

---

[1] ۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاول ۱۴۰۶ھ

[2] ۔ ″ ″ ″ ″ ، المصنف ج ۶ ص ۴۷

[3] ۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبع الاول ۱۳۹۲ھ

[4] ۔ علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام الدین برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۳ مطبوعہ موسستۃ الرسالۃ بیروت

[5] ۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت الطبع الاول ۱۳۹۲ھ

[6] ۔ ″ ″ ″ ″ ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۶

فقلت بعت زید بن ارقم جاریۃ الی العطاء بثمان مائۃ درھم وابتعتھا منہ بست مائۃ (رقی روایۃ اخری لعبد الرزاق فنقدتہ الست مائۃ۔ سعیدی) فقالت لھا عائشۃ: بئس ما شتریت! او بئس ما اشتری، ابلغی زید بن ارقم انہ قد ابطل جھادہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان یتوب قالت: افرایت ان اخذت راس مالی، قالت لا باس من جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف [۱]

پوچھا کہ میں نے وظیفہ ملنے تک کے ادھار پر آٹھ سو درہم کے عوض ایک باندی حضرت زید بن ارقم کو فروخت کی اور چھ سو درہم نقد دے کر وہ لونڈی ان سے خرید لی، حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے بری چیز خریدی یا فرمایا زید بن ارقم نے بری چیز خریدی، تم زید بن ارقم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا اس کو باطل کر دیا، الا یہ کہ وہ اس سے توبہ کریں، میں نے کہا یہ بتلائیے کہ اگر میں اپنی اصل رقم واپس لے لوں تو؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس شخص کے پاس نصیحت پہنچ گئی اور وہ (سود سے) باز آگیا تو اس نے جو پہلے لیا ہوا ہے وہ اس کا ہو چکا۔

یہ حدیث سنن بیہقی [۲] اور کنز العمال میں بھی ہے [۳] اور امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام مالک نے اس سے بیع عینہ کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔ (حوالے عنقریب آرہے ہیں)۔

بیع عینہ میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: بیع عینہ ممنوع نہیں ہے، اس کے بعد بیع عینہ کی تعریف کرتے ہیں: ایک شخص دوسرے شخص کو کوئی چیز ادھار فروخت کرے اور وہ چیز اس کو دے دے، پھر اس سے قیمت وصول کرنے سے پہلے کم قیمت نقد دے کر وہ چیز اس سے خرید لے [۴]

روضۃ الطالبین کے فاضل محشی شوافع کا رد کرتے ہوئے مسند احمد اور سنن ابو داؤد کے حوالے سے حضرت ابن عمر کی وہ روایت ذکر کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عینہ پر ذلت کی وعید سنائی ہے پھر لکھتے ہیں یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عینہ حرام ہے، نیز امام اوزاعی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ وہ ریشم کو ٹکڑے کی بیع کے ذریعہ سود کو حلال کریں گے اس سے آپ کی مراد عینہ تھی۔ نیز حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ یہ یعنی عینہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

---

[۱] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۱۸۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ

[۲] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۳۳۱۔ ۳۳۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[۳] علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۱۹۵، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، الطبع الخامس ۱۴۰۵ھ

[۴] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین ج ۳ ص ۴۱۷۔ ۴۱۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

عینہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ دھوکا نہیں کھاتا، یہ وہ چیز ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کر دیا ہے، اس حدیث کو حافظ محمد عبد اللہ کوفی نے کتاب البیوع میں روایت کیا ہے، نیز جب حضرت زید بن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں نے زید کو آٹھ سو درہم کے ادھار پر ایک غلام فروخت کیا اور پھر نقد چھ سو درہم سے کو خرید لیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: زید کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے ہوئے جہاد کو باطل کر دیا الا یہ کہ تم توبہ کرو۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔ ان احادیث میں اس بات کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عینہ کو حرام کر دیا، اسی وجہ سے حضرت عائشہ نے فرمایا زید کا جہاد باطل ہو گیا، لیکن حضرت زید بن ارقم اس لیے معذور تھے کہ انھیں اس کی حرمت کا علم نہیں تھا، اسی لیے حضرت عائشہ نے فرمایا ان تک یہ پیغام پہنچا دو فاضل محشی لکھتے ہیں پس یہ صحابہ یعنی حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک اور اسی طرح حضرت ابن عمر، بیع عینہ کو حرام کہتے ہیں، اور ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی بیع عینہ کو جائز کہا ہو، بلکہ مدینہ منورہ اور کوفہ کے فقہاء تابعین بھی اس کو حرام کہتے ہیں اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے لاعلمی کی وجہ سے بیع عینہ کا ارتکاب کیا تھا۔ ؎١

امام ابو بکر بیہقی شافعی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی فرماتے ہیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وظیفہ ملنے تک کے ادھار کی مذمت کی تھی کیونکہ یہ مدت مجہول ہے اور اس کو ہم بھی ناجائز کہتے ہیں، یہ بات نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے بیع عینہ کا رد کیا تھا اور جب صحابہ کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو ہم اس قول پر عمل کرتے ہیں جو قیاس کے قریب ہو، اور قیاس کے مطابق حضرت زید بن ارقم کا قول ہے، کیونکہ حضرت زید بن ارقم بیع عینہ کو حلال نہ سمجھتے تو یہ بیع نہ کرتے ؎٢ (ہونا یہ چاہیے کہ اختلاف صحابہ کے وقت اس صحابی کے قول پر عمل کیا جائے جو حدیث رسول کے مطابق ہو۔ سعیدی)

علامہ ابن ترکمانی حنفی امام شافعی کے اس جواب کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اس حدیث کے ثبوت میں تردد کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عالیہ (اس حدیث کی راویہ) معروف ہے اس کا خاوند اور بیٹا دونوں معروف ہیں، دونوں امام ہیں اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے مطابق امام ثوری، امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک، امام ابن حنبل اور حسن بن صالح کا مذہب ہے اور استذکار میں ہے کہ شعبی، حکم اور حماد بھی بیع عینہ سے منع کرتے تھے۔

رہا امام شافعی کا دوسرا اعتراض کہ "وظیفہ کی وصولیابی تک" مدت مجہول ہے اور اس وجہ سے حضرت عائشہ نے اس بیع کی مذمت کی تھی، سو اس کے جواب میں علامہ ابن ترکمانی حنفی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وظیفہ کی وصولیابی تک بیع کو جائز قرار دیتی تھیں۔

؎١ - حاشیۃ روضۃ الطالبین ج ۳ ص ۴۱۹ - ۴۱۶ ملخصا، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۵ھ۔

؎٢ - امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۳۳۱ - ۳۳۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے کہ امہات المؤمنین وظیفہ کی وصولیابی تک ادھار پر اشیاء خریدتی تھیں۔ ابوبکر رازی نے کہا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے پہلے عقد (یعنی وظیفہ کی ادائیگی تک کے ادھار پر جو بیع کی تھی) کا کیوں انکار کیا حالانکہ وہ ان کے نزدیک صحیح تھا، تو ہم یہ کہیں گے کہ حضرت عائشہ کو یہ علم تھا کہ ابو السفر کی زوجہ نے اس پہلی بیع کے سبب سے دوسری بیع کا قصد کیا تھا جیسا کہ لوگ (بیع عینہ میں) کرتے ہیں، اور جب ابو السفر کی بیوی نے کہا یہ بتلائیے کہ اگر میں صرف اپنا اصل مال لے لوں تو؟ اور حضرت عائشہ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی "فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف" تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ پہلا عقد باقی تھا اور حضرت عائشہ نے انکار دوسرے عقد کا کیا تھا اور اگر وہ وظیفہ کی وصولیابی تک ادھار کی وجہ سے پہلے عقد کا انکار کرتیں جیسا کہ امام شافعی کا زعم ہے کہ تو پہلا عقد باقی نہ رہتا اور پھر اس آیت کے پڑھنے کی کوئی وجہ نہ تھی)۔ [1]

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ علامہ طیبی نے امام شافعی کے جواب میں کہا ہے کہ وظیفہ کی وصولیابی کی مدت کا مجہول ہونا ممنوع ہے، کیونکہ سپاہیوں کو وظیفہ سال میں ایک یا دو بار ملتا ہے اور اس کی مدت زیادہ تر معین ہوتی ہے اور حضرت زید بن ارقم کے فعل کا قیاس کے مطابق ہونا مشکل ہے علاوہ ازیں حضرت عائشہ کا قول حضرت زید کے فعل پر راجح ہے کیونکہ حضرت عائشہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عینہ پر وعید سنائی ہے (اس کو ہم پہلے سنن ابو داؤد اور مسند احمد کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں)۔ [2]

بیع عینہ میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے ادھار قیمت پر ایک چیز فروخت کی، پھر اس چیز کو کم قیمت پر نقد خرید لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہے، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حسن بصری، ابن سیرین، شعبی اور نخعی سے یہی مروی ہے ابو الزناد، ربیعہ، عبد العزیز بن ابی سلمہ، ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، اسحاق اور اصحاب رائے (فقہاء احناف) کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے کیونکہ یہ ایک ثمن ہے جس کے عوض بائع کے غیر کے ساتھ بیع ہو سکتی ہے اسی طرح بائع کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے نیز جب بائع اس کو قیمت فروخت کے برابر قیمت پر خرید سکتا ہے تو اس سے کم قیمت پر بھی خرید سکتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ ابو اسحاق کی زوجہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت زید بن ارقم کی ام ولد اور ان کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، حضرت زید بن ارقم کی ام ولد نے حضرت عائشہ سے کہا میں نے حضرت زید بن ارقم کو وظیفہ کی وصولیابی تک کے ادھار پر آٹھ سو درہم کے عوض ایک غلام فروخت کیا، پھر ان کو چھ سو درہم نقد دے کر ان سے وہ غلام خرید لیا۔ حضرت عائشہ نے دو بار فرمایا تم نے یہ برا سودا کیا! زید بن ارقم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کیے ہوئے جہاد کو باطل کر دیا الا یہ کہ وہ توبہ کر لیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور سعید بن منصور نے روایت کیا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں

---

[1] علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ابن الترکمانی متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی ج ۵ ص ۳۳۱۔ ۳۳۰ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

[2] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۶ ص ۶۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

حدیث نہ سنی ہوتی تو وہ اتنی سخت بات نہ فرماتیں۔ اس لیے حضرت عائشہ کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے قائم مقام ہے اور اس لیے کہ بیع عینہ ربوٰ کا ذریعہ ہے کیونکہ درمیان میں یہ بیع اس لیے لائی جاتی ہے کہ وہ ادھار کر کے پانچ سو کے ہزار لے سکے۔ اور ذرائع معتبر ہوتے ہیں اس چیز کو برابر یا زیادہ قیمت سے خریدنا جائز ہے یہ بیع اس وقت ہے جب بیع کے بعد اس حکم میں کوئی تحریم نہ آئی ہو اگر اس چیز میں بیع کے بعد کسی قسم کا کوئی نقصان آگیا ہو تو اس کو کم قیمت سے خریدنا جائز ہے۔ ان تمام صورتوں کی امام احمد نے تصریح کی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے کسی چیز کو ایک نقد سے فروخت کیا اور دوسری نقد سے خرید لیا مثلاً دو سو درہم میں فروخت کیا اور پھر دس دینار میں خرید لیا تو ہمارے اصحاب (حنبلیہ) کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ درہم اور دینار دو مختلف جنسیں ہیں اور ان تمام میں تفاضل حرام نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں یہ بھی استحساناً جائز نہیں ہے کیونکہ درہم اور دینار باعتبار ثمنیت کے شے واحد کے حکم میں ہیں اور نیز اس لیے کہ اس کو ربوا کا وسیلہ بنایا جاتا ہے اس لیے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلی ثمن سے خریدا ہو۔ اور یہ قول ان شاء اللہ زیادہ صحیح ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں اس مسئلہ کا نام مسئلہ عینہ ہے۔ سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیلوں کی دموں کو پکڑتے رہو گے اور کاشتکاری پر راضی ہو گے اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہیں لوٹو گے " یہ وعید عینہ کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ [1]

بیع عینہ میں فقہاء مالکیہ کا موقف

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: جب کوئی شخص مدت معین کے ادھار پر کوئی چیز فروخت کرے پھر اس چیز کو خرید لے تو اس میں نو صورتیں ہیں جن میں سات میں اتفاق ہے اور دو میں اختلاف ہے۔ جن دو میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں: مدت معین کے ادھار پر فروخت کرنے کے بعد مدت پوری ہونے سے پہلے اس کو کم قیمت پر خرید لے یا مدت گزرنے کے بعد اس کو زیادہ قیمت پر خرید لے۔ امام مالک اور جمہور اہل مدینہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ امام شافعی، داؤد اور ابوثور کے نزدیک یہ جائز ہے۔ جو اس کو ناجائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع حرام کے حصول کا ذریعہ ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ کو ایک ماہ کے لیے دس دینار بیس دینار کے عوض دے دو، وہ کہے یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن میں تم کو یہ گدھا ایک ماہ کے ادھار پر بیس دینار کے عوض فروخت کر دیتا ہوں پھر تم کو دس دینار نقد دے کر یہ گدھا خرید لوں گا۔ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں جو فقہاء اس بیع کو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت عائشہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت زید بن ارقم کی ام ولد کی ایسی بیع کرنے پر مذمت کی اور حضرت زید بن ارقم کو وعید سنائی۔ قاضی ابن رشد نے تفصیل سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ [2]

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت

بیع عینہ میں فقہاء احناف کا موقف

مذاہب اربعہ کے بیان میں ہم اس سے پہلے علامہ ابن قدامہ حنبلی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع عینہ ناجائز ہے، یعنی کوئی شخص کسی چیز کو ادھار فروخت کر کے مدت پوری ہونے سے پہلے کم قیمت پر نقد خرید لے اور یہی بیع عینہ ہے اور علامہ ابن الترکمانی ماردینی حنفی کی تصریح پیش کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بیع ممنوع ہے اور محرر مذہب حنفیہ امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

قال ابو حنيفة رضی الله عنه: من اشترى سلعة بنقد او بنسيئة فقبضها ولم ينقد الثمن حتى باعها من الذى اشتراها منه باقل من الثمن فلا خير فيه الى قوله و كذلك بلغنا عن عائشة ام المؤمنين رضى الله عنها ان امراة قالت لها انى بعت زيد بن ارقم جارية بثمانمائة درهم الى عطائه و اشتريتها منه بستمائة درهم نقدا فقالت عائشة بئس ما شريت بئس ما شريت ابلغى زيد بن ارقم انه قد ابطل جهاده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لم يتب الحديث۔ [1]

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نقد یا ادھار قیمت پر ایک چیز خریدی اس چیز پر قبضہ کر لیا اور قیمت ادا نہیں کی حتیٰ کہ وہ چیز اس شخص کو قیمت خرید سے کم پر فروخت کر دی جس سے خریدی تھی تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے (اس پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں) ہمیں اسی طرح یہ حدیث پہنچی ہے: ایک عورت نے حضرت عائشہ ام المؤمنین سے کہا میں نے حضرت زید بن ارقم کو وظیفہ کی وصولی تک کے ادھار پر آٹھ سو درہم کے عوض ایک باندی فروخت کی ہے پھر وہی باندی ان کو چھ سو درہم نقد دے کر خرید لی حضرت عائشہ نے فرمایا: تم نے بری خریداری کی اور تم نے بری خریداری کی۔ زید بن ارقم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔

علامہ ابو الحسن مرغینانی لکھتے ہیں: جس شخص نے ایک ہزار درہم نقد یا ادھار کے عوض ایک باندی خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا پھر قیمت ادا کرنے سے پہلے وہ باندی پانچ سو درہم کے عوض اسی بائع کو فروخت کر دی تو بیع ثانی جائز نہیں ہے۔
امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، کیونکہ قبضہ کے بعد اس کی ملکیت مکمل ہو گئی اور بائع یا اس کے غیر کو فروخت کرنا دونوں برابر ہیں، اور یہ ایسے ہے جیسے اس نے پہلی قیمت یا اس سے زیادہ قیمت پر یا کسی چیز کے عوض اس کو فروخت کیا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جس عورت نے آٹھ سو میں غلام خریدنے کے بعد چھ سو میں (اسی بائع کو) فروخت کیا تھا اس عورت سے حضرت عائشہ نے فرمایا تم نے بری خریداری کی اور تم نے بری خریداری کی! اور زید بن ارقم کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا تھا، وہ باطل ہو جائے گا نیز اس لیے کہ ابھی (پہلے) بائع کی ضمانت میں قیمت نہیں آئی تھی، پس جب مبیع اس کے پاس واپس آگئی تو پانچ سو درہم منہا کرنے کے بعد اس کو پانچ سو درہم زائد بلاعوض مل گئے۔ [2]

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۴۸ ـ ۴۷، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور
[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۷ ـ ۵۸، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا تو وہ اپنے اجتہاد سے یہ وعید نہیں سنا سکتی تھیں۔ [۱]

علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں: یہ شدید وعید اس پر دلیل ہے کہ یہ عقد فاسد ہے، اور بغیر کفر کے کسی معصیت سے عبادات باطل نہیں ہوتیں الا یہ کہ یہ وحی سے ثابت ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ نیز حضرت زید بن ارقم نے حضرت عائشہ سے اس معاملے میں معذرت کی حالانکہ امور اجتہادیہ میں صحابہ ایک دوسرے سے معذرت نہیں کرتے تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ نے یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا تھا۔ [۲]

اور علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے عدم توبہ کی صورت میں اس عقد کی وجہ سے حضرت زید کے حج اور جہاد کے بطلان کی وعید سنائی اور یہ بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی، سو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بات تھی، اور عقد صحیح پر یہ سزا مرتب نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عقد فاسد ہے۔ اور بے شک حضرت زید نے حضرت عائشہ سے معذرت کی اور یہ بھی حضرت عائشہ کے سماع کی دلیل ہے، کیونکہ امور اجتہادیہ میں صحابہ ایک دوسرے کی مخالفت کرتے تھے اور معذرت نہیں کرتے تھے۔ [۳]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

قال محمد رحمه الله هذا البيع في قلبي كأمثال الجبال ذميم اخترعه آكلة الربوا وقد ذمهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اذا تبايعتم بالعين واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر عليكم عدوكم اي اشتغلتم بالحرث عن الجهاد وفي رواية سلط عليكم شراركم فيدعو خياركم فلا يستجاب لكم وقيل اياك والعينة فانها لعينة [۴]

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بیع میرے دل میں پہاڑوں کی طرح ہے، یہ بیع مذموم ہے جس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مذمت کی ہے اور فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے، اور بیلوں کی دموں کو پکڑو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تم پر تمہارے دشمن غالب آجائیں گے یعنی جب تم کھیتی باڑی میں مشغول ہو کر جہاد کو چھوڑ دو گے، اور ایک روایت میں ہے تم پر برے لوگ مسلط کر دیے جائیں گے۔ تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے اور وہ قبول نہیں ہوں گی، اور ایک روایت میں ہے بیع عینہ سے بچو کیونکہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔

۱۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۷۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۷۰ - ۶۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۳۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۹۸ مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

WWW.NAFSEISLAM.COM

فقہاء حنفیہ نے بیع عینہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ علامہ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں:

بیع العینۃ مکروہ ذمیم اخترعہ اکلۃ الربوا وقد ذمہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذلک فقال اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظہر علیکم عدوکم وقیل ایاک والعینۃ فانہا لعینۃ۔[1]

بیع عینہ مکروہ اور مذموم ہے اس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مذمت کی ہے اور فرمایا جب تم بیع عینہ کرو گے اور بیلوں کی دُموں کو پکڑو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمن تم پر غالب آجائیں گے اور ایک روایت میں ہے بیع عینہ سے بچو کیونکہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔

علامہ خوارزمی کے علاوہ علامہ بابرتی[2] علامہ زیلعی[3] ملا علی قاری[4] علامہ شرنبلالی[5] ملا مسکین[6] اور علامہ حصکفی[7] نے بھی بیع عینہ یہی لکھا ہے۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

بیع العینۃ مثل ان یستقرض من تاجر عشرۃ فیتابی علیہ ویبیع منہ ثوبا یساوی عشرۃ بخمسۃ عشرۃ مثلا رغبۃ فی نیل الزیادۃ لیبیعہ المستقرض بعشرۃ ویتحمل علیہ خمسۃ سمی بہ لما فیہ من الاعراض عن الدین الی العین وہو مکروہ۔[8]

بیع عینہ مثلاً ایک شخص کسی تاجر سے دس روپے قرض مانگے وہ قرض دینے سے انکار کرے اور اس کو دس روپے کا کپڑا پندرہ روپے میں فروخت کر دے تاکہ وہ شخص اس تاجر کو وہ کپڑا دس روپے میں فروخت کر دے اور وہ اس سے پانچ روپے زیادہ حاصل کر لے، اس کو بیع عینہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں دین سے عین کی طرف اعراض ہے اور یہ بیع مکروہ ہے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ بیع عینہ مکروہ نہیں ہے جائز ہے، اور امام محمد اس کو مکروہ اور مذموم قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ میرے دل میں پہاڑوں کی طرح بھاری ہے اس کو سود خوروں نے گھڑ لیا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت کی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن ہمام اپنی رائے لکھتے ہیں:

---

[1] علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[2] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ ھ، عنایہ علی ہامش الفتح ج ۶ ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[3] علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۶۳، مکتبہ امدادیہ ملتان۔
[4] ملا علی بن سلطان محمد قاری متوفی ۱۰۱۴ ھ، شرح النقایہ ج ۲ ص ۱۶۷ - ۱۶۶، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
[5] علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ ھ، حاشیۃ الدرر الغرر ج ۲ ص ۳۰۵ - ۳۰۴، مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر، ۱۳۰۴ھ
[6] معین الدین ہروی المعروف بملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ شرح الملا مسکین علی الکنز ج ۳ ص ۱۵ مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ ۱۲۸۷ھ
[7] علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۲۸۷ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ ھ۔
[8] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۴۳ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

میرے دل میں جو چیز واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ دینے والا جب کوئی چیز دے تو جس صورت میں وہ چیز کل یا بعض اسی شخص کی طرف لوٹ آئے (اور بیع عینہ میں اسی طرح ہوتا ہے۔ قرض دینے والا ایک چیز کو ادھار بیچ کر کم قیمت پر نقد خود خرید لیتا ہے۔ سعیدی غفرلہ) تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہ چیز دینے والے کی طرف نہیں لوٹ کر آتی تو وہ صرف خلاف اولیٰ ہے۔ اس دوسری صورت کی وضاحت علامہ ابن ہمام نے اس طرح کی ہے کہ ایک شخص کسی سے دس روپے قرض مانگتا ہے وہ اس کو قرض نہیں دیتا بلکہ دس روپے کی چیز اس کو پندرہ روپے میں ادھار فروخت کر دیتا ہے اور بس اب مقروض چاہے اس چیز کو اپنے پاس رکھے یا بازار میں اس چیز کو فروخت کر دے اس صورت میں یہ بیع عینہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ چیز قرض دینے والے کے پاس نہ لوٹے

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ علامہ ابن ہمام نے اس عبارت میں بیع عینہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قال فی الفتح ما حاصله ان الذی یقع فی قلبی انه ان فعلت صورة یعود فیها الی البائع جمیع ما اخرجه او بعضه کعود الثوب الیه فی الصورة الاولی وکعود الخمسة فی صورة اقراض الخمسة عشر فیکره یعنی تحریما۔[2]

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز میرے دل میں واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جس صورت میں بائع کی دی ہوئی چیز کل یا بعض اس کی طرف لوٹ آتی ہے جیسے بیچا ہوا کپڑا اس کے پاس لوٹ آئے یا پندرہ روپے قرض دینے کی صورت میں پانچ روپے اس کی طرف لوٹ آئیں تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔

علامہ ابو السعود نے بھی علامہ ابن ہمام کی عبارت کا بعینہٖ یہی خلاصہ بیان کیا ہے۔[3]

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق فقہاء احناف کا بیع عینہ میں موقف یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک بیع عینہ ممنوع ہے۔ امام ابو یوسف نے اس کو جائز کہا ہے، امام محمد نے اس کو مکروہ مذموم قرار دیا ہے اور علامہ ابن ہمام اور دیگر فقہاء احناف نے امام محمد کے قول کو اختیار کرتے ہوئے بیع عینہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔

دار الحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: دار الحرب میں سود اسی طرح حرام ہے جس طرح دار الاسلام میں سود حرام ہے، (امام احمد) امام مالک، امام اوزاعی، امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں ربا جاری نہیں ہوگا اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو شخص دار الحرب میں مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان ربا نہیں ہوگا، اور ان کے اموال مباح ہیں، (امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دار الحرب میں احکام شرعیہ نافذ کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ دار الحرب میں مسلمانوں کا سود کھانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ)

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۲۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۲۸۷، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی سکلیبی متوفی ۹۸۲ھ، حاشیۃ ابی السعود علی ملا مسکین ج ۳ ص ۱۵، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ ۱۲۸۷ھ

[4] کیونکہ علامہ ابن ہمام نے یہاں مکروہ کا ذکر خلاف اولیٰ کے مقابلے میں کیا ہے اس لیے یہاں مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے۔ اسی وجہ سے علامہ شامی اور شیخ ابو السعود نے اس کو مکروہ تحریمی پر محمول کیا ہے۔ منہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حرم الربٰوا (بقرہ: ۲۷۵) "اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الذین یاکلون الربٰوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس (بقرہ: ۲۷۵) "جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن)، نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان نے مخبوط الحواس کر دیا" نیز فرمایا: یایها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰه و ذروا ما بقی من الربٰوا (بقرہ: ۲۷۸) "اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو" اور احادیث میں بالعموم تفاضل کی ممانعت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا اس نے سودی معاملہ کیا۔ باقی احادیث میں بھی اسی طرح تفاضل کی ممانعت ہے اور اس لیے کہ جو کام مسلمانوں پر دار الاسلام میں حرام ہیں وہ دار الحرب میں بھی حرام ہیں جس طرح مسلمانوں میں سود کا لین دین حرام ہے اور امام ابوحنیفہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مرسل ہے جس کی صحت کا ہمیں علم نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں لا نفی کی بجائے نہی کے لیے ہو۔ یعنی مسلمان دار الحرب میں حربی سے سود نہ لیں اور جس چیز کو قرآن مجید نے علی العموم والاطلاق حرام کر دیا ہے اور سنت مشہورہ سے بھی اس کی علی الاطلاق حرمت ثابت ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس کے عموم اور اطلاق کو ایسی خبر مجہول کے سبب سے ترک کر دینا جائز نہیں ہے جو کسی کتاب صحیح میں ہے نہ مسند میں نہ کسی اور معتمد اور مستند کتاب میں ہے اور اس کے علاوہ یہ کہ وہ حدیث مرسل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں لا نفی کا نہ ہو بلکہ نہی کا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ: ۱۹۷) "حج میں جماع، فسق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔"[1]

دار الحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں ربٰوا نہیں ہے۔ اس میں امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہ اس قیاس پر کرتے ہیں کہ حربی جب امان سے کر دار الاسلام میں آئے تو اس سے سود لینا جائز نہیں ہے، اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے: "مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں ربٰوا نہیں ہے۔" اور اس لیے بھی کہ دار الحرب میں ان کا مال مباح ہے خواہ مسلمان جس طریقہ سے ان کا مال حاصل کرے وہ مال مباح ہے بشرطیکہ دھوکا نہ دے اور عہد شکنی نہ کرے، اور مستامن پر قیاس کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ جب وہ امان لے کر دار الاسلام میں داخل ہوا تو اس کے مال کا لینا ممنوع ہو گیا۔[2]

دار الحرب میں جواز ربٰو والی حدیث کی فنی حیثیت

علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں: امام بیہقی نے امام شافعی کی کتاب السیر کے حوالے سے اس حدیث کو "معرفۃ" میں ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا۔ امام ابویوسف کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا بعض مشائخ نے مکحول سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل حرب کے مابین ربٰو نہیں ہے میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اور اہل اسلام کے مابین، امام شافعی نے فرمایا یہ ثابت ہے نہ اس میں کوئی حجت ہے۔[3]

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۵ھ، ہدایہ اخیرین ص ۸۶ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

[3] حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۴۴ مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند ۱۳۵۷ھ

علامہ ابن ہمام نے بھی اس حدیث کی فنی حیثیت کے بارے میں یہی کچھ نقل کیا ہے۔ [1]

دارالحرب میں ربوٰ کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ مکحول کی روایت اوّل تو ثابت نہیں ہے اور بر تقدیر ثبوت اس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ سے معارضہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ قرآن مجید نے جو ربوٰ کو مطلقاً حرام کیا ہے وہ مال محظور میں حرام کیا ہے اور حربی کا مال مباح ہے اور اس توجیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مکحول کی یہ مرسل روایت نہ بھی ہوتی تب بھی دارالحرب میں حربی سے سود لینا مباح ہوتا۔ [2]

علامہ ابن ہمام کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ "مال محظور" کی قید لگا کر اپنی رائے سے قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کو مقید کر رہے ہیں اور جب قرآن مجید کے عموم قطعی کو حدیث رسول سے بھی مقید کرنا صحیح نہیں ہے تو علامہ ابن ہمام کی رائے میں اتنی قوت کہاں کہ وہ قرآن مجید کے عموم اور اطلاق کے مزاحم ہوسکے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مشہورہ نے علی الاطلاق سود کو حرام کر دیا ہے خواہ مسلمان سے سود لیا جائے یا کافر سے اور کافر خواہ حربی ہو یا ذمی اور دارالاسلام میں سود لیا جائے یا دارالحرب میں، قرآن مجید نے ہر قسم کے سود کو حرام کر دیا ہے اور اس عموم کو نہ مکحول کی مرسل اور غیر ثابت روایت سے مقید کیا جاسکتا ہے نہ علامہ ابن ہمام کی رائے سے۔

مکحول کی روایت کا محمل

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مکحول کی یہ روایت صحیح ہے اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: "لا ربوٰ بین المسلم و الحربی"۔ "مسلمان اور حربی میں سود نہیں ہے۔" تو اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

اوّل: اس حدیث میں "لا" نفی کا نہیں ہے بلکہ نہی کا ہے اور اس کا معنی ہے مسلمان اور حربی کے مابین سود کی ممانعت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (بقرہ: ۱۹۷) "حج میں جماع، فسوق اور لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔" یعنی ان افعال کی ممانعت ہے۔

ثانی: اس حدیث میں حربی سے مراد محض غیر ذمی کافر نہیں ہے۔ بلکہ برسر جنگ قوم کا ایک فرد مراد ہے اور جس قوم کے ساتھ حالت جنگ قائم ہو اس کو ہر طرح سے جانی اور مالی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لیے اس قوم کے کسی حربی کافر سے اگر کسی مسلمان نے سودی معاملہ کے ذریعہ اس کا مال لے لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

ثالث: لا ربوٰ کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ حربی کافر سے جو سود لیا جائے گا وہ سود نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ دارالحرب میں رہنے والا مسلمان اگر حربی کافر سے سود لیتا ہے تو اگرچہ یہ فعل گناہ ہے لیکن قانون حرمت اور ممانعت سے مستثنیٰ ہے یعنی مسلمان حکومت اس شخص سے باز پرس نہیں کر سکتی کہ تم نے یہ عقد فاسد کیوں کیا ہے اور سود کیوں لیا ہے اور اس مسلمان کو اس کے اس غلط کام پر سزا نہیں دے سکتی کیونکہ دارالحرب میں رہنے والا مسلمان، مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اور اس پر اسلامی ریاست کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] " " " ، فتح القدیر ج ۶ ص ۱۷۸

والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیءٍ حتی یھاجروا۔ (انفال: ۷۲)

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے ... (دارالاسلام میں) نہیں آئے ان پر تمہاری کوئی "ولایت" نہیں ہے حتیٰ کہ وہ ہجرت کرلیں۔

اس آیت میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ولایت کا تعلق صرف ان مسلمانوں سے ہوگا جو دارالاسلام کے باشندے ہوں یہ آیت دارالاسلام سے باہر کے مسلمانوں کو (دینی اخوت کے باوجود) دارالاسلام کے مسلمانوں کے ساتھ سیاسی اور تمدنی رشتے سے خارج کر دیتی ہے اس عدم ولایت کے نتیجہ میں دارالاسلام اور دارالحرب کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے اور ایک دوسرے کے قانونی ولی نہیں ہو سکتے۔

ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دارالحرب میں بھی سود لینا گناہ ہے اور لا ربوٰ بین المسلم والحربی کا معنیٰ یہ ہے کہ اس پر سود لینے کی دنیاوی سزا جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس کی تائید علامہ سرخسی کی ذکر کردہ ان احادیث سے ہوتی ہے:

فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی نصاری نجران من اربی فلیس بیننا وبینہ عھد وکتب الی مجوس ھجر اما ان تدعوا الربا او تاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی طرف لکھا جس شخص نے سود لیا ہمارے اور اس کے درمیان کوئی عہد نہیں ہے، اور مجوس ہجر کی طرف لکھا یا تو تم سود چھوڑ دو یا اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قبول کرو۔!

نصاریٰ نجران اور مجوس ہجر حربی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اپنے علاقوں میں سود لینے کی اجازت نہیں دی اور جب آپ نے حربی کافروں کو سود لینے کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ دارالحرب کے مسلمانوں کو سود خواری کی اجازت کب دے سکتے ہیں!

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے مکحول کی روایت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حالت اضطرار میں مسلمان حربی کافر سے سود لے سکتا ہے[2]۔ یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سود دینے میں تو اضطرار ہو سکتا ہے مثلاً کسی شخص کو اپنی ناگزیر ضرورت میں بغیر سود کے قرض نہ ملے لیکن سود لینے میں اضطرار کا کوئی تعلق نہیں ہے سود لینے کی وجہ صرف مال کی حرص اور طلب زر کی خواہش ہوتی ہے۔

دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے قول کی وضاحت

امام اعظم نے جو یہ کہا ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربٰو نہیں ہے ان کی بھی اس قول سے یہی مراد ہے کہ چونکہ دارالحرب مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے اس لیے مسلمان حکام وہاں کسی مسلمان کے سود لینے پر اس سے مواخذہ نہیں کریں گے اور وہ اس کا مالک ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے اور وہ اس پر اخروی عذاب کا مستحق ہے، اس کی وضاحت علامہ سرخسی کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

---

[1]۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[2]۔ ماہنامہ ضیاء حرم، ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ

وابو حنیفة یقول بالاسلام قبل الاحراز تثبت العصمة فی حق الامام دون الاحکام الا تری ان احدهما لو اتلف مال صاحبه اونفسه لم یضمن و هو آثم فی ذلك وانما تثبت العصمة فی حق الاحکام بالاحراز والاحراز بالدار لا بالدین لان الدین مانع لمن یعتقده حقا للشرع دون من لا یعتقده و بقوة الدار یمنع عن ماله من یعتقد حرمته ومن لم یعتقده فلثبوت العصمة فی حق الاثم قلنا یکره لهما هذا الصنیع ولعدم العصمة فی حق الحکم قلنا لا یؤمران برد ما اخذه لان کل واحد منهما انما یملک مال صاحبه بالاخذ۔ [1]

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام کی حفاظت میں آنے سے پہلے اسلام سے جو عصمت ثابت ہوتی ہے وہ صرف امام کے حق میں ہے، احکام کے حق میں نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ان دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال یا اس کی جان تلف کر دے تو اس پر ضمان نہ ہوگا حالانکہ وہ اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور اصل احکام میں عصمت صرف دارالاسلام میں رہنے سے ہوتی ہے، نہ کہ دین کی وجہ سے، کیونکہ دین تو حق شرع کے لحاظ سے ان لوگوں کو روکتا ہے جو اس دین کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتے ان کو نہیں روکتا، اس کے برخلاف جب انسان دارالاسلام میں ہو تو اس کے مال کی حفاظت اس شخص سے بھی کی جائیگی جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اس دین کا اعتقاد نہیں رکھتا، پس گناہ ہونے کی حیثیت سے جو عصمت ثابت ہے اس اعتبار سے ہم نے کہا ان کا یہ فعل مکروہ ہے، اور قانون کے لحاظ سے عدم عصمت کی بنا پر (چونکہ مسلمانوں کی ولایت میں نہیں ہے) ہم نے یہ کہا کہ اس کا لیا ہوا مال واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے ہر ایک جب دوسرے کا مال لیتا ہے تو محض لینے کی وجہ سے ہی اس مال کا مالک ہو جاتا ہے۔

امام اعظم کا یہ اصول ہے کہ اگر مسلمان دار الحرب میں کوئی عقد فاسد کرے تو وہ اس سے مالک تو ہو جائے گا لیکن اس کا یہ فعل گناہ ہے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

وان کانا اسلما ولم یخرجا حتی تبایعا بالربا کرهته لهما ولم اردده وهو قول ابی حنیفة۔ [2]

اگر دو حربی مسلمان ہو جائیں اور دار الحرب سے ہجرت نہ کریں اور آپس میں سود کا معاملہ کریں تو میں اس کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتا ہوں لیکن یہ سود واپس نہیں کروں گا اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

ان عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کسی

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ھ

[2] " " " " " المبسوط ج ۱۴ ص ۵۸

WWW.NAFSEISLAM.COM

میں سود لیں یا مسلمان حربی کافر سے سود لے تو وہ اس سود کا مالک تو ہو جائے گا لیکن سود لینے والا مسلمان بہر حال گنہ گار ہوگا۔

کیا سود اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کافروں کا پیسہ بٹورنا جائز ہے؟

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دار الحرب ہوتا ہے اور اس وقت دار الحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسر جنگ نہیں ہیں ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے ہوتے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے سے آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انھیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، کنیڈا اور جرمنی وغیرہ، ایسے ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دار الکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال ان پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال مسلمانوں پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو، ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ (النساء: ۲۹)

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا، سو مسلمانوں کے لیے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کو خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بدکردار قوم کے نام سے معروف ہوں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا۔ (النور: ۳۳)

اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا عارضی فائدہ طلب کرو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دار الکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر کاروبار کرنا شروع کردیں؟

یا یھا الذین امنوا لا تخونوا اللہ و الرسول و تخونوا امنتکم و انتم تعلمون۔ (انفال: ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم جانتے ہو۔

کیا اس آیت سے مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کرلیا کریں؟

WWW.NAFSEISLAM.COM

ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم۔ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لیے بہانہ نہ بناؤ۔

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ۔ (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشاء یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے لحاظ سے پہچانے جائیں، غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں، مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم میں دھوم ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی، پارسائی امانت اور دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باکمال سیرت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کفار سے لڑائی تیر و تفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے، اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور افکار پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھو دیا اور خود ہی ان اصولوں اور تعلیمات کو قربان کر دیا جس کو پھیلانے کے لیے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہو گی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کر سکے گا۔

جو لوگ دار الکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لیے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے اُمّی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح ملے روا ہے غیر مذاہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں خدا نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیہ قائما ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون۔ (آل عمران: ۷۵)

اور ان (یہودیوں میں سے) بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لیے ہے کہ انھوں نے کہہ دیا کہ امیین (مسلمانوں) کا مال لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہو گی، اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں!

غور کیجئے جو لوگ دار الکفر میں ہیں! حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان سے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟

حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مکہ میں ابی بن خلف سے اہل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دارالحرب تھا حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔ قاضی بیضاوی، بغوی، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے یہ واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوبکر کے شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار گئے تو وہ دس اونٹ دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے، پھر جب حضور سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے "بضع" کا لفظ تو تین سے نے کر نو تک بولا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دو، پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سو اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آ گئے، حضرت ابوبکر نے ابی کے ورثاء سے اونٹ لے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے آپ نے فرمایا یہ سحت (مال حرام) ہے، اس کو صدقہ کر دو حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔[1]

علامہ آلوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا تسامح ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوبکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے ہارنے ہی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ مذکور الصدر روایات کو عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو اغرب قرار دیا ہے۔[2]

جامع ترمذی کی روایت کا متن یہ ہے:

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین " ـــــــ " الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔" جن دنوں یہ آیت نازل ہوئی ان دنوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ویومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم۔ "جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے۔" اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانی غالب ہو جائیں کیوں کہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بعثت پر ایمان

---

[1] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔
[2] حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۲۲-۳۲۱ مطبوعہ دار الاندلس بیروت

رکھتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کر دیا الٓمّٓ اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے، قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے یہ کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں! اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگائی، مشرکین نے کہا "بضع سنین" تین سالوں سے لے کر نو سالوں تک ہے تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کرو پھر انھوں نے یہ مدت چھ سال طے کی، پھر چھ سال گذر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے اور مشرکین نے حضرت ابوبکر سے شرط وصول کر لی، پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہو گئے، پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تنقید کی کہ انھوں نے "بضع سنین" کو چھ سال کیوں قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو "بضع سنین" فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں)، امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ [1]

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱)۔ حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲)۔ قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کر دو۔ (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برأت کی نیت سے اس کو صدقہ کر دے)

دار الحرب، دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات

شمس الائمہ سرخسی دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والحاصل ان عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انما تصیر دارھم دار الحرب بثلاث شرائط احدھا ان تکون متاخمۃ ارض الترک لیس بینھا و بین ارض الحرب دار للمسلمین والثانی ان لا یبقی فیھا مسلم آمن بامانہ ولا ذمی آمن بامانہ والثالث ان یظھروا احکام الشرک فیھا۔ [2]

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو، دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو، اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً برسر جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم

---

[1] ۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] ۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۹۸ھ

نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین میں تھا وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً جرم تھا۔ ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی ہے اس سے اسی دارالحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں، تجارت اور دیگر انواع کے معاملات ہیں پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے ہیں مسلمانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہے بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقی ممالک، یہ ملک دارالحرب نہیں ہیں، بلکہ دارالکفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ملکوں کو دارالاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً دارالاسلام ہیں حقیقۃً دارالکفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارالکفر پر مجازاً دارالحرب کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقۃً دارالاسلام ہیں نہ دارالحرب بلکہ یہ دارالکفر ہیں کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دارالحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دارالاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانهم لم یظهروا فیها حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونهم عن ضرورۃ او بدونها وکل مصر فیه وال من جهتهم یجوز له اقامۃ الجمعۃ والاعیاد والحد وتقلید القضاۃ لاستیلاء المسلم علیهم فلو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما۔ [1]

معراج الدرایہ میں مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے جو شہر کفار کے ہاتھوں میں ہیں وہ بلاد اسلام ہیں، بلاد حرب نہیں ہیں کیونکہ کفار نے ان شہروں میں کفر کے احکام ظاہر نہیں کیے بلکہ قاضی اور حاکم مسلمان ہیں جو ضرورت کی وجہ سے یا بلا ضرورت کفار کی اطاعت کرتے ہیں، اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے حاکم مقرر ہو اس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور حد قائم کرنا اور قاضیوں کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ (شرعاً) مسلمان کافروں پر غالب ہیں اور اگر حاکم کفار ہوں پھر بھی مسلمانوں کے لیے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے کسی شخص کو قاضی بنا دیا جائے گا اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کو تلاش کریں۔

مبسوط کی اس عبارت میں کافروں کے ملک کو جو بلاد اسلام یا دارالاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ حقیقی اطلاق نہیں ہے کیونکہ دارالاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور وہاں اسلامی شعائر اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو لیکن کافروں کے جس ملک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کی آزادی ہو وہاں جمعہ اور عید کا قیام جائز ہے اور اسی وجہ سے وہ علاقہ حکماً دارالاسلام ہے، نہ حقیقۃً دارالاسلام ہے اور نہ حقیقۃً دارالحرب ہے، قبل از تقسیم ہندوستان کو جو

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار ج ۱ ص ۵۴۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

علماء نے دارالاسلام قرار دیا تھا اس کا بھی یہی مطلب تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت تھی نہ احکام اسلامیہ کا غلبہ تھا اس لیے ہندوستان حقیقۃً دارالکفر ہی تھا اور حقیقۃً دارالحرب اس لیے نہیں تھا کہ وہاں مسلمانوں کو جان اور مال کا تحفظ حاصل تھا۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

والتاجر من المسلمین اذا اراد ان یدخل الیھم بأمان علی فرس ومعہ سلاح وھو لا یرید بیعہ منھم لم یمنع من ذٰلک لان التاجر یحتاج الی ان یستصحب ھٰذہ الاشیاء لمنفعۃ نفسہ فلا یکون ممنوعا عنہ فی دارالحرب کما لا یکون ممنوعا عنہ فی دار الاسلام [1]

مسلمان تاجر جب گھوڑے پر سوار ہو کر اور اسلحہ کے ساتھ امان لے کر دارالحرب میں جائیں درآں حالیکہ وہ اس گھوڑے اور اسلحہ کو کافروں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ تاجر کو اپنے مصالح کے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پس جس طرح تاجر کے لیے یہ چیزیں دارالاسلام میں ممنوع نہیں ہیں، اسی طرح دارالحرب میں بھی ممنوع نہیں ہیں۔

فقہاء نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان تاجر کے لیے سواری اور اسلحہ کو دارالحرب میں تجارت کے لیے لے جا کر فروخت کرنا جائز نہیں البتہ کھانے پینے کی اشیاء اور جن چیزوں کا تعلق آلات حرب سے نہ ہو ان کو دارالحرب میں لے جا کر فروخت کرنا اور ان کی تجارت کرنا جائز ہے۔

ہم نے یہ عبارت اس لیے نقل کی ہے کہ فقہاء دارالکفر پر بھی مجازاً دارالحرب کا اطلاق کر دیتے ہیں کیونکہ دارالحرب کی تو یہ تعریف ہے جہاں مسلمان اور ذمی کو جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو اس لیے ایسی جگہ مسلمان تاجروں کا تجارت کے لیے جانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اس لیے یہ دارالحرب نہیں ہے۔ اب تک کی بحث سے جو تعریفات حاصل ہوئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

دارالاسلام: وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور شعائر اسلامی اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو۔

دارالحرب: وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو اور کفر کے احکام کا غلبہ ہو اور کسی مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو، اسی طرح ذمی کو بھی تحفظ حاصل نہ ہو۔

دارالکفر: وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو، اس علاقے کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہوں، مسلمان وہاں تجارت کے لیے جاتے ہوں، مسلمانوں کو وہاں جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل ہو، اور احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔

ان تعریفات کے اعتبار سے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ہالینڈ، مغربی جرمنی اور افریقی ممالک جہاں مسلمان امان اور آزادی کے ساتھ رہتے ہیں یہ سب دارالکفر ہیں یہاں جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں اس لیے یہاں مسلمانوں کے لیے سود کا لین دین کسی طرح سے جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں کافروں کا مال عقود فاسدہ سے لینا بھی

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۱۵۷، مطبوعہ المکتب للحرکۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ

جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر فقہاء احناف نے درجہ کراہت میں کافروں کے مال لینے کو جائز کہا ہے تو دار الحرب میں کہا ہے اور یہ ممالک دار الحرب نہیں ہیں۔ فقہاء نے ایسے ممالک پر مجازاً دار الحرب کا بھی اطلاق کیا ہے اور مجازاً دار الاسلام کا اطلاق بھی کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ممالک دار الکفر ہیں، دار الحرب ہیں نہ دار الاسلام۔

ربا الفضل کی علت حرمت میں مذاہب ائمہ

علامہ نووی لکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے، سونا، چاندی، گندم، جو، چھوارے اور نمک غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں کمی و زیادتی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے، کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو چیزیں ان کے معنی میں شریک ہوں ان میں بھی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے پھر ان فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کیا ہے، امام شافعی نے کہا سونے اور چاندی میں علت حرمت ان کا جنس ثمن سے ہونا ہے اس لیے باقی وزنی چیزوں میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہوگی، کیونکہ علت حرمت مشترک نہیں ہے، امام شافعی نے فرمایا باقی چار چیزوں میں علت حرمت کھانے کی جنس سے ہونا ہے سو ہر کھانے کی چیز میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہوگی؛ امام مالک کا قول سونے اور چاندی میں امام شافعی کی طرح ہے اور باقی چار چیزوں میں ان کے نزدیک علت حرمت خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے سو انہوں نے منقی میں بھی تفاضل کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ گندم اور جو کی طرح اس کا بھی ذخیرہ کیا جا سکتا ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے پس ہر وہ چیز جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو اتحاد جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے اور سعید بن مسیب، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں علت حرمت طعام کا وزن یا ماپ کے ساتھ فروخت ہونا ہے اس بنا پر کھانے پینے کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے انڈا وغیرہ ان میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے۔ نیز فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک سود والی جنس کو دوسری سود والی جنس کے ساتھ کمی بیشی اور ادھار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مثلاً سونے کی گندم کے بدلے میں یا چاندی کی جو کے بدلے میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع کی جائے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ایک سود والی جنس کی اپنی جنس کے ساتھ ادھار بیع جائز نہیں ہے اور سود والی جنس کی اپنی جنس کے بدلے میں تفاضل کے ساتھ نقد بیع بھی جائز نہیں ہے، مثلاً سونے کی سونے کے بدلے میں ادھار بیع جائز ہے نہ نقد تفاضل کے ساتھ۔ [1]

امام ابو القاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں تفاضل سے بیع جائز نہیں ہے [2] (اور یہی امام ابو حنیفہ کا نظریہ ہے)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چیزوں میں طعم حرمت کی علت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ [3]

---

[1] ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲-۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[2] ۔ علامہ ابو القاسم عمر بن الحسین بن عبد اللہ بن احمد الخرقی متوفی ۳۳۴ھ، مختصر الخرقی مع المغنی ج ۴ ص ۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

[3] ۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ چیز جنس طعام سے ہو اور ماپ یا وزن سے بکتی ہو لہٰذا جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی ۔[1]

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں : امام مالک کے نزدیک سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چار میں حرمت کی علت خوراک کا ذخیرہ ہونا یا خوراک کی صلاحیت ہے ۔[2]

امام مالک کے مذہب پر نوٹ اور دوسرے سکوں میں سود کا ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ ان میں ثمنیت موجود ہے۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہمارے نزدیک حرمت کی علت قدر مع الجنس ہے ۔[3]

ربوا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ

ائمہ کرام نے احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جا سکے ۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونا ، چاندی ، گندم ، جو ، کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے ، ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے ۔ اسی لیے ائمہ اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربوا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے ۔ ان بزرگوں نے نہایت کاوشش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کو سمجھا اور سمجھایا ہے ، ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵ مطبوعہ اصح المطابع کراچی) جب دو نوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا مثلاً بمثل فروخت کرو ۔ اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے قدر میں مساوات اور قدر وزن ، کیل اور عدد تینوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے برابر نہیں ہیں ۔ اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور انڈے دو درجن اخروٹ اور انڈوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں ۔ یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اس میں کوئی خفاء نہیں ہے ۔ اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی وزناً ، کیلاً (ماپ کے ذریعہ) یا عدداً فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں ، لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع مثلاً بمثل یعنی وزن ، ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر برابر اور یداً بید یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہوگی اور اگر وزن ، عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار بیع ہوگی تو ناجائز اور حرام ہوگی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت ربوٰ کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں مثلاً بمثل کی قید ہے اور فقہاء نے مثل کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن ، ماپ اور عدد تینوں کو شامل ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں اور ایک درجن انڈے یا اخروٹ دو درجن انڈوں یا

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ ، المغنی ج ۴ ص ۲۷ ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر متوفی ۵۹۳ھ ، ہدایہ اخیرین ص ۷۷ ، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

WWW.NAFSEISLAM.COM

اخروٹوں کے مثل نہ ہوں۔ اس لیے مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں۔ اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: للذکر مثل حظ الانثیین۔ (نساء: ۱۱) "مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دوگنا) حصہ ہے"۔ فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی، لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپیے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مثل، ماپ والی، وزنی عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے۔

عن عثمان بن عفان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تبیعوا الدینار بالدینارین ولا الدرھم بالدرھمین۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴ - سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کو دو درھموں کے عوض نہ فروخت کرو۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع ربٰو ہے اس طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع ربٰو ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں بظاہر یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا ثمن ہوں اگر ان کی بیع کمی یا زیادتی کے ساتھ ہو خواہ کمی یا زیادتی عدد میں ہو یا کیل میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع ادھار ہو تو وہ ربٰو ہے اور اگر برابر اور نقد بیع ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ ھذا ما عندی والعلم التام عند اللہ۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے، ان کے نزدیک علت ربٰو ماپ اور تول اور اشتراک جنس ہے، وہ عددی چیزوں میں حرمت ربٰو کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب وزناً بکتا ہے اس لیے ایک کلو گرام سیب کو دو کلو گرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عدداً فروخت ہوتے ہیں اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے، اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدداً اور وزناً فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدداً فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول کر بھی بکتے ہیں اور عدداً بھی فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عدداً اخروٹ خریدیں تو سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور وزناً خریدیں تو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو سیب نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے، بعض شہروں میں مالٹے ایک ہی دوکان پہ عدداً بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی اور یہ بڑی حیرت ناک بات ہو گی کہ ایک ہی دوکاندار سے ایک چیز کو وزناً زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدداً لینا سود نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ہو لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آ سکی۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے تو اولاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں جس کا چاہیں استثناء فرما دیں، اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی۔ ثانیاً ہو سکتا ہے اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں

میں عیناً مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام عالم برتر دہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہوگا، ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ادنیٰ نسل کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے!

امام شافعی کے نزدیک حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ لہٰذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں مثلاً تانبا، پیتل، چونا، کپڑا اور لکڑی وغیرہ ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب وغریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلہ میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبے یا پیتل کے بدلہ میں بیع سود نہ ہو۔ اور تانبا، پیتل، چونا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود ہے۔ اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت ثمن ہونا اور خوراک کا قابل ذخیرہ ہونا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا، پیتل، لوہا، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے پین، پنسل، ہتھیار، میز، کرسی اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا کسی امام کے نزدیک بھی سود نہیں ہے۔ یعنی ایک انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلہ میں بیع کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پین یا ایک بندوق کی دو پین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیع کرنا کسی امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔

سود کے مسئلہ میں ایک اور اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزوں میں تنوع (Variety) اور (Quality) کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے مثلاً باسمتی چاول اور ٹوٹا چاول، پارکر پین اور ایگل پین، عمدہ سیب اور گھٹیا سیب۔ اب اگر کوئی شخص ایک کلو باسمتی چاول تین کلو ٹوٹے چاول کے عوض فروخت کرے تو ہر چند کہ یہ بازار کے نرخ کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن اس پر سود کی تعریف صادق آئے گی اور بعض دفعہ ہر شخص کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ایک کلو باسمتی چاول کو مثلاً بارہ روپے میں فروخت کرے اور پھر بارہ روپے کی تین کلو ٹوٹے چاول خریدے۔

غالباً اسی دشواری کے پیش نظر ائمہ اور مجتہدین نے سود کے دائرہ کو کم کیا تاکہ امت کو سہولت اور آسانی حاصل ہو۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ نے ان چیزوں میں حرمت ربوٰ کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیل اور وزن قرار دی تاکہ عددی چیزیں سود کے دائرہ سے نکل جائیں۔ امام شافعی نے طعم اور ثمنیت کو علت قرار دیا تاکہ باقی استعمال کی چیزیں سود کے دائرہ سے نکل جائیں۔ امام مالک نے بھی ثمنیت اور خوراک کے قابل ذخیرہ ہونے کو علت قرار دے کر باقی استعمال کی چیزوں کو سود کے دائرہ سے نکال دیا، امام احمد کا ایک قول امام ابوحنیفہ کی طرح اور ایک قول امام شافعی کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ائمہ کرام پر رحمت فرمائے جنھوں نے امت کے لیے یسر کی راہیں تلاش کیں۔

ربا الفضل کی حرمت کا سبب

ربا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کی دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا الفضل کو اس لیے حرام قرار دیا ہے

کہ اس سے ربا النسیئہ کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خوری ہے، یہ حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ فروخت کرو مجھے خوف ہے کہیں تم سود خوری میں نہ مبتلا ہو جاؤ۔

علامہ علی متقی نے یہ حدیث طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے، (کنز العمال ج ۴ ص ۱۸۰، ۱۱۱، مطبع بیروت)

ظاہر ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جبکہ اتحاد جنس کے باوجود ان کی نوعیتیں مختلف ہوں۔ مثلاً چاول اور گندم کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو، یا سونے کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو۔ ایک جنس کی مختلف اقسام کی چیزوں کا کمی و بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنے سے اس ذہنیت کے پرورش پانے کا اندیشہ ہے جو بالآخر سود خوری اور ناجائز نفع اندوزی تک جا پہنچتی ہے اس لیے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ایک جنس کی مختلف اقسام کے باہمی تبادلہ کی اگر ضرورت ہو تو یا تو برابر برابر مبادلہ کر لیا جائے اور ان کی قیمتوں میں جو فرق ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا ایک چیز کا دوسری چیز سے براہ راست تبادلہ کرنے کے بجائے ایک شخص اپنی چیز کو روپوں کے عوض بازار کے بھاؤ پر فروخت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی چیز بازار کے بھاؤ پر خریدے۔

گندم کی گندم کے بدلے میں بیع کو برابر برابر نقد ہو تو جائز کیا گیا ہے اور ادھار کو حرام کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً زید آج دس کلوگرام گندم فروخت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں چھ ماہ بعد عمرو سے دس کلوگرام گندم لیتا ہے تو یہ ممکن ہے کہ جس وقت زید گندم فروخت کر رہا ہے اس وقت گندم کی قیمت پانچ روپے فی کلو ہو اور جب عمرو اس کو اس کے بدلے میں گندم دے گا اس وقت گندم کی قیمت آٹھ روپیہ کلو ہو تو زید کو پچاس روپیہ کے بدلہ میں چھ ماہ بعد کی مدت کے عوض اسی روپیہ حاصل ہو گئے اور یہی سود ہے۔

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کہا ہے اور ان میں فرق بالکل واضح ہے ہم دکاندار سے پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بخوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دکاندار کی محنت، ذہانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے تو اس ایک روپیہ کے بدلہ میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدل قرار دیا جا سکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپیہ پر سود لینا ناجائز ہے۔

سونے اور چاندی کی بیع میں عقد کے وقت قبضہ کرنے میں مذاہب:

حدیث نمبر ۳۹۴۴ میں ہے: مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عمر بن الخطاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت میں نے آ کر کہا کہ کسی نے دراہم فروخت کرنے ہیں؟ حضرت طلحہ نے کہا تم اپنا سونا دکھاؤ، اور بعد میں آنا جب ہمارا نوکر آئے گا تو ہم تمہیں اس کے بدلے میں چاندی دے دیں گے، حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: ہرگز نہیں! تم اس کو چاندی ابھی دو ورنہ اس کا سونا واپس کر دو! کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: چاندی سونے کے بدلے سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو، اور گندم، گندم کے بدلے سود ہے

مگر جو نقد بہ نقد ہو اور جو، جو کے عوض سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو اور کھجور، کھجور کے بدلے میں سود ہے مگر جو نقد بہ نقد ہو۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے کہا کہ جب ربوی (جس چیز میں سود ہو) کی ربوی سے بیع کی جائے تو اس میں دونوں طرف سے قبضہ کرنا ضروری ہے بشرطیکہ دونوں بدل علت ربا میں متفق ہوں خواہ ان کی جنس متفق ہو یا نہ ہو، مثلاً سونے کی سونے کے ساتھ بیع ہو یا سونے کی چاندی کے ساتھ بیع ہو، فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عقد کے بعد فریقین کا قبضہ کرنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر عقد کے بعد قبضہ نہیں ہوا خواہ مجلس میں فریقین نے بدلین پر قبضہ کر لیا ہو تو ان کے نزدیک یہ بیع صحیح نہیں ہے، اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء کا موقف یہ ہے کہ جب مجلس میں قبضہ ہو جائے تو بیع صحیح ہے خواہ عقد سے مؤخر ہو اور اس حدیث سے فقہاء مالکیہ کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ طلحہ بن عبید اللہ نے اس بیع میں سونا لے لیا تھا اور اس کے عوض دراہم کی ادائیگی کو مؤخر کر دیا تھا، ان کے خیال میں سونے اور چاندی کی بیع بھی عام بیع کی طرح تھی اس لیے حضرت عمر نے ان کو مسئلہ کا حکم بتلایا۔ [1]

کرنسی نوٹوں کی نوٹوں سے بیع میں ادھار کا حکم

کرنسی نوٹ چونکہ فی نفسہٖ غیر متعین ہوتے ہیں، اس لیے جب کرنسی نوٹوں کی کرنسی نوٹوں سے بیع کی جائے تو اس میں ادھار جائز نہیں ہے خواہ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کی اسی ملک کی کرنسی سے بیع ہو یا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے بیع ہو کیونکہ جس طرح دینار اور درہم غیر معین ہوتے ہیں اسی طرح کرنسی نوٹ بھی غیر معین ہیں۔

(نوٹ کی نوٹ کے عوض بیع صرف اس وقت صحیح ہے جب مجلس عقد میں دونوں عوض موجود ہوں، مساوی ہوں اور ان کو تعیین سے متعین کر لیا جائے۔) اور بیع صرف میں ادھار کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صرف، ثمن کے بدلے میں ثمن کی بیع ہے اور اثمان غیر معین ہوتی ہیں اور غیر معین کی غیر معین سے بیع جائز نہیں ہے۔ شمس الائمہ السرخسی بیع صرف کی تعریف میں لکھتے ہیں:

هو مبادلة الاثمان بعضها ببعض [2] "بعض ثمن کی بعض دوسری ثمن کے ساتھ بیع کو بیع صرف کہتے ہیں۔"

نیز علامہ سرخسی لکھتے ہیں کہ مال کی ایک قسم وہ ہے جو ہر حال میں ثمن ہے وہ درہم اور دینار ہیں، دوسری قسم وہ ہے جو ہر حال میں مبیع ہیں یہ وہ چیزیں ہیں جو ذوات الامثال نہوں جیسے مصنوعات اور مویشی وغیرہ، تیسری قسم وہ ہے جو کبھی ثمن اور کبھی مبیع ہوتی ہیں جیسے ماپ اور تول والی چیزیں ان میں سے جس چیز کو عقد میں عوض قرار دیا جائے وہ ثمن ہوتی ہے اور دوسری مبیع ہوتی ہے [3] نیز علامہ سرخسی لکھتے ہیں اس عقد کے اندر مجلس میں مبیع اور ثمن دونوں پر فریقین کا قبضہ کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ عقد ثمن کے بدلے میں ثمن سے عبارت ہے اور عقد کے سبب سے ثمن ذمہ میں دَین (قرض) ہوتا ہے اور دَین کے بدلے میں دَین شریعت میں حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے بیع الثمن بالثمن بھی ممنوع ہے۔ سو قبضہ اس لیے ضروری ہے کہ اس عقد میں تعیین قبضہ سے ہی حاصل ہوتا ہے (کیونکہ درہم اور

WWW.NAFSEISLAM.COM

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ

[3] ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، المبسوط ج ۱۴ ص ۲

دینار غیر متعین ہوتے ہیں) اس لیے مجلس میں قبضہ ضروری ہے کیونکہ شریعت میں حالت مجلس حالت عقد کے قائم مقام ہے اور جب قبضہ سے تعیین ہو جاتی ہے تو اس کو عقد میں بمنزلہ موجود مانا جائے گا اور چونکہ بیع صرف میں ایک عوض کو دوسرے عوض پر ترجیح نہیں ہے اس لیے ہم نے بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری قرار دیا ہے۔ [1]

کرنسی نوٹوں کی آپس میں بیع کے اندر ادھار جائز نہیں ہے اور دونوں طرف سے قبضہ ضروری ہے اس پر مزید دلیل یہ ہے کہ علامہ شامی نے پیتل کے پیسوں کی پیتل کے پیسوں کے بدلے بیع میں جامع الصغیر اور قاری الہدایہ کے حوالے سے دونوں عوضوں پر مجلس میں قبضہ کرنے کو ضروری اور ادھار کو ناجائز لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کی علت پیسوں کا ثمن ہونا ہے۔ [2]

مولانا امجد علی لکھتے ہیں:

دوسری قسم غیر خلقی جس کو ثمن اصطلاحی بھی کہتے ہیں یہ وہ چیزیں ہیں کہ ثمنیت کے لیے مخلوق نہیں مگر لوگ ان سے ثمن کا کام لیتے ہیں ثمن کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں، جیسے پیسہ، نوٹ، نکل کی ریزگاریاں یہ سب اصطلاحی ثمن ہیں روپے کے پیسے بھنائے جائیں یا ریزگاریاں خریدی جائیں یہ صرف میں داخل ہے [3] اس لیے نوٹ کی نوٹ کے عوض بیع، بیع الکالی بالکالی ہے اور ناجائز ہے۔

سونے اور چاندی کی مصنوعات کی بیع میں ادھار کا حکم

سونے اور چاندی کے زیورات اور دیگر مصنوعات کی بیع دینار اور درہم کے عوض بیع نہیں ہے کیونکہ یہ بیع صرف ہے، اور نوٹ چونکہ بحیثیت ثمن سونے کے حکم میں ہیں اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات کی نوٹوں کے عوض بیع، بیع صرف ہے نیز ابھی ہم نے بہار شریعت کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے کہ نوٹ صرف میں داخل ہیں، اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات اور دیگر مصنوعات کی نوٹوں کے عوض بیع میں یہ ضروری ہے کہ جس مجلس میں یہ بیع ہو اسی مجلس میں خریدار زیورات پر اور بائع نوٹوں پر قبضہ کرے، اس لیے اس بیع میں ادھار جائز نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے:

واما شرائطه فمنها قبض البدلين قبل الافتراق كذا في البدائع. سواء كانا يتعينان كالمصوغ اولا يتعينان كالمضروب او يتعين احدهما ولا يتعين الأخر. [4]

بیع صرف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مجلس چھوڑنے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کر لیا جائے عام ازیں کہ دونوں عوض متعین ہوں جیسے (سونے اور چاندی کی...) مصنوعات یا غیر متعین ہوں جیسے (سونے اور چاندی کے) سکے (درہم اور دینار، اور نوٹ بھی انہی کے حکم میں ہیں) یا ان میں سے ایک متعین ہو اور دوسرا غیر متعین ہو۔

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۲۵۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ، بہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۸۹ ا ھ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی

[4] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، عالمگیری ج ۳ ص ۲۱۷ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

بالخصوص سونے اور چاندی کی بیع میں مجلس کے اندر قبضہ کی شرط کیوں ہے؟

فقہاء احناف کے نزدیک بیع صرف کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ بائع ثمن پر اور خریدار مبیع پر مجلس میں قبضہ کر لیں، جبکہ دوسری بیوع میں مبیع اور ثمن کی صرف تعیین کافی ہوتی ہے اور مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا اور چاندی چونکہ خلقۃً ثمن ہیں اس لیے وہ غیر متعین ہیں اور جب تک مجلس میں ان پر قبضہ نہ کر لیا جائے وہ متعین نہیں ہوتے، اس کے برخلاف باقی اشیاء چونکہ ثمن نہیں ہیں اس لیے وہ صرف اشارے کی تعیین سے ہی متعین ہو جاتی ہیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درہم اور دینار تو بے شک ثمنیت کی وجہ سے متعین نہیں ہوتے (مثلاً اگر کسی شخص نے پانچ دینار دینے ہیں تو اس پر کوئی معین دینار دینے ضروری نہیں وہ کوئی سے دینار بھی دے دے اپنے ذمہ سے بری ہو جائے گا یا کسی معین دینار کے ضائع ہو جانے سے عقد باطل نہیں ہوگا) لیکن سونے اور چاندی کے زیورات یا دیگر مصنوعات اپنی حیثیت کذائی سے متعین ہوتی ہیں ان میں مجلس کے اندر قبضہ کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سونا اور چاندی چونکہ خلقۃً ثمن ہیں اس لیے ان میں عدم تعیین کا شائبہ موجود ہے اس لیے سونے اور چاندی کے زیورات کو بھی دینار اور درہم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا اور سونے اور چاندی کی بیع میں مطلقاً قبضہ ضروری کر دیا گیا۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں: (بیع صرف میں) مجلس چھوڑنے سے پہلے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الذھب بالورق ربًّ الا ھاء وھاء الحدیث [1] "سونے کے بدلے میں چاندی کی بیع سود ہے مگر جو دست بدست ہو۔" نیز حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا بمثل ولا تشفوا بعضھا علی بعض ولا تبیعوا منھا غائبا بناجز۔ [2] "سونے کو سونے کے بدلے میں صرف برابر برابر فروخت کرو، اور بعض کو بعض سے کم نہ کرو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں صرف برابر، برابر فروخت کرو اور بعض کو بعض سے کم نہ کرو اور نقد سونے یا چاندی کو ادھار کے بدلے میں نہ فروخت کرو۔" حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الذھب بالورق دینا [3] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کو چاندی کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے" (ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی اموال ربویہ کو بھی دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا ہے لیکن چونکہ وہ عدم ثمنیت کے سبب تعیین سے متعین ہو جاتے ہیں اس لیے ان میں عقد کے وقت تعیین کافی ہے اور مجلس میں قبضہ ضروری نہیں ہے) نیز سونے اور چاندی میں بیع کے وقت قبضہ کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ احادیث اور آثار وارد ہیں۔ چنانچہ علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں:

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] " " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۱، " " " "

[3] " " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۱ " " " "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم سے خریدار گھر جانے کی مہلت طلب کرے تو اس کو مہلت نہ دو، نیز ایک عوض پر قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ یہ عقد بیع الدین بالدین (یعنی بیع الثمن بالثمن) سے نکل جائے اور دوسرا عوض بھی (ثمنیت میں) پہلے عوض کے مساوی ہے اس لیے اس پر بھی قبضہ ضروری ہے تاکہ ترجیح بلا مرجح لازم نہ آئے اس لیے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے خواہ وہ مصنوعات کی طرح متعین ہوں یا سکوں کی طرح غیر متعین ہوں یا ایک متعین ہو اور دوسرا غیر متعین ہو کیونکہ حدیث میں مطلقاً سونے اور چاندی کو دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا ہے، نیز سونے اور چاندی کی مصنوعات ہر چند کہ متعین ہیں لیکن ان میں ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے عدم تعیین کا شبہ موجود ہے، اس لیے سود کے شبہ کا اعتبار کرتے ہوئے ان میں بھی قبضہ ضروری ہے۔ اور مجلس چھوڑنے سے مراد یہ ہے کہ دونوں فریق مجلس چھوڑ کر چلے جائیں اگر دونوں فریق اسی مجلس میں سو گئے یا بے ہوش ہو گئے تو بیع صرف باطل نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا اگر ایک فریق چھت سے کود جائے تو تم بھی کود جاؤ۔ [۱]

بیع صرف میں حضرت امیر معاویہ کا نظریہ

حدیث نمبر ۳۹۲۹ میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاندی کے برتن کی بیع میں سود ہونے سے انکار کیا غالباً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ چاندی کے بنے ہوئے برتن کی بیع زیادہ چاندی کے عوض جائز ہے اور وہ زیادتی اس برتن کی بناوٹ کے عوض ہوگی۔

علامہ ابن رشد نے لکھا ہے کہ جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ خالص سونا، سونے کے سکے ہوں یا سونے کی مصنوعات ہوں، ان میں بعض کی بعض کے ساتھ زیادتی سے بیع جائز نہیں ہے، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سونے کی مصنوعات کی سونے کے ساتھ بیع میں زیادتی جائز قرار دیتے ہیں اور زیادتی کو بناوٹ کے عوض کی طرف راجع کرتے ہیں۔ [۲]

سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کو مفرد سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرنے میں مذاہب

حدیث نمبر ۳۹۶۴ میں ہے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ خیبر میں بارہ دینار کا ایک ہار خریدا، جس میں سونا اور پتھر لگے ہوئے تھے، جب میں نے ہار سے سونا علیحدہ کیا تو وہ سونا بارہ دینار سے زیادہ تھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ہار سے سونے کو علیحدہ کیے بغیر نہ فروخت کیا جائے۔
اس سے پہلی حدیث میں حضرت فضالہ نے بیان کیا ہے کہ وہ ہار مال غنیمت سے ملا تھا۔
علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو چیز سونے سے مرکب ہو اس کو مفرد سونے کے عوض بیچنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس سے سونا علیحدہ نہ کر لیا جائے پھر سونے کو سونے کے عوض بیچا جائے اور باقی ماندہ چیز کو جس طرح چاہے فروخت کرے، اسی طرح جو چیز چاندی سے مرکب ہو اس کو مجرد

---

[۱] امام ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۰۵، ۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان
[۲] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۱۴۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

چاندی کے عوض فروخت کرنے کا حکم ہے بلکہ تمام ربوی مرکبات کا مجرد ربویات کے عوض بیع کا یہی حکم ہے، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور دیگر اسلاف کا یہی نظریہ ہے، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق اور محمد بن عبد الحکم مالکی کا بھی یہی موقف ہے، اور امام ابوحنیفہ، ثوری، اور حسن بن صالح یہ کہتے ہیں کہ مثلاً سونے سے مرکب چیز کو مرکب چیز میں موجود سونے سے زیادہ سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ سونے کی جو مقدار مرکب چیز کے سونے کے برابر ہے وہ اس کے مقابلہ میں ہوگی اور زائد سونا مرکب کے باقی اجزاء کے مقابلہ میں ہوگا۔ سعیدی غفر لہٗ اور اگر مجرد سونا مرکب میں موجود سونے کے برابر یا کم ہو تو پھر یہ بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک اور دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مثلاً جس تلوار میں سونا لگا ہوا ہو اس کو مجرد سونے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ سونا اس چیز کے تابع ہو، اور ان کے نزدیک اس کا اندازہ یہ ہے کہ سونا اصل کا تہائی یا اس سے کم ہو اور حماد بن سلیمان نے کہا کہ جو چیز سونے سے مرکب ہو اس کی سونے کے عوض بیع مطلقاً جائز ہے خواہ مجرد سونا مرکب سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو یا برابر ہو لیکن یہ نظریہ احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل اور غلط ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ ہمارے فقہاء کے موقف پر ہار والی مذکور الصدر حدیث دلیل ہے۔ فقہاء احناف اس حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ حضرت فضالہ بن عبید نے بارہ دینار کا ہار خریدا تھا اور اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا موجود تھا۔ اس وجہ سے آپ نے اس بیع سے منع فرمایا اور اس صورت میں ہم بھی بیع کرنا جائز کہتے ہیں، ہم صرف اس صورت میں بیع کو جائز کہتے ہیں جب مرکب کے سونے سے مجرد سونا زیادہ ہو، اس طرح سونے کی زائد مقدار مرکب کے باقی اجزاء کے عوض ہو جائے گی بس گویا کہ یہ دو عقد ہیں۔ امام طحاوی نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ یہ ہار مال غنیمت سے ملا تھا آپ کو خدشہ تھا کہ مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں غبن کرنے کی عادت نہ پڑ جائے۔ (علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں) ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں جواب ضعیف ہیں، خصوصاً امام طحاوی کا جواب کیونکہ یہ بلا دلیل دعویٰ ہے، اور فقہاء احناف کے موقف کے بطلان اور ہمارے موقف کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک ہار سے سونا الگ نہ کر لیا جائے اس کو فروخت نہ کیا جائے اور آپ کے اس ارشاد میں اس کی تصریح ہے کہ جو چیز سونے اور چاندی سے مرکب ہو اس کو مجرد سونے یا چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح نہیں ہے خواہ مجرد سونا یا چاندی مرکب کے سونے یا چاندی سے کم ہو یا زیادہ ہے۔ [1]

سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کو مفرد سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرنے میں فقہاء احناف کا موقف

WWW.NAFSEISLAM.COM

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفضۃ بالفضۃ وزنا بوزن.

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۶ - ۲۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

"چاندی کو چاندی کے عوض برابر وزن سے فروخت کرو"۔ پس جب ایک شخص نے سو درہم کے عوض ایک ایسی تلوار خریدی جس میں سو درہم کی چاندی جڑی ہوئی تھی، اور تلوار کی قیمت بھی سو درہم تھی۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے کیونکہ اس نے اپنی چاندی کے وزن کے برابر چاندی خرید لی اور تلوار بغیر عوض کے رہ گئی جبکہ اس کی قیمت بھی ضروری ہے اگر قیمت سے کچھ چاندی کو تلوار کا عوض قرار دیا جائے تو پھر یہ چاندی تلوار میں جڑی ہوئی چاندی کے مقابلہ میں کم رہ جائے گی پس یہ بیع اس وقت تک باطل رہے گی جب تک ثمن میں دی جانے والی چاندی تلوار میں جڑی ہوئی چاندی سے زیادہ نہ ہو۔[1]

فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف کے نزدیک حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ سونے سے مرکب چیز کو اس میں موجود سونے سے کم سونے کے عوض خریدا جائے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۳۹۶۴ سے ظاہر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لا تباع حتی تفصل۔ "ہار اس وقت تک نہ فروخت کیا جائے جب تک کہ اس سے سونا علیحدہ نہ کر لیا جائے"۔ فقہاء احناف کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ نہی ارشاد ہے، آپ نے سونا الگ کیے بغیر بیع سے اس لیے منع فرمایا کہ شاید لوگ اس باریکی کو نہ سمجھ سکیں کہ ہار کے سونے کے عوض زیادہ سونے کی بیع جائز ہے اور برابر سونے یا کم سونے کے عوض بیع جائز نہیں ہے اور غلط فہمی سے لوگ بیع فضل میں مبتلا ہو جائیں اس لیے آپ نے مطلقاً منع فرما دیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ اور تابعین نے سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کی مجرد سونے اور چاندی کے عوض بیع کو جائز کہا ہے بشرطیکہ عوض میں مجرد سونا مرکب کے سونے سے زیادہ ہو، اگر اس حدیث کو علی الاطلاق تحریم پر محمول کیا جائے، جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کی رائے ہے تو اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کو غلط اور فعل حرام کا مجوز قرار دینا پڑے گا۔ امام ابوحنیفہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ حتی الامکان صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے اقوال اور افعال کو حجت مانتے ہیں اس لیے وہ اس حدیث میں تاویل کر کے سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کی مفرد اور مجرد سونے کے عوض بیع کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ عوض میں دیا جانے والا سونا زائد ہو۔

سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کو زیادہ سونے اور چاندی کے عوض فروخت کرنے کے بارے میں آثار صحابہ و اقوال تابعین

امام شافعی اور امام احمد سونے اور چاندی سے مرکب اشیاء کی سونے اور چاندی کے عوض بیع کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اس بیع کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ عوض میں دیا جانے والا سونا مرکب میں موجود سونے سے مقدار میں زیادہ ہو۔ امام ابوحنیفہ کے مؤقف پر صحابہ کرام اور تابعین کے حسب ذیل آثار اور اقوال ہیں:

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کتاب الحجۃ ج ۲ ص ۵۷۶ - ۵۷۵، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قال الثوری: وقولنا اذا باعہ باکثر مما فیہ ولا باس بہ۔[۱]

ثوری کہتے ہیں: ہمارا قول یہ ہے کہ جب سونے سے مرکب چیز کو زیادہ سونے کے عوض فروخت کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابراهیم اذا کانت الحلیۃ اقل من الثمن فلا باس بہ۔[۲]

ابراہیم کہتے ہیں کہ جب (مرکب میں) زیور، ثمن سے کم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن شعبۃ قال سالت حمادا عن السیف المحلی یباع بالدراھم فقال: لا باس بہ، وقال الحکم اذا کانت الدراھم اکثر من الحلیۃ فلا باس بہ۔[۳]

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حماد سے سونے یا چاندی سے جڑی ہوئی تلوار کی درہموں کے عوض بیع کے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں اور حکم نے کہا جب دراہم زیور سے زیادہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابی معشر عن ابراهیم انہ کان لا یری باسا اذا کان الثمن اکثر من الحلیۃ ویکرھہ اذا کان الثمن اقل من الحلیۃ۔[۴]

ابومعشر کہتے ہیں کہ اگر ثمن (جڑے ہوئے زیور) سے زیادہ ہوتی تو ابراہیم اس بیع میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور اگر ثمن زیور سے کم ہوتی تو اس کو مکروہ کہتے تھے۔

عن ابراهیم قال کان خباب قینا وکان ربما اشتری السیف المحلی بالورق۔[۵]

ابراہیم کہتے تھے کہ خباب لوہار تھے اور بسا اوقات جڑاؤ تلوار کو چاندی کے بدلے میں خریدتے تھے۔

عن الشعبی قال: لا باس ان یشتری السیف المحلی بالورق۔[۶]

شعبی کہتے ہیں کہ جڑاؤ تلوار کو چاندی کے بدلے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[۱] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ ھ، المصنف ج ۸ ص ۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۲ ھ

[۲] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۸ ص ۶۹

[۳] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۶ ص ۵۵-۵۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ ھ

[۴] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۵۶،

[۵] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۵۳،

[۶] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۶ ص ۵۶،

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن سعید بن عبد الرحمان قال: سالت سلیمان بن موسٰی عن السیف المحلی بالفضة فقال: لا باس به وقال مکحول: الجاریة تباع وعلیها حلی [1]

سعید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن موسٰی سے چاندی کی جڑاؤ تلوار کے بارے میں پوچھا انھوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ مکحول نے کہا باندی کو فروخت کیا جاتا ہے، حالانکہ اس پر زیور بھی ہوتے ہیں۔

عن مغیرة بن حنین قال: سالت علیا عن جامات من ذهب مخلوطا بفضة اتباع بالفضة؟ قال، فقال هكذا برأسه ای لا باس به۔ [2]

مغیرہ بن حنین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا سونے اور چاندی سے مخلوط پیالے کو کیا چاندی کے عوض فروخت کیا جا سکتا ہے؟ حضرت علی نے سر کے اشارے سے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔

عن سعید بن عروة وغیره ان الحسن کان لا یری باسا باشتراء السیف المحلی والخاتم بالدراهم [3]

سعید بن عروہ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ حسن جڑاؤ تلوار اور جڑاؤ انگوٹھی کو درہم کے بدلے خریدنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

عن طارق بن شهاب قال کنا نبیع السیف المحلی بالفضة ونشتریه [4]

طارق بن شہاب کہتے ہیں ہم جڑاؤ تلوار کو چاندی کے بدلے میں بیچتے تھے۔ اور خریدتے تھے۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال، لا باس ببیع السیف المحلی بالدراهم۔ [5]

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جڑاؤ تلوار کو دراہم کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابو جعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن الحسن انه کان لا یری باسا ان یباع السیف المفضض بالدراهم باکثر مما فیه تکون الفضة بالفضة والسیف بالفضل [6]

حسن اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ جڑاؤ تلوار کو زیادہ دراہم کے عوض فروخت کیا جائے، چاندی، چاندی کے عوض ہوگی اور باقی دراہم کے عوض تلوار ہوگی۔

عن ابراهیم انه قال فی بیع السیف المحلی اذا کانت الفضة التی فیه اقل من الثمن فلا باس بذالك [7]

ابراہیم نے کہا جب جڑاؤ تلوار کی چاندی ثمن کی چاندی سے کم ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[1] امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۶ ص ۵۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ ھ

[2] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۷، " " "

[3] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۷، " " "

[4] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۷، " " "

[5] " " " ، المصنف ج ۶ ص ۵۸، " " "

[6] امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۳۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۴ ھ

[7] " " " ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۳۹، " " "

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن طارق بن شہاب قال کنا نبیع السیف المحلی ونشتریہ بالورق رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات۔[1]

طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ہم جڑاؤ تلوار کو چاندی کے عوض فروخت کرتے تھے اور خریدتے تھے، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

حضرت ابن عباس کا ربا الفضل کے جواز سے رجوع

حدیث نمبر ۳۹۷۵ میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عباس پہلے ربا الفضل کو جائز سمجھتے تھے لیکن جب ان کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا الفضل سے منع کیا ہے تو انھوں نے اس کو مکروہ قرار دیا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ربا الفضل کی حرمت کی حدیث سننے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی سابق رائے سے رجوع کر لیا۔ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔

امام حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ ابو مجلز سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خدری نے حضرت ابن عباس سے کہا اے ابن عباس! کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کب تک لوگوں کو سود کھلاتے رہو گے؟ کیا تم کو یہ حدیث نہیں پہنچی پھر کھجوروں کی زیادتی سے بیع کے متعلق وہی حدیث بیان کی جو امام مسلم نے ۳۹۷۵ نمبر پر ذکر کی ہے۔ اس حدیث کو سننے کے بعد حضرت ابن عباس نے فرمایا:

فقال ابن عباس جزاک اللہ یا ابا سعید الجنۃ فانک ذکرتنی امرا کنت نسیتہ۔ استغفر اللہ واتوب الیہ فکان ینھی عنہ بعد ذلک اشد النھی ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ بھذہ السیاقۃ۔[2]

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اے ابو سعید! اللہ تعالیٰ تم کو جزا میں جنت عطا فرمائے، تم نے مجھ کو ایک ایسی چیز یاد دلائی ہے جس کو میں بھول چکا تھا، پھر اس کے بعد حضرت ابن عباس زیادہ شدت کے ساتھ ربا الفضل سے منع کرتے تھے، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو اس طریقہ سے روایت نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے پہلے یہ حدیث سنی تھی کہ "انما الربوا فی النسیئۃ" صرف ادھار میں (زیادتی) سود ہے۔" اس حدیث کی تحقیق عنقریب آرہی ہے، اس سے حضرت ابن عباس نے یہ نتیجہ نکالا کہ نقد بیع میں زیادتی سود نہیں ہے اس لیے وہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک درہم کی دو درہم کے عوض بیع اگر نقد ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جب انھوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ربا الفضل کے بارے میں صریح ممانعت کی روایت سن لی تو انھوں نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر لیا۔ یہ بے نفس لوگ تھے سوائے للہیت کے

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
[2] امام محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۴۳ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ۔

ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں تھا!

زیاد کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے ساتھ طائف میں تھا۔ انھوں نے اپنی موت سے ستر دن پہلے صرف میں زیادتی کے جواز سے رجوع کر لیا تھا۔[1]

حضرت اسامہ کی روایت "سود صرف ادھار میں ہے" کی وضاحت

حدیث نمبر ۳۹۷۶ سے لے کر ۳۹۷۹ تک حضرت اسامہ بن زید کی اس روایت کا ذکر ہے انما الربٰو فی النسیئۃ "صرف ادھار میں (زیادتی) سود ہے" اس حدیث کے مفہوم مخالف کے اعتبار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقد بیع میں زیادتی سود نہیں ہے، حالانکہ جب قدر اور جنس متحد ہوں تو نقد بیع میں زیادتی بھی سود ہے جیسا کہ بکثرت احادیث میں اس کا بیان ہو چکا ہے اس لیے جمہور فقہاء اور شارحین حدیث نے اس حدیث کے متعدد جواب دیے ہیں، علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ عسقلانی، علامہ بدر الدین عینی اور علامہ وشتانی نے اس حدیث کے جو جوابات ذکر کیے ہیں ہم ان کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

(۱)۔ انما الربٰو فی النسیئۃ سے جو ربا الفضل کا جواز ثابت ہوتا ہے وہ حضرت ابو سعید اور دیگر صحابہ کی روایات سے منسوخ ہے۔

(۲)۔ انما الربٰو فی النسیئۃ سے ربا الفضل کا جواز حدیث کے مفہوم (مخالف) سے ثابت ہوتا ہے اور حضرت ابو سعید کی حدیث سے ربا الفضل کی حرمت حدیث کے منطوق سے ثابت ہوتی ہے اور منطوق، مفہوم پر راجح ہے۔

(۳)۔ حضرت اسامہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ ربٰو جو حرام شدید ہے، جس پر وعید شدید آئی ہے وہ صرف ادھار میں ہے جیسے کسی بڑے عالم کے بارے میں کہا جائے شہر میں اس کے سوا اور کوئی عالم نہیں ہے، حالانکہ اس کے سوا اور بھی علماء ہوتے ہیں لیکن اتنے بڑے اور مشہور عالم نہیں ہوتے اسی طرح ادھار کے علاوہ بھی سود حرام ہے لیکن اتنا شدید نہیں۔

(۴)۔ حضرت اسامہ کی روایت میں ربٰو سے مراد ربٰو القرآن ہے۔

(۵)۔ حدیث میں مذکور چھ چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں میں صرف ادھار حرام ہے۔ یہ جواب علامہ وشتانی مالکی نے دیا ہے۔ لیکن اس میں یہ تاویل ضروری ہے کہ وہ چھ چیزیں حقیقۃً ہوں یا حکماً ہوں۔

(۶)۔ حضرت اسامہ کی روایت مجمل ہے اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت مفصل ہے اور مفصل حدیث مجمل پر راجح ہوتی ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ جواب امام شافعی سے منقول ہے۔

(۷)۔ حضرت اسامہ کی حدیث اموال غیر ربویہ پر محمول ہے۔

(۸)۔ علامہ عینی حنفی، علامہ کرمانی شافعی (اسی طرح علامہ عسقلانی اور علامہ نووی) اور علامہ وشتانی مالکی سب نے ہی یہ لکھا ہے کہ جب اجناس مختلف ہوں (جیسے گندم اور جو، یا گندم اور سونا چاندی) تو ادھار حرام ہے اور تفاضل جائز ہے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث اسی پر محمول ہے۔

---

[1] علامہ علاؤ الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۲۰۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبع الخامس، ۱۴۰۵ھ

اجناس مختلفہ میں اتحاد قدر کے باوجود ادھار بیع کیوں جائز ہے؟

حضرت اسامہ کی حدیث کا جو آخری جواب دیا گیا ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اجناس مختلف ہوں تو پھر بیع میں ادھار حرام ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ پہلے وزنی چیزوں (مثلاً دال، چاول، لوہا اور چونا وغیرہ) کی دینار اور درہم سے بیع ہوتی تھی اور مدت معینہ کے ادھار پر بھی ہوتی تھی اور اب وزنی چیزوں کی بیع کرنسی نوٹوں کے عوض ہوتی ہے جو بحیثیت ثمن دینار اور درہم کے حکم میں ہیں اور یہ بیع مدت معینہ کے ادھار پر بھی ہوتی ہے اور اس ادھار کو کبھی کسی نے ناجائز نہیں کہا حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب اجناس مختلف ہوں اور قدر (مثلاً وزنی ہونے) میں وہ اجناس مختلفہ متحد ہوں تو تفاضل جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔ میں نے کئی معاصر مشہور علماء پر یہ اشکال پیش کیا[1] لیکن کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ پھر میں نے دیکھا علامہ جلال الدین خوارزمی نے کفایہ میں لکھا ہے کہ اجناس مختلفہ میں ادھار اس وقت حرام ہوگا جب مثلاً دونوں چیزیں وزنی ہوں اور دونوں مثمن یا ثمن ہونے میں متحد ہوں۔[2] مثلاً سونے کی چاندی کے عوض ادھار بیع حرام ہے کیونکہ جنس مختلف ہونے کے باوجود یہ دونوں ثمن ہونے میں متحد ہیں یا مثلاً گندم کی جو کے عوض ادھار بیع حرام ہے کیونکہ جنس مختلف ہونے کے باوجود یہ دونوں مثمن ہونے میں متحد ہیں لیکن مثلاً چینی یا چاول کی درہم، دینار یا نوٹوں اور پیسوں کے عوض ادھار بیع جائز ہے کیونکہ یہاں ہر چند کہ جنس مختلف ہیں لیکن چینی اور چاول مثمن ہیں اور درہم، دینار، نوٹ اور پیسے وغیرہ ثمن ہیں اس لیے ان میں ادھار جائز ہے۔ فانحل الاشکال والحمد للہ رب العلمین۔

سود کے موضوع پر میں جن عنوانات پر مسلسل مطالعہ اور غور و فکر کرتا رہا اس کا حاصل میں نے اس بحث میں پیش کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور مجھے اور قارئین کو دنیا و آخرت کی ہر بلا اور وبا سے محفوظ اور مامون رکھے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

بَابُ[۵۱۳] اَخْذِ الْحَلَالِ وَتَرْكِ الشُّبُهَاتِ

حلال لینا اور مشتبہ چیزوں کو ترک کر دینا۔

۳۹۸۲- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ نَا اَبِي قَالَ نَا زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاَهْوَى النُّعْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ بِاِصْبَعَيْهِ اِلٰى اُذُنَيْهِ اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے، اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہے، سو جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جس شخص نے امور مشتبہ کو اختیار کیا وہ حرام میں مبتلا ہو گیا، جس طرح کوئی شخص کسی چراگاہ کی حدود کے گرد جانور چرائے تو

---

[1] مثلاً علامہ مفتی محمد حسین نعیمی لاہور۔

مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ.

قریب ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں بھی چر لیں، سنو! ہر بادشاہ کی چراگاہ کی ایک حد ہوتی ہے، اور یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں، اور سنو! جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو پھر پورا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور یاد رکھو! وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

۳۹۸۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنِي عِيسَى بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زَكَرِيَّا بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

۳۹۸۴ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مُطَرِّفٍ وَأَبِي فَرْوَةَ الْهَمْدَانِيِّ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ نَا يَعْقُوبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقَارِيَّ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعِيدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ زَكَرِيَّا أَتَمُّ مِنْ حَدِيثِهِمْ وَأَكْثَرُ.

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے۔ البتہ راوی زکریا کی روایت ان کی روایت سے زیادہ مکمل اور پوری ہے۔

۳۹۸۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے حمص میں دوران خطبہ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے پھر اس کے بعد "قریب ہے" تک

WWW.NAFSEISLAM.COM

هِلَالٍ عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرِ بْنِ سَعْدٍ صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِحِمْصٍ وَهُوَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ إِلَى قَوْلِهِ يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ۔

زکریا کی روایت کی طرح ذکر کیا۔

باب مذکور کی حدیث کی اہمیت

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بہت اہم اور عظیم ہے، اس کے فوائد کثیر ہیں اور یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر احکام اسلام کا مدار ہے، ایک جماعت نے کہا یہ تہائی اسلام ہے، باقی دو حدیثیں یہ ہیں: انما الاعمال بالنیات ـ "اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے" من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ ـ "کسی مسلمان کا اچھا عمل یہ ہے کہ وہ غیر متعلق چیزوں میں نہ پڑے"، اور امام ابوداؤد نے کہا یہ حدیث چوتھائی اسلام ہے، تین یہ احادیث ہیں اور چوتھی یہ ہے: "لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ ـ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسی چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔

علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رہنمائی کی ہے کہ انسان کا کھانا پینا اور لباس حلال ہونا چاہیے اور حلال چیزوں کے حصول کی رہنمائی کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ امور مشتبہ کو ترک کر دینا چاہیے۔ [1]

امور مشتبہ کی تشریح میں علماء کے اقوال

علامہ خطابی نے لکھا ہے کہ امور مشتبہ فی نفسہا مشتبہ نہیں ہیں بلکہ ان کا مشتبہ ہونا اضافی ہے، یعنی جو شخص ان امور کا حکم نہیں جانتا اس پر یہ مشتبہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بیان کیے بغیر نہیں چھوڑا، ہر چیز کا حکم بیان کر دیا ہے اور اس کی دلیل قائم کر دی ہے، لیکن ایک بیان جلی ہے جس کو ہر شخص جان لیتا ہے اور ایک بیان خفی ہے جس کو صرف علماء ہی اجتہاد اور استنباط کے طریقوں سے جانتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے مراد امور اجتہادیہ ہیں، یعنی جس چیز کا حلال یا حرام ہونا قرآن مجید اور حدیث شریف کی صریح عبارت سے معلوم نہ ہو اور نہ اس پر اجماع ہو، جیسے اس زمانے کے مسائل مثلاً انتقال

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

خون، انسانی اعضاء کی پیوندکاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، بیمہ زندگی، ٹیلی فون پر نکاح وغیرہ) یہ وہ امور اجتہادیہ ہیں جن کا حکم مجتہد اپنے اجتہاد سے معلوم کرتا ہے، اور اس کو حلال یا حرام کے ساتھ لاحق کر دیتا ہے، تاہم اگر مجتہد کسی چیز کو اپنے اجتہاد سے حلال قرار دیتا ہے تب بھی تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ارتکاب نہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا اجتہاد خطا ہو۔

تیسرا قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے مراد امور مکروہہ ہیں اور اس حدیث سے مقصود امور مکروہہ سے اجتناب پر برانگیختہ کرنا ہے کیونکہ بہت سے لوگ امور مکروہہ سے اجتناب نہ کرنے میں کوئی جھجک اور حجاب محسوس نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بہر حال حرام تو نہیں ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے مراد امور مباحہ ہیں اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے بھی بچا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ مباحات سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ ان نفوس قدسیہ نے اچھے کھانے، اچھے مشروبات، اچھے ملبوسات اور اچھے مکانوں کو قصداً حاصل نہیں کیا اور انہوں نے اپنے اجتہاد اور ارادے سے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی کو اختیار کیا۔

پانچواں قول یہ ہے کہ امور مشتبہ سے وہ امور مراد ہیں جن کی حلت اور حرمت میں دلائل متعارض ہوں اور ان امور میں احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔ ”جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو“ جب حضرت عقبہ بن حارث سے ایک حبشی عورت نے کہا میں نے تم کو اور تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے تو ہر چند کہ صرف ایک عورت کے قول سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤ۔ اور آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم زمعہ کی لونڈی کے بیٹے سے پردہ کرو حالانکہ وہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت سودہ کا بھائی تھا، لیکن چونکہ عتبہ بن ابی وقاص نے زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا تھا جس سے یہ لڑکا پیدا ہوا تھا اس لیے آپ نے احتیاطاً یہ حکم دیا، اسی طرح حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ اگر میں اپنے شکاری کتے کو بھیجوں اور جب وہ شکار کر کے لائے اور اس کے ساتھ ایک اور کتا بھی ہو اور مجھے پتا نہ ہو کہ ان میں سے کس نے شکار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو مت کھاؤ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں گری ہوئی ایک کھجور کو دیکھ کر فرمایا: اگر مجھے اس کے صدقہ ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اس کھجور کو کھا لیتا۔ ہر چند کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور جس چیز کے بارے میں پہلے حلال ہونے کا یقین ہو اور بعد میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل یا قرینہ مل جائے تو شک کی وجہ سے اس کی حلت زائل نہیں ہوتی اور اس چیز کو استعمال کرنا شرعاً درست اور جائز ہے، لیکن احتیاط، ورع اور تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔

امور مشتبہ کے بارے میں یہ پانچ اقوال علامہ عینی نے بیان کیے ہیں جن کو میں نے زیادہ وضاحت اور حسن ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ [۱]

---

[۱] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۰۰ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ،

عقل کا محل دل ہے یا دماغ؟

حدیث نمبر ۳۹۸۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: سنو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، اور یاد رکھو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ایک جماعت نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عقل قلب میں ہے سر میں نہیں ہے، اور اس میں اختلاف مشہور ہے، ہمارے اصحاب شافعیہ اور جمہور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ عقل قلب میں ہے، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ عقل دماغ میں ہے۔ علامہ مازری لکھتے ہیں عقل کے قلب میں ہونے کے قائلین اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: فتكون لهم قلوب يعقلون بها "کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھتے" اور اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے: ان فی ذٰلک لذکری لمن کان لہ قلب "بے شک اس میں دل والے کے لیے نصیحت ہے"۔ ان آیات کے علاوہ اس باب کی حدیث سے بھی اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عقل دل میں ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ عقل دماغ میں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب دماغ فاسد ہو تو عقل فاسد ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عقل دماغ میں ہوتی ہے۔ علامہ نووی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عقل دماغ میں نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہو کہ وہ دماغ کے فساد کے وقت عقل کو فاسد کر دیتا ہو، اور اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے۔[1]

علامہ نووی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ آنکھ سے بصارت کا ادراک نہیں ہوتا اور آنکھ ضائع ہو جانے سے بصارت اس لیے چلی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ وہ آنکھوں کے فساد کے وقت بصارت کو فاسد کر دیتا ہے، اور یہ بداہت کے خلاف ہے۔

دماغ کے محل عقل ہونے پر دلائل

عقل کا محل دماغ ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کی استعداد اور صلاحیت جس عضو میں رکھی ہے اس کا محل اسی عضو کو بنایا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے اور ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ غور و فکر اور سوچ و بچار کا کام دماغ سے لیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے، زیادہ غور و فکر کرنے اور زیادہ سوچ و بچار سے دماغ تھک جاتا ہے دل کو کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی، زیادہ پڑھنے سے سر میں درد ہو جاتا ہے دل میں کوئی درد نہیں ہوتا، اگرچہ پی بڑھ جانے اور مٹاپے سے عارضہ قلب کی بیماری لاحق ہو جائے اور دل کے دورے پڑنے لگیں تو اس سے انسان کی عقل متاثر نہیں ہوتی، اسی طرح بلڈ پریشر بڑھ جانے کی وجہ سے دل کو زیادہ مشقت اور محنت کرنا پڑے تو اس سے بھی عقل کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے برخلاف اگر دماغ کو کوئی بیماری لاحق ہو جیسے عدم ارتکاز، ذہنی انتشار، انجانا خوف، نسیان، مالیخولیا اور جنون وغیرہ تو ان بیماریوں سے عقل کی کارکردگی کم یا فاسد ہو جاتی ہے نیز اگر دماغ پر کوئی چوٹ لگ جائے تو اس سے بھی عقل متاثر ہوتی ہے۔ بعض اوقات دماغ کی چوٹ کی وجہ سے انسان کی یادداشت ختم ہو جاتی ہے، بعض دفعہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تمام چیزیں بکثرت مشاہدات اور بداہت سے ثابت ہیں اور ان کا انکار کرنا

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

بداہت کا انکار کرنا ہے، اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بعض لوگوں کا آپریشن سے دل بدل دیا گیا اگر عقل اور ادراک کا محل دل ہوتا تو دل بدل جانے سے پوری شخصیت بدل جانی چاہیے تھی جبکہ ان لوگوں نے بتایا کہ ان کے علوم اور معلومات، احساسات اور جذبات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا محل دماغ ہے دل نہیں ہے۔

قرآن اور حدیث میں دل کی طرف عقل اور ادراک کی نسبت کرنے کی توجیہ

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں عقل اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کی گئی ہے دماغ کی طرف نہیں کی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ عرف اور ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے اور روزمرہ کی گفتگو، عرف، محاورات اور ادبی زبان میں علم و ادراک، سوچ و بچار، احساسات، جذبات، خیالات بلکہ تقریباً دماغ کے تمام افعال کو سینے اور دل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کسی چیز کے یاد ہونے کو کہتے ہیں کہ وہ تو میرے سینے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا، میرا دل اس کو نہیں مانتا حالانکہ دل تو صرف خون پمپ کرنے کا ایک آلہ ہے۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں بھی پڑھے لکھے ادیب اور سائنس دان اپنی گفتگو میں الفت اور محبت اور علم اور ادراک کی نسبت دل کی طرف کرتے ہیں دماغ کی طرف نہیں کرتے۔

قرآن مجید میں عام لوگوں کے عرف اور محاورے کے مطابق خطاب ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وانزل من السماء ماء "اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا" (البقرہ: ۲۲) حالانکہ یہ پانی بخارات کی صورت میں زمین سے اوپر جاتا ہے اور بارش کی صورت میں نازل ہوتا ہے لیکن چونکہ عرف اور محاورے میں کہا جاتا ہے کہ آسمان سے بارش ہوئی، اس لیے اس کے مطابق خطاب فرمایا، نیز ارشاد ہے: حتی اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ: (کہف: ۸۶) "یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انھوں نے اس (سورج) کو سیاہ دلدل کے چشمہ میں غروب ہوتا ہوا دیکھا" حالانکہ عقل اور سائنس کے نزدیک سورج کبھی غروب نہیں ہوتا وہ ہمیشہ اپنے مدار میں گھومتا رہتا ہے اور یہ تو بالکل بدیہی ہے کہ سورج چشمہ میں غروب نہیں ہو سکتا لیکن عرف میں ایسا ہی کہتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "سورج پہاڑ کے پیچھے چھپ گیا" اسی طرح عرف کے مطابق یہاں ارشاد فرمایا ہے۔

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے فرمایا قرآن مجید میں عام سطح کے لوگوں اور عرف کے مطابق خطاب کیا ہے، اور عقلاء اور سائنس دانوں کی اصطلاح کے مطابق خطاب نہیں کیا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ عقل اور سائنس اور اعلیٰ درجہ کے دماغوں کے مطابق خطاب کرتا تو یہ عام لوگوں کے لیے غیر مانوس ہوتا اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکتے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے بھی خلاف تھی اور اس کی رحمت کے بھی خلاف تھی۔

باب مذکور کی اس حدیث میں صراحتہً عقل اور ادراک کی دل کی طرف نسبت نہیں کی گئی بلکہ انسانی دل کو اخلاق اور عادات کا مرکز قرار دیا ہے اگر دل میں اچھے خیالات ہوں تو انسان کے تمام اعضاء سے اچھے افعال کا ظہور ہوگا لیکن چونکہ اخلاق کا اچھا یا برا ہونا بھی انسانی فکر پر موقوف ہے اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں فکر کا مرکز دل کو قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی عرف اور محاورے کے مطابق اطلاق مجازی ہے۔ اس بحث کو مکمل کرنے کے لیے ہم اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کے نظریات پیش کریں گے، علامہ نووی کے حوالے سے ہم امام شافعی کا نظریہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ دل کو عقل کا محل قرار دیتے ہیں اب ہم باقی ائمہ اور فقہاء کے نظریات پیش کریں گے۔ تاہم اس

سے پہلے ہم عقل کی تعریف بیان کریں گے۔

عقل کی تعریف میں علماء کے اقوال

علامہ محمد فرید وجدی لکھتے ہیں: عقل انسان میں ادراک کرنے کی قوت ہے اور یہ روح کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس کا محل مخ (مغز) ہے، جیسا کہ ابصار روح کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے اور اس کا آلہ آنکھ ہے [1]

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس سے حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل سر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا محل قلب ہے [2]

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: عقل وہ قوت ہے جس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ عقل ایک جوہر ہے جس سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے [3]

علامہ زبیدی نے ابشیطی سے نقل کیا ہے کہ عقل اگر عرض ہے تو وہ نفس میں ایک ملکہ ہے، جس کی وجہ سے نفس میں علوم اور ادراکات کی صلاحیت ہے اور اگر عقل جوہر ہے تو وہ ایک جوہر لطیف ہے جس کی وجہ سے غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو دماغ میں پیدا کیا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے [4]

علامہ زبیدی نے علامہ مجد الدین کی اس تعریف کو ذکر کیا ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے اچھی اور بری چیزوں میں تمیز حاصل ہوتی ہے اور علامہ راغب اصفہانی کی یہ تعریف ذکر کی ہے: عقل وہ قوت ہے جس سے قبول علم کی صلاحیت ہے اور لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ عقل قلب یا دماغ میں ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے۔ [5]

علامہ شرتونی نے لکھا ہے عقل ایک روحانی نور ہے جس سے نفس علوم بدیہیہ اور نظریہ کا ادراک کرتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک طبعی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان میں فہم خطاب کی صلاحیت ہوتی ہے۔ [6]

محل عقل کے بارے میں ائمہ مذاہب کے اقوال

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے عقل دماغ میں ہے: شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ضرب لگائے جس سے اس کی عقل چلی جائے تو عقل کے جانے کے اعتبار سے اس پر دیت لازم ہوگی اور اس میں موضحہ (ایسی ضرب جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے، در مختار۔ م) کی ارش (جرمانہ) بھی داخل ہوگی، اور حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس میں موضحہ کی ارش داخل نہیں ہوگی کیونکہ جنایت (ضرب لگانے) کا محل

---

[1] ۔ علامہ محمد فرید وجدی، دائرۃ المعارف القرن العشرین ج ۶ ص ۳۳۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۷۱ء

[2] ۔ علامہ سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۶۵، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران۔

[3] ۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ، شرح العقائد ص ۱۶ مطبوعہ مطبع مصطفائی دہلی، ۱۳۲۷ھ

[4] ۔ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس ج ۸ ص ۲۶ مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[5] ۔ " " ، تاج العروس ج ۸ ص ۲۵ ، " " " "

[6] ۔ علامہ سعید خوری شرتونی لبنانی، اقرب الموارد ج ۲ ص ۸۱۲ مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، قم ایران، ۱۴۰۳ھ۔

مختلف ہے کیونکہ موضحہ کا محل اور ہے اور عقل کا محل اور ہے برخلاف اس صورت کے جب موضحہ بالوں کے ساتھ ہو، ہم یہ کہتے ہیں کہ عقل کا جانا نفس کے تبدیل ہو جانے اور اس کے بہائم (حیوانوں) کے ساتھ لاحق ہو جانے کے مترادف ہے اور یہ بمنزلہ موت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائے جس سے ہڈی ظاہر ہو جائے اور وہ اس سے مر جائے تو اس سے پوری دیت لازم آتی ہے اور اس میں سر پر ضرب لگانے کا جرمانہ بھی داخل ہے۔[1]

شمس الائمہ سرخسی کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر سر پر ضرب لگانے سے مکمل عقل زائل ہو جائے تو پوری دیت لازم آئے گی ورنہ اس کے حساب سے لازم آئے گی اور اس مسئلہ میں یہ دلیل ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عقل کا محل دماغ ہے۔

امام مالک کے نزدیک بھی عقل کا محل دماغ ہے: علامہ سحنون بن سعید تنوخی مالکی لکھتے ہیں:

میں نے امام عبدالرحمان بن قاسم سے سوال کیا کہ کسی شخص کے سر پر عمداً ایسی ضرب لگائی گئی جس سے اسکی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس مسئلہ میں امام مالک کا کیا قول ہے؟ امام ابن قاسم نے فرمایا اگر اس نے ایسی ضرب لگائی جس سے ہڈی ظاہر ہو گئی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو موضحہ کا قصاص لیا جائے گا اور مامومہ (ضرب دماغ تک پہنچنے میں) اس کی عاقلہ دیت ادا کریں گے، اور اگر اس نے کسی کے سر پر ایسی ضرب لگائی جس سے اس کی ہڈی ظاہر ہو گئی اور اس کی سماعت اور عقل چلی گئی تو اس کے علاج کے بعد دیکھا جائے گا اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو موضحہ میں ضارب سے قصاص لیا جائے گا پھر دیکھا جائے گا آیا اس ضرب سے مضروب کی سماعت اور عقل زائل ہو گئی ہے اگر علاج کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے اور اس کی سماعت اور عقل زائل نہیں ہوئی ہو تو اس کے مال سے سماعت اور عقل کی دیت وصول کی جائے گی۔[2]

اس مسئلہ سے واضح ہو گیا کہ امام مالک کے نزدیک بھی عقل دماغ میں ہے، امام شافعی کے بارے میں ہم پہلے علامہ نووی سے نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک عقل قلب میں ہے۔ امام رازی شافعی کی بھی یہی رائے ہے[3]۔ اور امام احمد بن حنبل کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حنبلی علماء نے عقل کا مستقر قلب قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن الجوزی حنبلی لکھتے ہیں:

القلب قطعة من دم جامدة سوداء وهو مستكن في الفؤاد وهو بيت النفس ومسكن العقل۔[4]	قلب سیاہ جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا ہے یہ دل کی کوٹھڑی ہے نفس کا گھر ہے اور عقل کا مسکن ہے۔

---

[1]۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۹۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ بیروت ۱۳۹۸ھ

[2]۔ امام سحنون بن سعید تنوخی متوفی ۲۵۶ھ، المدونۃ الکبریٰ ج ۴ ص ۴۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت

[3]۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4]۔ علامہ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸، المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۸۴ھ

باب ۱۲ بَيْعِ الْبَعِيْرِ وَاسْتِثْنَاءِ رُكُوْبِهٖ

اونٹ کو فروخت کرنا اور سواری کا استثناء کر لینا

۳۹۸۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ كَانَ يَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ لَهٗ قَدْ اَعْيَا فَاَرَادَ اَنْ يُسَيِّبَهٗ قَالَ فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا لِيْ وَضَرَبَهٗ فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهٗ قَالَ بِعْنِيْهِ بِوُقِيَّةٍ قُلْتُ لَا ثُمَّ قَالَ بِعْنِيْهِ فَبِعْتُهٗ بِاُوْقِيَّةٍ وَاسْتَثْنَيْتُ عَلَيْهِ حُمْلَانَهٗ اِلٰى اَهْلِيْ فَلَمَّا بَلَغْتُ اَتَيْتُهٗ بِالْجَمَلِ فَنَقَدَنِيْ ثَمَنَهٗ ثُمَّ رَجَعْتُ فَاَرْسَلَ فِيْ اَثَرِيْ فَقَالَ اَتُرَانِيْ مَاكَسْتُكَ لِاٰخُذَ جَمَلَكَ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ فَهُوَ لَكَ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے ایک اونٹ پر سفر کر رہے تھے جو (چلتے چلتے) تھک گیا تھا، پس حضرت جابر نے اس اونٹ کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آ ملے، آپ نے میرے لیے دعا فرمائی اور اونٹ کو ایک ضرب لگائی پھر وہ اونٹ اس قدر تیز چلا کہ اس سے پہلے کبھی اتنا تیز نہیں چلا تھا۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ اونٹ ایک اوقیہ (۴۰ درہم) کے عوض فروخت کر دو، میں نے کہا نہیں (یعنی خریدنے کی کیا ضرورت ہے، یہ اونٹ آپ ہی کا ہے) آپ نے پھر فرمایا، یہ مجھے فروخت کر دو، پھر میں نے ایک اوقیہ کے عوض وہ اونٹ فروخت کر دیا، اور یہ شرط لگائی کہ میں اس پر سوار ہو کر اپنے گھر تک جاؤں گا، جب میں اپنے گھر پہنچ گیا تو میں اونٹ لے کر آپ کے پاس گیا، آپ نے مجھے اس کی قیمت نقد ادا کر دی، جب میں لوٹ گیا تو آپ نے میرے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور فرمایا کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ میں نے تم سے قیمت کم لگوائی ہے، اپنا اونٹ بھی لے جاؤ اور یہ درہم بھی تمہارے ہیں!

۳۹۸۷ - وَحَدَّثَنَاهُ عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ اَنَا عِيْسٰى يَعْنِي ابْنَ يُوْنُسَ عَنْ زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بِمِثْلِ حَدِيْثِ ابْنِ نُمَيْرٍ.

ایک اور سند سے بھی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔

۳۹۸۸ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَاللَّفْظُ لِعُثْمَانَ قَالَ اِسْحٰقُ اَنَا وَقَالَ عُثْمَانُ نَا جَرِيْرٌ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جہاد میں گیا، آپ مجھ سے آ ملے درآں حالیکہ میں پانی

عَنْ مُغِيْرَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلَاحَقَ بِيْ وَتَحْتِيْ نَاضِحٌ لِّيْ قَدْ أَعْيَا وَلَا يَكَادُ يَسِيْرُ قَالَ فَقَالَ لِيْ مَا لِبَعِيْرِكَ قَالَ قُلْتُ عَلِيْلٌ قَالَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَهُ فَدَعَا لَهُ فَمَا زَالَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِبِلِ قُدَّامَهَا يَسِيْرُ قَالَ فَقَالَ لِيْ كَيْفَ تَرٰى بَعِيْرَكَ قَالَ قُلْتُ بِخَيْرٍ قَدْ أَصَابَتْهُ بَرَكَتُكَ قَالَ أَفَتَبِيْعُنِيْهِ فَاسْتَحْيَيْتُ وَلَمْ يَكُنْ لَّنَا نَاضِحٌ غَيْرُهُ قَالَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَبِعْتُهُ إِيَّاهُ عَلٰى أَنَّ لِيْ فَقَارَ ظَهْرِهِ حَتّٰى أَبْلُغَ الْمَدِيْنَةَ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ عَرُوْسٌ فَاسْتَأْذَنْتُهُ فَأَذِنَ لِيْ فَتَقَدَّمْتُ النَّاسَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ حَتَّى انْتَهَيْتُ فَلَقِيَنِيْ خَالِيْ فَسَأَلَنِيْ عَنِ الْبَعِيْرِ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا صَنَعْتُ فِيْهِ فَلَامَنِيْ فِيْهِ قَالَ وَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيْ حِيْنَ اسْتَأْذَنْتُهُ مَا تَزَوَّجْتَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا فَقُلْتُ لَهُ تَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا قَالَ أَفَلَا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُوُفِّيَ وَالِدِيْ أَوِ اسْتُشْهِدَ وَلِيْ أَخَوَاتٌ صِغَارٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ إِلَيْهِنَّ مِثْلَهُنَّ فَلَا تُؤَدِّبُهُنَّ وَلَا تَقُوْمُ عَلَيْهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا لِتَقُوْمَ

لانے والے اونٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور تقریباً چلنے سے رہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: بیمار ہے، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہو لیے، اونٹ کو ڈانٹا اور اس کے لیے دعا کی، پھر وہ اونٹ چلنے میں تمام اونٹوں سے آگے نکل گیا، حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تمہارا اونٹ کیسا ہے؟ میں نے کہا اچھا ہے اس کو آپ کی برکت سے فائدہ پہنچا ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اس اونٹ کو فروخت کرو گے؟ پس مجھے حیا آئی اور اس اونٹ کے علاوہ پانی لانے کے لیے ہمارے پاس کوئی اور اونٹ تھا نہیں، میں نے کہا جی! پھر میں نے وہ اونٹ آپ کو فروخت کر دیا اور یہ شرط رکھی کہ میں اس کی پشت پر سوار ہو کر مدینہ پہنچ جاؤں پھر حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، سو میں نے آپ سے اجازت طلب کی، آپ نے مجھے اجازت دے دی، میں لوگوں سے پہلے مدینہ پہنچ گیا، میرے ماموں کی مجھ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے مجھ سے اونٹ کے متعلق پوچھا میں نے انھیں بتا دیا کہ میں اونٹ کے مسئلہ میں کیا کر چکا ہوں، انھوں نے مجھے اس پر ملامت کی۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کی اجازت طلب کی تھی تو آپ نے فرمایا: تم نے کنواری لڑکی سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا بیوہ سے، آپ نے فرمایا تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس سے کھیلتے وہ تم سے کھیلتی! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد فوت ہو چکے ہیں یا کہا شہید ہو چکے ہیں اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اور مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ میں ان کی ہم عمر لڑکی کو بیاہ کر لے آؤں جو ان کو نہ ادب سکھائے اور نہ ان کی نگرانی کرے۔ اس لیے میں نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی جو ان کی خبر گیری رکھے اور ان کو ادب سکھائے، حضرت جابر نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ

عَلَيْهِنَّ وَتَابِعْهُنَّ قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ غَدَوْتُ إِلَيْهِ بِالْبَعِيرِ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ

علیہ وسلم مدینہ پہنچ گئے تو میں صبح کے وقت آپ کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی واپس دے دیا۔

۳۹۸۹ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَلَّ جَمَلِي وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ وَفِيهِ قَالَ لِي بِعْنِي جَمَلَكَ هٰذَا قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ هُوَ لَكَ قَالَ لَا بَلْ بِعْنِيهِ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ هُوَ لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لَا بَلْ بِعْنِيهِ قَالَ قُلْتُ فَإِنَّ لِرَجُلٍ عَلَيَّ أُوقِيَّةَ ذَهَبٍ فَهُوَ لَكَ بِهَا قَالَ قَدْ أَخَذْتُهُ فَتَبَلَّغْ عَلَيْهِ إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ أَعْطِهِ أُوقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ وَزِدْهُ قَالَ فَأَعْطَانِي أُوقِيَّةً مِنْ ذَهَبٍ وَزَادَنِي قِيرَاطًا قَالَ فَقُلْتُ لَا تُفَارِقُنِي زِيَادَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَ فِي كِيسٍ لِي فَأَخَذَهُ أَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، میرا اونٹ بیمار ہو گیا اور حسب سابق قصہ بیان کیا، اور اس حدیث میں یہ ہے آپ نے مجھ سے فرمایا اپنا یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو، میں نے کہا نہیں، وہ آپ ہی کا اونٹ ہے، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مجھے وہ اونٹ فروخت کر دو، میں نے کہا میں نے ایک شخص کا ایک اوقیہ سونا دینا ہے، آپ اس کے عوض یہ اونٹ لے لیجئے آپ نے فرمایا میں نے لے لیا، اور تم اسی اونٹ پر مدینہ چلے جانا، حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے کہا اس کو ایک اوقیہ سونا دو اور کچھ زائد دینا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھے ایک اوقیہ سونا دیا اور ایک قیراط زیادہ دیا، میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجھے زیادہ عطا فرمایا ہے وہ مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوگا، وہ سونا ہمیشہ میرے پاس ایک تھیلی میں رہا حتی کہ یوم حرہ کو شامی فوجوں (یزیدی لشکر) نے مجھ سے وہ لے لیا۔

ف: واقعہ حرہ کی پوری بحث شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۹۹۰ - حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

نا الجریری عن ابی نضرۃ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فتخلف ناضحی وساق الحدیث وقال فنخسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال لی ارکب بسم اللہ وزاد ایضا قال فما زال یزیدنی ویقول واللہ یغفر لک۔

تھا، میرا اونٹ پیچھے رہ گیا۔ اس کے بعد وہی قصہ بیان کیا، اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو ایک ٹھوکا لگایا پھر مجھ سے فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اس پر سوار ہو جاؤ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مسلسل دعا دیتے رہے اور فرماتے رہے اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

۳۹۹۱۔ وحدثنی ابو الربیع العتکی قال نا حماد قال نا ایوب عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما اتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد اعیا بعیری قال فنخسہ فوثب فکنت بعد ذلک احبس خطامہ لا سمع حدیثہ فما اقدر علیہ فلحقنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال بعنیہ فبعتہ منہ بخمس اواق قال قلت علی ان لی ظہرہ الی المدینۃ قال ولک ظہرہ الی المدینۃ قال فلما قدمت المدینۃ اتیتہ بہ فزادنی اوقیۃ ثم وھب لی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے درآں حالیکہ میرا اونٹ تھک چکا تھا، آپ نے اس کے ایک ٹھوکا لگایا، پھر تو وہ اونٹ کودنے لگا، پھر میں آپ کی بات سننے کے لیے اس کی نکیل کھینچتا تھا، مگر اس کو تھام نہیں سکتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ مجھے فروخت کر دو، میں نے پانچ اواق میں یہ اونٹ آپ کو فروخت کر دیا، حضرت جابر کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ میں مدینہ تک اس پر سواری کر کے جاؤں گا، آپ نے فرمایا تم مدینہ تک اس پر سوار ہو سکتے ہو، حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو اونٹ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے ایک اوقیہ زیادہ دیا، پھر آپ نے وہ اونٹ بھی مجھے دے دیا۔

۳۹۹۲۔ حدثنا عقبۃ بن مکرم العمی قال نا یعقوب بن اسحاق قال نا بشیر بن عقبۃ عن ابی المتوکل الناجی عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گیا، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے حضرت جابر نے کہا تھا کہ یہ سفر جہاد تھا، اس میں اسی قصہ کو بیان کیا، اور اس میں یہ زیادہ ہے: اے جابر! کیا تم نے پوری قیمت لے

سَافَرْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ اَظُنُّهٗ قَالَ غَازِيًا وَاقْتَصَّ الْحَدِيْثَ وَزَادَ فِيْهِ قَالَ يَا جَابِرُ اَتَوَفَّيْتَ الثَّمَنَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لَكَ الثَّمَنُ وَلَكَ الْجَمَلُ۔

لی ہے؟ میں نے کہا جی! آپ نے فرمایا یہ قیمت بھی تمہاری ہے اور اونٹ بھی تمہارا ہے۔

۳۹۹۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ قَالَ نَا اَبِيْ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ اشْتَرٰى مِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيْرًا بِاُوْقِيَّتَيْنِ وَدِرْهَمٍ اَوْ دِرْهَمَيْنِ قَالَ فَلَمَّا قَدِمَ صِرَارًا اَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَذُبِحَتْ فَاَكَلُوْا مِنْهَا فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اَمَرَنِيْ اَنْ اٰتِيَ الْمَسْجِدَ فَاُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَوَزَنَ لِيْ ثَمَنَ الْبَعِيْرِ فَاَرْجَحَ لِيْ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک اونٹ دو اوقیہ اور ایک درہم یا دو درہم میں خریدا۔ انہوں نے کہا کہ جب ہم مقام صرار پہنچے تو آپ نے ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا، وہ گائے ذبح کی گئی اور سب لوگوں نے اس سے کھایا پھر جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مسجد میں آؤں اور دو رکعت نماز پڑھوں، اور مجھے اونٹ کی قیمت وزن کر کے دی، اور زیادہ تول کر دی۔

۳۹۹۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ الْحَارِثِيُّ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مُحَارِبٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ فَاشْتَرَاهُ مِنِّيْ بِثَمَنٍ قَدْ سَمَّاهُ وَلَمْ يَذْكُرِ الْاُوْقِيَّتَيْنِ وَالدِّرْهَمَ وَالدِّرْهَمَيْنِ وَقَالَ اَمَرَ بِبَقَرَةٍ فَنُحِرَتْ ثُمَّ قَسَمَ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیمت کے عوض مجھ سے اونٹ خرید لیا وہ قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمائی تھی، اس میں دو اوقیہ اور ایک درہم اور دو درہم کا ذکر نہیں ہے اور کہا کہ حضور نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا وہ گائے ذبح کی گئی اور اس کا گوشت تقسیم کیا گیا۔

نحوها۔

۳۹۹۵ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ نَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ قَدْ أَخَذْتُ جَمَلَكَ بِأَرْبَعَةِ دَنَانِيرَ وَلَكَ ظَهْرُهُ إِلَى الْمَدِينَةِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہارا اونٹ چار دینار میں لے لیا اور تم اس کی پشت پر سوار ہو کر مدینہ جا سکتے ہو۔

حضرت جابر کے اونٹ کی قیمت کی روایت میں "اضطراب" کے جوابات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جس قیمت پر اونٹ فروخت کیا تھا اس کی مقدار میں روایات مضطرب ہیں اکثر روایات میں ہے اس کی مقدار ایک وقیہ چاندی تھی، بعض روایات میں ہے ایک وقیہ سونا تھا۔ بعض روایات میں چار وقیہ کا ذکر ہے، بعض روایات میں پانچ وقیہ کا ذکر ہے، اور بعض میں بیس دینار کا ذکر ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ان روایات میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے روایت بالمعنی کی ہے اور یہ جائز ہے، پس یہاں سونے کا ایک وقیہ مراد ہے، جس روایت میں مطلق وقیہ کا ذکر ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور جن روایات میں پانچ وقیہ کا ذکر ہے اس سے مراد چاندی کے اوقیہ ہیں جو چالیس درہم کے برابر ہوتے ہیں اور یہ ایک اوقیہ سونے کے برابر ہے، جن روایات میں چار دینار کا ذکر ہے وہ بھی ایک وقیہ سونے کے برابر ہے جن روایات میں دو وقیہ کا ذکر ہے ان میں ایک وقیہ سے مراد قیمت ہے اور دوسرے وقیہ سے وہ مقدار مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ عطا فرمائی تھی اور جن روایات میں بیس دینار کا ذکر ہے اس سے مراد بیس دینار صغیر ہیں۔[1]

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ناقلین حدیث نے صحیح قیمت کو ضبط نہیں کیا اور قیمت کے بیان میں ان سے غلطی ہوئی ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قیمت کی صحیح مقدار کے ساتھ کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہے۔ اور ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جابر نے ایک معین قیمت پر بیع کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے شدہ قیمت سے زیادہ مقدار عطا فرمائی تھی، رہا یہ کہ اس قیمت اور زیادتی کی مقدار کتنی تھی تو اس کے علم کے ساتھ کوئی غرض شرعی وابستہ نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم اور آپ کی دعا کی برکت کو بیان کرنا ہے۔

بیع میں شرط لگانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس باب کی احادیث میں اس چیز کا بیان ہے کہ حضرت جابر نے بیع کے وقت اس اونٹ پر مدینہ تک

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبع الثانی، ۱۳۷۵ھ

سوار ہونے کی شرط لگائی تھی، اس وجہ سے ائمہ مجتہدین میں یہ اختلاف ہے کہ آیا بیع میں بائع یا خریدار کا کوئی شرط لگانا جائز ہے یا نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک بیع میں شرط لگانا جائز نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے، اور امام مالک کے نزدیک تفصیل ہے۔

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہر وہ شرط جو عقد کا مقتضیٰ ہو وہ عقد بیع کو فاسد نہیں کرتی، جیسے خریدار مبیع میں ملکیت کی شرط لگائے کیونکہ بغیر شرط کے بھی اس کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہر وہ شرط جو عقد کا تقاضا نہ ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو یا مبیع کی منفعت ہو اور وہ اہل استحقاق میں سے ہو تو اس شرط سے بیع فاسد ہو جائے گی جیسے بائع غلام فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ خریدار اس کو فروخت نہیں کرے گا (اس میں مبیع کی منفعت ہے) کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہے جو عوض سے خالی ہے لہٰذا یہ ربوٰا کا سبب ہے یا اس کی وجہ سے تنازع ہوگا اور عقد کا مقصد فوت ہو جائے گا، الا یہ کہ کوئی شرط لگانا متعارف ہو کیونکہ عرف کو قیاس پر ترجیح ہے۔ [1]

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: امام احمد اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی شخص سواری کو فروخت کرے اور اس میں سواری کرنے کا استثناء کرے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر سواری کی مسافت قریب ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اور اس حدیث کو مسافت قریبہ پر محمول کرتے ہیں، اور امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے خواہ مسافت کم ہو یا زیادہ اور شرط لگانے سے بیع منعقد نہیں ہوگی اور انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں استثناء کرنے اور بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتاً بیع کا ارادہ نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بطور ثمن کے اپنے کرم سے نوازنے کا ارادہ فرمایا تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ شرط نفس عقد میں نہیں تھی (یوں نہیں تھا کہ اگر مدینہ تک سواری کرنے دی تو بیع ہوگی ورنہ نہیں) بلکہ پہلے حضرت جابر نے سواری کی اجازت لی تھی پھر بیع کی تھی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرعاً اجازت دے دی تھی۔ [2]

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: سواری کو بیع کر کے اس پر سوار ہونے کے استثناء کو ابن شبرمہ وغیرہ نے جائز کہا ہے اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے ناجائز کہا ہے اور امام مالک کہتے ہیں کہ جب مسافت قریب ہو اور معلوم ہو تو جائز ہے۔ [3]

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۹ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹۔۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبع الاول ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۲۸۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

بیع میں شرط لگانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں اگر بائع ایک مدت معینہ کے لیے مبیع کے منافع کے حصول کی شرط لگائے تو یہ جائز ہے مثلاً وہ ایک مکان فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ وہ ایک ماہ تک اس مکان میں رہے گا، یا ایک اونٹ فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ فلاں جگہ تک وہ اس پر سواری کرے گا، یا ایک غلام فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ وہ ایک سال تک اس سے خدمت لے گا۔ امام احمد نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے، اور اوزاعی، اسحاق، ابو ثور اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی اور اصحاب رائے (فقہاء حنفیہ۔ سعیدی) نے کہا ہے کہ یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ بیع کے تقاضے کے منافی ہے اور یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص کسی چیز کو فروخت کرے اور یہ شرط لگائے کہ وہ مبیع پر قبضہ نہیں دے گا اور اس لیے کہ بیع کا تقاضا یہ ہے کہ خریدار مبیع اور اس کے منافع کا مالک ہو جائے اور یہ شرط اس کے منافی ہے۔[1]

فقہاء حنبلیہ کی دلیل

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ بیع اور شرط سے ممانعت کی حدیث صحیح نہیں ہے، البتہ صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں دو شرطیں لگانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ بیع میں ایک شرط لگانا جائز ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ بیع میں دو شرطیں لگانا منع ہے اور ایک شرط میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کی دلیل

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع وشرط البیع باطل والشرط باطل۔[3]

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا، بیع باطل ہے اور شرط باطل ہے۔

حضرت جابر کی حدیث سے استنباط شدہ مسائل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کا ذکر ہے کیونکہ حضرت جابر کا تھکا ہوا اونٹ آپ کی ایک ضرب سے سب سے زیادہ تیز رفتار ہو گیا۔

(۲) جو شخص اپنی کسی چیز کو بیچنے کے لیے پیش نہ کرے اس پر اس چیز کی بیع کو پیش کرنا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا گمان تھا کہ میں نے تم سے کم قیمت کرائی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ بائع سے قیمت کم کرانا جائز ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] " " " " " ، المغنی ج ۴ ص ۸۰،

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

(۴) اکابر کا اصاغر سے ان کے احوال کو دریافت کرنا اور ان کی خیر خواہی کے مشورے دینا۔
(۵) کنوارے شخص کے لیے کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کا استحباب۔
(۶) زوجین کا ایک دوسرے سے دل لگی کرنے کا استحباب۔
(۷) حضرت جابر کی فضیلت کیونکہ انھوں نے اپنے شوق پر اپنی بہنوں کی مصلحت کو ترجیح دی اور کنواری کے بجائے بیوہ سے شادی کی۔
(۸) سفر سے لوٹنے کے بعد گھر جانے سے پہلے مسجد میں جانا اور مسجد میں دو رکعت نفل نماز پڑھنا۔
(۹) ادائیگی ثمن کے وقت ثمن سے زیادہ دینے کا استحباب۔
(۱۰) حقوق کی ادائیگی میں وکیل بنانے کا جواز کیونکہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ جابر کو قیمت ادا کر دو۔
(۱۱) صالحین کی متبرک چیزوں کو بطور یادگار رکھنے کا ثبوت، کیونکہ حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے زیادہ قیراط کو اپنے پاس ہمیشہ محفوظ رکھا۔ مگر افسوس یزیدی فوجوں نے ایام حرہ میں اس کو بھی لوٹ لیا۔

بَابُ ۵۱۵ جَوَازِ اقْتِرَاضِ الْحَيَوَانِ وَاسْتِحْبَابِ تَوْفِيَتِهِ خَيْرًا مِّمَّا عَلَيْهِ

جانوروں کو قرض لینے کا جواز اور بدلے میں بہتر جانور دینے کا استحباب

۳۹۹۶ - حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ قَالَ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنْ يَّقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَرَجَعَ إِلَيْهِ أَبُو رَافِعٍ فَقَالَ لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ أَعْطِهِ إِيَّاهُ إِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے ایک جوان اونٹ قرض لیا، پھر جب آپ کے پاس صدقے کے اونٹ آئے تو آپ نے حضرت ابورافع کو حکم دیا کہ اس شخص کا قرض ادا کر دیں۔ حضرت ابورافع نے حضور کی طرف رجوع کر کے کہا ان اونٹوں میں اس جیسا کوئی نہیں بلکہ اس سے بہتر ساتویں سال کے اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا وہی دے دو، بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔

۳۹۹۷ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ نَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ اَسْلَمَ قَالَ اَنَا عَطَاءُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ اَبِي رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا بِمِثْلِهِ غَيْرَ اَنَّهُ قَالَ فَاِنَّ خَيْرَ عِبَادِ اللّٰهِ اَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔

وسلم نے ایک شخص سے ایک جوان اونٹ قرض لیا، اس کے بعد مثل سابق ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔

۳۹۹۸- **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ فَاَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا فَقَالَ لَهُمْ اشْتَرُوْا لَهُ سِنًّا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَقَالُوْا اِنَّا لَا نَجِدُ اِلَّا سِنًّا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ سِنِّهِ قَالَ فَاشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ اَوْ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھا۔ اس نے سختی کے ساتھ آپ سے تقاضا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس کو مارنے کا قصد کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا حق ہو اس کو بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، پھر آپ نے صحابہ سے کہا اس کے لیے ایک اونٹ خریدو اور اس کو دے دو، صحابہ نے کہا ہم کو صرف وہی اونٹ مل سکا ہے جو اس سے بہتر ہے، آپ نے فرمایا وہ اونٹ خرید لو اور اس کو دے دو، تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔ (یہ قرض خواہ یہودی تھا)۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۳۹۹۹- **حَدَّثَنَا** اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ نَا وَكِيْعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اسْتَقْرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنًّا فَاَعْطَاهُ سِنًّا فَوْقَهُ وَقَالَ خِيَارُكُمْ مَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ قرض لیا تھا پھر اس سے بڑی عمر کا اونٹ واپس کیا اور فرمایا تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں۔

۴۰۰۰- **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

بْنِ نُمَيْرٍ قَالَ نَا أَبِي قَالَ نَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ يَتَقَاضٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا فَقَالَ أَعْطُوهُ سِنًّا فَوْقَ سِنِّهٖ وَقَالَ خَيْرُكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص اپنے اونٹ کا تقاضا کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا اس کے اونٹ سے بڑی عمر کا اونٹ دو اور فرمایا تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو۔

حیوان کو قرض دینے میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: اس حدیث میں قرض لینے کا جواز ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرض سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے لیکن ضرورت کی وجہ سے آپ نے قرض لیا ہے، اس حدیث میں حیوان کے قرض لینے کا بھی ثبوت ہے اور اس میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی، امام مالک اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے حیوان کو قرض لینا جائز ہے، سوا ان باندیوں کے جن سے وطی کی جاسکتی ہے، البتہ جن باندیوں سے وطی نہیں کی جاسکتی جیسے محارم ان کو بھی قرض لینا جائز ہے۔

(۲) مزنی، ابن جریر اور داؤد کا مسلک یہ ہے کہ باندیوں کو اور تمام حیوانوں کو ہر شخص قرض لے سکتا ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ کسی حیوان کو قرض لینا جائز نہیں ہے، اور یہ احادیث ان کا رد کرتی ہیں اور احناف نے جو ان احادیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ بغیر دلیل کے مردود ہے۔[۱]

حیوان کو قرض لینے میں فقہاء احناف کا موقف

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک کسی قسم کے حیوان کو قرض لینا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ باندیوں کے سوا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور ساتویں سال کا اونٹ واپس کیا اور فرمایا "تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں اچھے ہوں"، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور کو ہلاک کر دے تو اس کو اس جانور کی قیمت کا ضامن نہیں کیا جاتا (بلکہ اس پر جانور کی مساوی مثل دینا لازم ہے) اس لیے باندیوں کی طرح جانوروں کو بھی قرض لینا ناجائز ہوگا، اس سے ظاہر ہوگیا کہ حیوانات کو مال کے مقابلہ میں کسی کے ذمہ بطور قرض ثابت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہلاک شدہ حیوانات کے عوض قیمت صرف اسی وقت تسلیم کی جاتی ہے جب ان کی مثل نہ مل سکے۔ اور قرض کا تقاضا یہ ہے کہ مقروض کے ذمہ وہ مثل لازم ہو جو مساوی ہو اور جب حیوانات میں مساوی مثل کا ہونا مشکل ہے تو ان کا قرض لینا بھی جائز نہیں ہے۔[۲]

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۴ ص ۳۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

حیوان کے قرض میں جمہور کی روایت کے جوابات

امام شافعی کی پیش کردہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے علامہ سرخسی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اونٹ بیت المال کے لیے قرض لیا تھا کیونکہ حدیث میں ہے آپ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے قرض ادا کیا تھا، اور آپ جو قرض اپنے لیے لیتے تھے اس کو صدقہ سے نہیں ادا کرتے تھے، اور بیت المال کے لیے اہل بیت المال کے اور حقوق مجہولہ بھی ثابت ہو جاتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے جانور کے بدلے میں اس کی مثل جانور دینا لازم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ [1]

حیوان کو قرض دینے کی منسوخیت پر احادیث اور آثار

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن سمرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة۔ [2]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث کو امام نسائی[3] اور امام ابن ماجہ[4] نے بھی روایت کیا ہے۔

جب حیوان کو حیوان کے عوض ادھار فروخت کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا تو حیوان کو قرض میں دینا بھی ممنوع ہو گیا۔ اور ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ حیوان کا وصف منضبط نہیں ہو سکتا اور ادھار اس لیے ممنوع ہے کہ عوض میں جو حیوان دیا جائے گا اس میں یقیناً کمی یا زیادتی ہو گی اور اسی وجہ سے حیوان کو قرض میں دینا ناجائز ہے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم قال: اتی عبد اللہ بن مسعود برجل سلف فی قلاص لاجل فنھاہ۔ [5]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے مدت معینہ کے ادھار پر (بیع سلم) اونٹنیاں فروخت کی تھیں، حضرت ابن مسعود نے اس کو منع فرمایا۔

عن ابراھیم ان عبد اللہ کرہ السلف فی الحیوان۔ [6]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود حیوان میں قرض کو مکروہ کہتے تھے۔

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، الطبع الثالث ۱۳۹۸ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۹۸ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[4] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۴ " " " "

[5] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۲۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ

[6] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۲۲-۲۳،

WWW.NAFSEISLAM.COM

عن عبد الرحمٰن بن القاسم ان عمر کرهه، قال وکان شریح یکرهه ۱؎

عبدالرحمٰن بن قاسم کہتے ہیں کہ حضرت عمر حیوان میں قرض کو مکروہ کہتے تھے اور شریح بھی مکروہ کہتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراهیم قال کان عبد اللّٰه یکره السلم فی حیوان۔ ۲؎

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کو مکروہ کہتے تھے۔

عن ابن سیرین ان عمر وحذیفة وابن مسعود کانوا یکرهون السلم فی الحیوان ۳؎

ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر، حضرت حذیفہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کو مکروہ کہتے تھے۔

عن القاسم بن عبد الرحمٰن۔ قال: قال عمر من الربوٰ ان یسلم فی سن۔ ۴؎

قاسم بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کرنا بھی سود ہے۔

عن عبد الاعلی قال: شهدت شریحا رد السلم فی الحیوان۔ ۵؎

عبدالاعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں شریح کے پاس تھا انھوں نے حیوان میں بیع سلم (ادھار بیع) کو رد کر دیا۔

عن ابراهیم بن عبد الاعلی قال: شهدت سوید بن غفلة یکره السلم فی الحیوان۔ ۶؎

ابراہیم بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں سوید بن غفلہ کے پاس تھا، وہ حیوان میں بیع سلم کو مکروہ کہتے تھے۔

عن الضحاك انه رخص فی السلم فی الحیوان ثم رجع عنه۔ ۷؎

ضحاک سے روایت ہے کہ وہ پہلے حیوان میں بیع سلم کو جائز کہتے تھے پھر انھوں نے اس سے رجوع کر لیا۔

عن عمار صاحب السابری قال سمعت سعید بن جبیر یسئل عن السلم فی الحیوان فنهیٰ عنه۔ ۸؎

عمار کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر سے حیوان میں بیع سلم کے متعلق سوال کیا گیا انھوں نے اس سے منع فرمایا۔

حسن قضاء کا ثبوت اس باب کی احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرض ادا کرتے وقت اصل سے زیادہ دینا مستحب ہے بشرطیکہ اس زیادتی کو عقد میں طے نہ کیا جائے اور نہ قرض دینے والے کی طرف سے مطالبہ ہو، اسی کو حسن قضاء کہتے ہیں۔

۱؎ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
۲؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۰ " " " "
۳؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۰ " " " "
۴؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۰ " " " "
۵؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "
۶؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "
۷؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "
۸؎ " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۴۷۱ " " " "

WWW.NAFSEISLAM.COM

باب ۵۱۶ جواز بیع الحیوان بالحیوان من جنسه متفاضلًا

حیوان کو حیوان کے عوض کمی اور بیشی کے ساتھ بیچنے کا جواز

۴۰۰۱- حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَحْیَی التَّمِیْمِیُّ وَابْنُ رُمْحٍ قَالَا اَنَا اللَّیْثُ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ نَا لَیْثٌ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَایَعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْهِجْرَةِ وَلَمْ یَشْعُرْ اَنَّهٗ عَبْدٌ فَجَاءَ سَیِّدُهٗ یُرِیْدُهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِیْهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَیْنِ اَسْوَدَیْنِ ثُمَّ لَمْ یُبَایِعْ اَحَدًا بَعْدَهٗ حَتّٰی یَسْئَلَهٗ اَعَبْدٌ هُوَ-

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غلام آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی، آپ نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ یہ غلام ہے، پھر اس کا مالک اس کو لینے کے لیے آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، پھر آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا، اس کے بعد آپ اس وقت تک کسی کی بیعت نہیں لیتے تھے جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لیتے کہ آیا وہ غلام ہے (یا آزاد)۔

حیوان کی حیوان کے عوض بیع میں جمہور فقہاء کا نظریہ

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کا پتا چلتا ہے کیونکہ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ آپ وہ غلام اس کے مالک کو لوٹا دیں، اور غلام نے آپ کے ہاتھ پر ہجرت کی بیعت کر کے جو مدینہ میں رہنے کا قصد کیا تھا وہ پورا نہ ہو، اور اس میں ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں فروخت کرنے کا ثبوت ہے عام ازیں کہ ان کی قیمت برابر ہو یا کم و بیش، اگر یہ بیع نقد ہو تو اس کے جواز پر اجماع ہے۔ باقی حیوانوں کا بھی یہی حکم ہے اگر ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں یا ایک اونٹ کو دو اونٹوں کے بدلے میں ادھار فروخت کیا تو امام شافعی اور جمہور کے نزدیک جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ [1]

حیوان کی حیوان کے عوض بیع میں امام ابوحنیفہ کا نظریہ

امام ابوحنیفہ حیوان کی حیوان کے عوض ادھار بیع کو اس لیے ناجائز کہتے ہیں کہ جامع ترمذی اور دوسری کتب سنن میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کی حیوان کے عوض ادھار بیع سے منع فرمایا ہے اور اس باب کی حدیث سے استدلال نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں نقد بیع کا ذکر ہے۔ اس کی مفصل

---

[1] علامہ یحیی بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی، ۱۳۷۵ ھ

تحقیق باب سابق میں گذر چکی ہے۔

علم رسالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم علم غیب عطا فرمایا تھا، لیکن ہر وقت ہر چیز کی طرف متوجہ رہنا اور ہر وقت ہر چیز کا علم ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے، بسا اوقات بعض چیزوں کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہوتی تھی یا علم نہیں ہوتا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے خصوصاً اس بات سے کہ آپ بیعت کے وقت دریافت فرماتے تھے کہ وہ غلام ہے یا آزاد، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ بتائے بغیر توجہ کے باوجود آپ پر آزاد یا غلام ہونا منکشف نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ کو ہر وقت ہر چیز کا علم نہیں ہوتا تھا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس علم کلی کے قائل ہیں وہ علم تدریجی ہے اور نزول قرآن کے ضمن میں مکمل ہوا ہے بے خطر بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، علم الٰہی کے مقابلے میں محدود اور متناہی ہے اور تمام مخلوق کے علوم سے بہت زیادہ ہے، اور ہمیں اس کی کمیت اور کیفیت کے درپے نہیں ہونا چاہیے، یہ ہمارا منصب ہے نہ ہمیں زیبا ہے۔

بَابُ ۵۱ الرَّهْنِ وَجَوَازِهِ فِي الْحَضَرِ كَالسَّفَرِ

سفر اور حضر میں گروی رکھنے کا جواز

۴۰۰۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ يَحْيَى أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتِ اشْتَرَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا بِنَسِيئَةٍ فَأَعْطَاهُ دِرْعًا لَهُ رَهْنًا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ادھار طعام خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھ دی۔

۴۰۰۳ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا أَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتِ اشْتَرَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے طعام (اناج) خریدا اور لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

۴۰۰۴ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

WWW.NAFSEISLAM.COM

الْحَنْظَلِيُّ قَالَ اَنَا الْمَخْزُوْمِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ ذَكَرْنَا الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ عِنْدَ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيِّ قَالَ نَا الْاَسْوَدُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرٰى مِنْ يَهُوْدِيٍّ طَعَامًا اِلٰى اَجَلٍ وَرَهَنَهٗ دِرْعًا لَّهٗ مِنْ حَدِيْدٍ۔

نے مدت معینہ کے ادھار پر ایک یہودی سے طعام خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔

۴۰۰۵۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنِي الْاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ مِنْ حَدِيْدٍ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ایک روایت بیان کی ہے اور اس میں لوہے کا ذکر نہیں ہے۔

کافروں سے کاروباری معاملہ کرنے کا جواز

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: اس حدیث میں اہل ذمہ کے ساتھ معاملہ کرنے کا جواز ہے، اور یہ کہ ان کے قبضے میں جو املاک ہیں اس کی ملکیت شرعاً ان کے لیے ثابت ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی بہت کم چیزیں لیتے تھے اور آپ نے اپنے اوپر فقر کو لازم کر لیا تھا، اور اس حدیث میں اہل ذمہ کے پاس رہن رکھنے کا جواز ہے حتیٰ کہ آلات حرب کو رہن رکھنے کا بھی جواز ہے اور سفر اور حضر میں رہن رکھنا جائز ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے، البتہ مجاہد اور داؤد ظاہری یہ کہتے ہیں کہ صرف سفر میں رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وان كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبا فرهان مقبوضة "اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کاتب نہ ملے تو رہن پر قبضہ دیا ہوا" اور جمہور فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور یہ آیت کے افہام پر مقدم ہے۔

رہا یہ سوال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے طعام خریدا اور اس کے پاس زرہ گروی رکھی، کسی صحابی سے طعام کیوں نہ خریدا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا تاکہ پتا چل جائے کہ یہودیوں سے معاملہ کرنا جائز ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس وقت کسی صحابی کے پاس بھی ضرورت سے زیادہ طعام نہ ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طعام کی قیمت لیتا نہ زرہ رہن رکھتا اس لیے آپ نے صحابہ کے بجائے یہودی سے معاملہ کیا تاکہ صحابہ میں سے کوئی تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اہل ذمہ اور دیگر کافروں سے معاملہ کرنا جائز ہے الا یہ کہ وہ معاملہ کسی حرام پر مشتمل ہو، البتہ مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حربی کافروں کو آلات حرب فروخت کریں اور نہ ایسی چیزوں

کو فروخت کریں جن کی انھیں اقامت دین میں ضرورت ہو اور نہ مصحف کو فروخت کریں۔ [1]

بَابُ السَّلَمِ [۵۱۸]

بیع سلم کا جواز

۴۰۰۶ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى قَالَ عَمْرٌو نَا وَقَالَ يَحْيَى اَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ اَبِي الْمِنْهَالِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ فَقَالَ مَنْ اَسْلَفَ فِي تَمْرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ اِلٰى اَجَلٍ مَعْلُومٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگ ایک سال اور دو سال کے ادھار پر پھلوں کی بیع کرتے تھے (یعنی بیع سلم کرتے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی کھجوروں میں بیع سلم کرے تو وہ معین ماپ، معین وزن اور مدت معینہ میں بیع کرے۔

۴۰۰۷ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ اَبِي الْمِنْهَالِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُسْلِفُونَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَسْلَفَ فَلَا يُسْلِفْ اِلَّا فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور لوگ بیع سلم کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا جو شخص بیع سلم کرے وہ صرف معین وزن اور معین ماپ میں بیع کرے۔

۴۰۰۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَاَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَاِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِ

ایک اور سند سے بھی یہ روایت حسب سابق منقول ہے اور اس میں مدت معین کا ذکر نہیں ہے۔

[1] علامہ یحیی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

عَبْدِ الْوَارِثِ وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔

۴۰۰۹ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا نَا وَكِيعٌ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِإِسْنَادِهِمْ مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ فَذَكَرَ فِيهِ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ابن عیینہ کی روایت کی طرح منقول ہے اور اس میں مدت معینہ کا ذکر ہے۔

بیع سَلَم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

سَلَم اور سَلَف کا وزن اور معنی واحد ہے، اس کا لغوی معنی ادھار ہے، علامہ ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ سَلَف اہل عراق کی لغت ہے اور سَلَم اہل حجاز کی لغت ہے اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے بیع آجل بعاجل، ”ادھار چیز کو نقد رقم کے عوض فروخت کرنا“۔[1] مثلاً کھجوروں کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ کلوگرام کھجوروں کو پچاس روپے کے عوض فروخت کرنا اور دو ماہ بعد کھجوریں دینے کا کہنا۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں اس عقد کو سلم اور سلف اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بیع اپنے وقت سے پہلے ہوتی ہے کیوں کہ بیع کا وقت وہ ہے جب معقود علیہ عاقد کی ملک میں ہو، اور عادۃً بیع سلم یا سلف اس وقت کی جاتی ہے جب چیز فروخت کرنے والے کی ملک میں نہیں ہوتی۔ پس چونکہ یہ عقد اپنے وقت سے پہلے منعقد ہو جاتا ہے اس لیے اس کو بیع سلم کہتے ہیں، قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ بیع ناجائز ہو کیونکہ بیع المعدوم جائز نہیں ہے لیکن ہم نے کتاب اور سنت کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا، قرآن مجید میں ہے: یا یھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ ”اے ایمان والو! جب تم ایک مدت معینہ کے لیے ادھار بیع کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔“ حضرت ابن عباس نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ میں سلم کا ذکر ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔[2]

مذروعات اور عددیات میں بیع سلم کا جواز

حدیث میں ہے بیع سلم میں وزن معین ہو اور ماپ معین ہو، اس بناء پر شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ مذروعات (جو چیز میٹر سے ناپ کر بیچی جائے) اور عددیات میں بیع سلم جائز نہیں ہے، صرف وزن اور ماپ والی چیزوں میں جائز ہے۔[3]

جمہور فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ بیع سلم مذروعات اور عددیات میں بھی جائز ہے کیونکہ ماپ اور وزن کی خصوصیت کا بیع سلم میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ قیاس سے نہیں بلکہ دلالۃ النص سے ثابت ہے کیونکہ اس کی مشروعیت کا سبب

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۴ ص ۴۲۸ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۸ھ

[3] شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۹ ص ۱۰۶ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۵۱ھ

WWW.NAFSEISLAM.COM

ضرورت ہے، بائع کو جلدی پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے وہ نقد پیسے لے کر جنس کو ادھار فروخت کر دیتا ہے اور یہ ضرورت کپڑا فروخت کرنے والے بزازوں اور عدویات والوں کو بھی ہوتی ہے اور حسب ذیل آثار میں اس کی تائید ہے۔

عن القاسم بن محمد عن ابن عباس فی السلف فی الکرابیس قال اذا کان ذرع معلوم الی اجل معلوم فلا باس۔[1]

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس سے سوتی کپڑوں میں بیع سلم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا جب گز معلوم ہوں اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن رزین عن ابن المسیب عن سلف الحنطة والکرابیس والثیاب فقال ذرع معلوم الی اجل معلوم والحنطة بکیل معلوم الی اجل معلوم۔[2]

رزین کہتے ہیں کہ ابن مسیب سے گندم اور کپڑوں میں بیع سلم کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا انھوں نے کہا گز معلوم ہوں اور مدت معلوم ہو اور گندم میں ماپ معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا شریك عن جابر وعطاء قالا لا باس فی السلم فی الصوف والاکیسة۔[3]

شریک بیان کرتے ہیں کہ جابر اور عطاء نے کہا: اونی کپڑوں اور سوتی چادروں میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن ابراهیم قال کان ابن مسعود لا یری بالسلم فی کل شئ باسا الی اجل معلوم ما خلا الحیوان۔[4]

ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حیوان کے سوا ہر چیز میں بیع سلم کو جائز قرار دیتے تھے جب کہ مدت معلوم ہو۔

حاضر چیز میں بیع سلم کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: بیع سلم کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں مبیع ادھار ہو اور حاضر چیز میں بیع سلم صحیح نہیں ہے (اگرچہ بیع مطلق صحیح ہے۔ مسیدی) امام احمد نے فرمایا بیع سلم اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک مدت معینہ کی شرط نہ لگائی جائے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے، اور امام شافعی، ابو ثور اور ابن منذر نے کہا کہ حاضر چیز میں بھی بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب یہ عقد ادھار میں صحیح ہے تو نقد میں بطریق اولیٰ صحیح ہوگا،

---

[1] حافظ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۶، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[2] حافظ عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۶ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۲ھ
[3] حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج ۶ ص ۳۸۹ - ۳۸۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
[4] " " " " ، المصنف ج ۶ ص ۳۸۹، " " " "

جیسا کہ بیع مطلق ہوتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو بیع سلم کرے وہ معین ماپ، معین وزن میں مدت معینہ تک کرے" آپ نے مدت معین کرنے کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے، نیز بیع سلم کی شرائط میں سے ہے کہ جنس مبیع کو مدت معینہ کے بعد سپرد کیا جائے اور جس طرح ماپ اور وزن کے انتفاء سے بیع سلم منتفی ہو جاتی ہے اسی طرح مدت معینہ کے انتفاء سے بھی بیع سلم منتفی ہو جائے گی، نیز بیع سلم کو رفق اور سہولت کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے اور جب حاضر چیز میں بیع ہو گی تو رفق نہیں رہے گا، نیز حاضر چیز میں بیع کرنے سے اس پر سلم اور سلف کے اسم کا اطلاق صحیح نہیں رہے گا کیونکہ سلم اور سلف تو ادھار کو کہتے ہیں اور شارع نے اس کو ضرورت کی بناء پر مشروع کیا ہے اور حاضر چیز کو پیسوں کے عوض فروخت کرنے میں کیا حرج ہے۔ [1]

اس اختلاف کا کوئی خاص ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ حاضر اور موجود چیز میں بیع بہر حال جائز ہے، اختلاف اس کو بیع سلم کہنے میں ہے، امام شافعی اس کو بیع سلم کہتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ اس کو بیع سلم کی بجائے بیع الاعیان یا بیع مطلق کہتے ہیں۔ پس یہ اختلاف نزاع لفظی ہے تاہم ائمہ ثلاثہ کا موقف صحیح ہے اور یہ بیع سلم نہیں، بیع الاعیان ہے۔

بیع سلم کی مزید شرائط بیع سلم کے جواز کے لیے فقہاء نے کچھ مزید شرائط کا اضافہ کیا ہے، علامہ ابو الحسن مرغینانی لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع سلم کی صحت کے لیے سات شرائط ضروری ہیں۔ (۱) جنس معلوم ہو مثلاً گندم ہے یا جو۔ (۲) نوع معلوم ہو مثلاً بارانی زمین کی گندم ہے یا نہری زمین کی۔ (۳) صفت معلوم ہو مثلاً عمدہ ہے یا ردی۔ (۴) مقدار معلوم ہو مثلاً اتنے کیل یا اتنے کلو گرام ہے۔ (۵) مدت معلوم ہو۔ (۶) راس المال (ثمن) معلوم ہو۔ (۷) جس جگہ مسلم فیہ کو سپرد کیا جائے گا اس جگہ کا تعین ہو۔

ان شرائط کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی جہالت کی وجہ سے منازعت (جھگڑا) پیدا ہو گی۔ ہر چند کہ حدیث میں وزن معلوم اور اجل معلوم کا ذکر ہے لیکن جس طرح ان کی جہالت نزاع کا سبب ہے اسی طرح باقی شرائط سے جہالت بھی نزاع کا سبب ہے۔ [2]

بَابُ ۵۱۹ تَحْرِيْمِ الْاِحْتِكَارِ فِي الْاَقْوَاتِ

کھانے پینے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت

۴۰۱۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ قَالَ نَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ اَنَّ

حضرت معمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گنہ گار ہے سعید بن مسیب سے کہا گیا آپ تو خود ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا حضرت معمر جو اس حدیث کے

[1] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۹۴-۱۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۶ھ
[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۹۶، ۹۵، ملخصاً مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

مَعْمَرًا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ فَقِيْلَ لِسَعِيْدٍ فَاِنَّكَ تَحْتَكِرُ قَالَ سَعِيْدٌ اِنَّ مَعْمَرًا الَّذِيْ كَانَ يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيْثَ كَانَ يَحْتَكِرُ۔

راوی ہیں وہ بھی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔

۴۰۱۱- حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَمْرٍو الْاَشْعَثِيُّ قَالَ نَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحْتَكِرُ اِلَّا خَاطِئٌ۔

حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذخیرہ اندوزی صرف گنہگار شخص کرتا ہے۔

۴۰۱۲- حَدَّثَنِيْ بَعْضُ اَصْحَابِنَا عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْنٍ قَالَ اَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ اَبِيْ مَعْمَرٍ اَحَدِ بَنِيْ عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى۔

عدی بن کعب کے ایک فرد معمر بن ابی معمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔ پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔

احتکار کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: الحکر ادخار الطعام للتربص۔ "حکر کا معنی ہے کھانے پینے کی چیزوں کو (مہنگائی کے) انتظار میں ذخیرہ کرنا" اور ابن سیدہ نے کہا: "الاحتکار جمع الطعام ونحوہ مما یوکل واحتباسہ انتظار وقت الغلاء بہ۔" "کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگائی کے وقت کے لیے جمع کرنا۔" [1]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: کھانے پینے کی چیزوں کو مہنگائی کے انتظار میں چالیس دن تک ذخیرہ کرنا شرعاً احتکار ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من احتکر علی المسلمین اربعین یوماً ضربہ اللہ

[1] علامہ جمال الدین ابن منظور مصری متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۴ ص ۲۰۸ مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

بالجزام والافلاس وفی روایۃ فقد برئ من اللہ وبری اللہ منہ۔ "جس شخص نے مسلمانوں پر چالیس دن ذخیرہ اندوزی کی اللہ تعالیٰ اس پر جذام (کوڑھ) اور افلاس کو مسلط کر دے گا، اور ایک روایت میں ہے وہ اللہ سے بری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہو گیا، اور ایک روایت میں ہے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل، چالیس دن کی مدت اس پر دنیاوی سزا مثلاً تعزیر جاری کرنے کے لیے ہے۔ گناہ کے لیے یہ قید نہیں ہے، اگر چند دن بھی مہنگائی کے انتظار میں ذخیرہ اندوزی کی تو گنہ گار ہو گا، احتکار کی تعریف میں کھانے پینے کی چیزوں کی قید امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے لگائی ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر وہ چیز جس کی ذخیرہ اندوزی سے مسلمانوں کو ضرر ہو وہ احتکار ہے۔ [۱]

احتکار میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کھانے پینے کے علاوہ دوسری چیزوں میں ہمارے نزدیک احتکار بالکل نہیں ہے، علماء نے کہا ہے کہ احتکار کی حکمت یہ ہے کہ عام لوگوں سے ضرر کو دور کیا جائے اور علماء کا اس پر اجماع ہے اگر کسی شخص کے پاس طعام ہو اور لوگوں کو اس طعام کی سخت ضرورت ہو اور اس کے علاوہ کہیں اور سے طعام نہ ملے تو لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے اس کو طعام فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ صحیح مسلم کی احادیث میں جو سعید بن مسیب اور حضرت معمر کے احتکار کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ ابن عبد البر اور دوسرے محققین نے یہ کہا ہے کہ وہ زیتون کے تیل کا احتکار کرتے تھے اور ان کے نزدیک احتکار ان چیزوں میں تھا جو رمق حیات کے لیے ضروری ہیں، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے بھی احتکار کو اسی پر محمول کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ [۲]

احتکار کی شرائط

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: احتکار حرام کی تین شرائط ہیں:

(۱) کسی چیز کو خرید کر ذخیرہ اندوزی کرے۔ اگر کوئی چیز اس کو آمدنی یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئی تو وہ احتکار نہیں ہے۔

(۲) ایسی چیز میں ذخیرہ اندوزی کی جائے جو قوت ہو، سالن، حلوا، شہد، زیتون کا تیل اور جانوروں کے چارے میں ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر اور سعید بن مسیب کا یہی قول ہے۔

(۳) اس چیز کے خریدنے سے لوگوں پر تنگی ہو اور اس کی دو صورتیں ہیں: (ا) شہر میں اس کی آبادی بمشکل سماتی ہو، جیسے حرمین اور بغداد ایسے وسیع شہر میں احتکار مؤثر نہیں ہے۔ (ب) جس وقت کسی چیز کی قلت ہو اس وقت اس چیز کو خرید کر ذخیرہ اندوزی کی جائے اور جب وہ چیز عام ہو پھر خرید کر جمع کر لی جائے تو یہ احتکار نہیں ہے۔ [۳]

باب ۵۲ النَّهْيِ عَنِ الْحَلْفِ فِي الْبَيْعِ — بیع میں قسم کھانے کی ممانعت

[۱] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۱ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[۲] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبع الاول، ۱۳۷۵ھ

[۳] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۰۱۳۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا أَبُو صَفْوَانَ الْأُمَوِيُّ ح قَالَ وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَا أَنَا ابْنُ وَهْبٍ كِلَيْهِمَا عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلِفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلرِّبْحِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم سودے (کی خریداری) کو بڑھانے والی ہے اور نفع کو مٹانے والی ہے۔

۴۰۱۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ إِسْحَاقُ أَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ نَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیع میں بکثرت قسم کھانے سے بچو کیونکہ یہ پہلے سودا بکواتی ہے پھر اس کو مٹا دیتی ہے۔

(ف): اس حدیث میں بیع کے اندر کثرت حلف کی ممانعت ہے، کیونکہ بلاضرورت قسم کھانا مکروہ ہے اور بسا اوقات قسم کھانے سے خریدار دھوکا کھا جاتا ہے۔

بَابُ ۱۵۲ الشُّفْعَةِ

شفعہ کا بیان

۴۰۱۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا أَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ح قَالَ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ يَحْيَى قَالَ أَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی زمین یا باغ میں کوئی شریک ہو پس اس کے لیے اپنے شریک سے اجازت کے بغیر اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے پھر اگر وہ راضی ہو تو لے لے اور ناپسند کرے تو چھوڑ دے۔

اللہِ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ شریک فی ربعۃ او نخل فلیس لہ ان یبیع حتی یؤذن شریکہ فان رضی اخذ وان کرہ ترک۔

۴۰۱۶ - حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ و محمد بن عبد اللہ بن نمیر و اسحاق بن ابراہیم و اللفظ لابن نمیر قال اسحاق انا و قال الآخران نا عبد اللہ بن ادریس قال نا ابن جریج عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم ربعۃ او حائط لا یحل لہ ان یبیع حتی یؤذن شریکہ فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم یؤذنہ فھو احق بہ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہر شرکت والے غیر منقسم مکان یا باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ کیا، اس کو شریک سے اجازت لیے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ (شریک) چاہے تو لیلے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، پھر اگر وہ شریک کو خبر دیے بغیر فروخت کر دے تو شریک اس کا زیادہ مقدار ہے۔

۴۰۱۷ - وحدثنا ابو الطاہر قال انا ابن وہب عن ابن جریج ان ابا الزبیر اخبرہ انہ سمع جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشفعۃ فی کل شرک فی ارض او ربع او حائط لا یصلح ان یبیع حتی یعرض علی شریکہ فیاخذ او یدع فان ابی فشریکہ احق بہ حتی یؤذنہ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مشترک مال میں شفعہ ہے، خواہ زمین ہو یا گھر ہو یا باغ، اس کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اپنے شریک پر اس کو پیش نہ کرے، پھر وہ اس کو لے یا چھوڑ دے، اور اگر وہ شریک کو اطلاع نہ دے تو جب تک شریک کو اس کی خبر نہ دی جائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

شفعہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی شفعہ کا لفظ شفع سے ماخوذ ہے، علامہ زبیدی نے لکھا ہے: شفع کا معنی ہے زوج خلاف الوتر[۱] اور شفعۃ کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ زبیدی

۱۔ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ تاج العروس ج ۵ ص ۳۹۹، مطبوعہ مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

لکھتے ہیں: ابوالعباس زبیدی سے لغت میں شفعہ کے اشتقاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا یہ زید شفعا سے مشتق ہے اور تم جس چیز میں شفعہ کرتے ہو اس کو اپنی چیز کے ساتھ ضم کر کے زیادہ کرتے ہو، یعنی تمہاری چیز وتر واحد تھی تم نے اس کے ساتھ ایک اور چیز زیادہ کر کے اس کو زوج کر دیا۔ [1]

علامہ علاؤ الدین حصکفی شفعہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: هی تمليك البقعة جبرا على المشترى بما قام عليه بمثله لو مثليا والا فبقيمته وسببها اتصال ملك الشفيع بالمشترى بشركة او جوار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ”خریدار کو ایک حصہ جس شئی یا قیمت میں پڑا ہو اس حصہ کا جبراً کسی کو مالک بنانا شفعہ ہے اور اس کا سبب شفیع کی ملک کا خریدار کے ساتھ اتصال ہے خواہ شرکت کی وجہ سے اتصال ہو یا جوار (پڑوس) کی وجہ سے۔ [2]

علامہ شامی لکھتے ہیں فتاوی صغری میں ہے شفعہ بائع سے ملکیت کے زوال پر اعتماد کرتا ہے۔ [3]

شفعہ میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: جو شخص زمین میں شریک ہو اس کے لیے شفعہ کے ثبوت میں مسلمانوں کا اجماع ہے، جب تک کہ زمین کو تقسیم نہ کیا گیا ہو، علماء نے کہا ہے کہ شفعہ کی حکمت یہ ہے کہ شریک سے ضرر کو زائل کیا جائے اور زمین کے ساتھ شفعہ اس لیے خاص ہے کہ اس میں ضرر زیادہ متوقع ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حیوان، کپڑے، مال و اسباب اور دیگر منقولات میں شفعہ نہیں ہے۔ علماء کا ایک شاذ قول یہ ہے کہ ہر چیز میں شفعہ ہے حتیٰ کہ کپڑوں میں بھی ہے۔ امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ حیوان اور منفرد مکان میں بھی شفعہ ہے۔ جو زمین منفرد ہو آیا اس میں جوار کی وجہ سے شفعہ ہوتا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ جوار کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوتا، ابن منذر نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، عمر بن عبد العزیز، زہری، ربیعہ، اوزاعی، مغیرہ بن عبد الرحمان، ابو ثور، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی نظریہ ہے اور امام ابو حنیفہ اور ثوری کا مسلک یہ ہے کہ جوار کی وجہ سے شفعہ ہوتا ہے۔ [4]

فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں جو شخص نفس مبیع میں شریک ہے اس کے لیے شفعہ واجب ہے پھر جو شخص مبیع کے حقوق میں شریک ہو، مثلاً پانی اور راستے میں اس کے لیے شفعہ واجب ہے پھر پڑوسی کے لیے شفعہ واجب ہے، اور شفعہ کے ثبوت کی ترتیب یہی ہے۔ رہا شفعہ کا ثبوت تو وہ ان احادیث سے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”شفعہ اس شریک کے لیے ہے جس نے تقسیم نہیں کی“ اور آپ کا ارشاد ہے ”مکان کا پڑوسی مکان اور زمین کا زیادہ حقدار ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا۔

---

[1] ۔ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۵ ص ۴۰۰، مطبعہ خیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] ۔ علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۹۔ ۱۸۸ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۱۸۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[4] ۔ علامہ یحیٰی بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

جبکہ ان کا راستہ ایک ہو" (ترمذی) اور آپ کا ارشاد ہے: "پڑوسی مکان کی نزدیکی کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ مکان کی نزدیکی کی وجہ سے کیا حق ہے؟ فرمایا اس کا شفعہ" اور ایک روایت میں ہے کہ پڑوسی شفعہ کرنے کا زیادہ حقدار ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ پڑوس کی وجہ سے شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "شفعہ غیر منقسم چیزوں میں ہے اور جب حدود واقع ہو جائیں اور راستے منقسم ہو جائیں تو پھر کوئی شفعہ نہیں ہے" (بخاری) نیز چونکہ شفعہ میں غیر کی ملکیت پر اس کی رضا مندی کے بغیر تملیک ہوتی ہے اس لیے یہ خلاف قیاس ہے اور غیر منقسم چیز میں شفعہ کا حکم شریعت میں آگیا ہے اس لیے صرف اسی میں شفعہ کیا جائے گا اور اس پر قیاس کر کے دوسری چیزوں میں شفعہ نہیں ہوگا، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پڑوسی کے لیے شفعہ کا ثبوت حدیث سے ثابت ہے نیز جس طرح شریک کی ملکیت کا نفس مبیع کے ساتھ اتصال ہے۔ اسی طرح پڑوسی کی ملکیت بھی مبیع کے ساتھ متصل ہے اور پڑوس کے ضرر کو دور کرنے کے لیے اس کے واسطے بھی شفعہ ہوگا، بلکہ اس سے ضرر کو دور کرنا زیادہ لائق ہے۔ اور ترتیب کا ثبوت اس حدیث سے ہے: الشریك احق من الخليط والخليط احق من الشفيع (مصنف ابن ابی شیبہ) شریک سے مراد ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو، خلیط سے مراد ہے جو حقوق میں شریک ہو اور شفیع سے مراد ہے پڑوسی یعنی نفس مبیع میں شریک حقوق میں شریک سے زیادہ حقدار ہے اور حقوق میں شریک پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے اور اس لیے بھی کہ نفس مبیع میں شریک زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ وہ مبیع کے ہر جز میں شریک ہے اس کے بعد حقوق میں اتصال ہے کیونکہ وہ ملکیت کے منافع میں شرکت ہے اور ترجیح قوت سبب سے متحقق ہوتی ہے۔ [۵۰]

پڑوسی کے شفعہ کے ثبوت میں احادیث اور آثار

امام ابن حبان روایت کرتے ہیں:

عن ابی رافع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجار احق بسقبه۔

حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی گھر کی نزدیکی کی وجہ سے شفعہ کا زیادہ مستحق ہے۔ [۵۱]

امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے [۵۲] نیز امام عبد الرزاق نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ [۵۳]

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن سمرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جار الدار احق بدار الجار او الارض۔ [۵۴]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھر کا پڑوسی، پڑوسی کے گھر یا زمین کا زیادہ حقدار ہے۔

۵۰۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۳۹۰ - ۳۸۹ مطبوعہ مطبعہ شرکت علمیہ ملتان
۵۱۔ امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ ھ، (مرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۹ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۰۷ھ
۵۲۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
۵۳۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبع الاول، ۱۳۹۲ھ
۵۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۰ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے [1]، امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ [2]

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجار احق بشفعة جارہ ینتظر بھا وان کان غائبا اذا کان طریقھما واحدا۔ [3]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی کے شفعہ کا پڑوسی زیادہ مستحق ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا جب کہ ان کا راستہ ایک ہو۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [4]

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الحسن عمن سمع علیا وابن مسعود یقول قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالجوار۔ [5]

حسن اس سے روایت کرتے ہیں جس نے حضرت علی اور ابن مسعود سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شفعہ میں) پڑوسی کے حق میں فیصلہ کیا۔

عن ابراھیم قال: الخلیط احق من الجار والجار احق من غیرہ۔ [6]

ابراہیم سے روایت ہے کہ (شفعہ میں) شریک پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی دوسروں سے زیادہ حقدار ہے۔

یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کی ہے۔ [7]

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الحکم عن علی وعبد اللہ قالا: قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعة للجوار۔ [8]

حکم کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کیا۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔

عن ابی رافع یبلغ بہ الی النبی صلی اللہ

حضرت ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ

---

[1] ۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] ۔ امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ، (المرتب) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۷، ص ۳۰۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۰۷ھ

[3] ۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، الطبع الثانی، ۱۴۰۵ھ

[4] ۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[5] ۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبع الاول، ۱۳۹۲ھ

[6] ۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۸ ص ۷۹،

[7] ۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاول، ۱۴۰۶ھ

[8] ۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 المصنف ج ۷، ص ۱۶۴،

علیہ وسلم قال: الجار احق بشفعتہ [1]

وسلم نے فرمایا: پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔

عن سمرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: جار الدار احق الدار [2]

حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے

عن جابر قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الجار احق بشفعۃ جارہ [3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی کے شفعہ کا پڑوسی زیادہ حقدار ہے۔

عن شریح قال: الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق من الجار والجار احق ممن سواہ [4]

شریح سے روایت ہے کہ نفس مبیع میں شریک، حقوق کے شریک سے زیادہ حقدار ہے، اور حقوق میں شریک پڑوسی سے زیادہ حقدار ہے اور پڑوسی اپنے ماسوا سے زیادہ حقدار ہے۔

ترتیب شفعہ کے ثبوت میں علامہ ابوالحسن صاحب ہدایہ نے اسی حدیث کا حوالہ دیا ہے۔

بَابُ۲۲ غَرْزِ الْخَشَبِ فِي جِدَارِ الْجَارِ

پڑوسی کی دیوار میں لکڑی گاڑنا

۴۰۱۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعُ أَحَدُكُمْ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ قَالَ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی دیوار پر پڑوسی کو شہتیر رکھنے سے منع نہ کرے، راوی کہتے ہیں پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا سبب ہے؟ کہ میں تم کو اس حکم سے اعراض کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ بخدا! میں یہ شہتیر تمہارے کندھوں پر رکھ دوں گا۔

۴۰۱۹۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ

تین دیگر اسانید سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، الطبع الاولی، ۱۴۰۶ھ

[2] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۵، 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۵، 〃 〃 〃 〃 〃

[4] 〃 〃 〃 〃 ، المصنف ج ۷، ص ۱۶۷، 〃 〃 〃 〃 〃

نَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح قَالَ وَحَدَّثَنِيْ
اَبُوالطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا
اَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ
ح قَالَ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ
اَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ قَالَ اَنَا مَعْمَرٌ
كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ
نَحْوَهٗ۔

پڑوسی کی دیوار پر شہتیر رکھنے میں مذاہب فقہاء

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اپنی دیوار پر پڑوسی کے شہتیر رکھنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، آیا یہ حکم وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے، امام شافعی اور امام مالک کے اس میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حکم مستحب ہے امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم واجب ہے، امام احمد، ابو ثور اور اصحاب حدیث کا بھی یہی مذہب ہے، استحباب پر دلیل یہ ہے خیر القرون کے لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا تب ہی حضرت ابوہریرہ نے فرمایا تھا: تم اس حکم سے اعراض کرتے ہو۔ [1]

بَابٌ[۵۲۳] تَحْرِيْمِ الظُّلْمِ وَغَصْبِ الْاَرْضِ وَغَيْرِهَا

ظلم اور زمین وغیرہ غصب کرنے کی حرمت

۴۰۳۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ وَ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوْا نَا اِسْمَاعِيْلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِّنْ اَرْضٍ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات طبقوں تک کی اس زمین کو (اس کے گلے میں) طوق بنا کر ڈال دے گا۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

۴۲۱ ۔ حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهٗ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ اَرْوٰى خَاصَمَتْهُ فِيْ بَعْضِ دَارِهٖ فَقَالَ دَعُوْهَا وَاِيَّاهَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهٖ طُوِّقَهٗ فِيْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَاَعْمِ بَصَرَهَا وَاجْعَلْ قَبْرَهَا فِيْ دَارِهَا قَالَ فَرَاَيْتُهَا عَمْيَاءَ تَلْتَمِسُ الْجُدُرَ تَقُوْلُ اَصَابَتْنِيْ دَعْوَةُ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ فَبَيْنَمَا هِيَ تَمْشِيْ فِي الدَّارِ مَرَّتْ عَلٰى بِئْرٍ فِي الدَّارِ فَوَقَعَتْ فِيْهَا فَكَانَتْ قَبْرَهَا۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اروی نے ان سے گھر کے بعض حصہ کے متعلق جھگڑا کیا۔ انھوں نے کہا اس کو چھوڑ دو اور یہ زمین اس کو دے دو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ناحق لی قیامت کے دن سات طبقوں تک کی وہ زمین اسے طوق بنا کر ڈال دی جائے گی۔ اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اس کی قبر اسی گھر میں بنا دے، راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا وہ اندھی ہو چکی تھی دیواروں کو ٹٹولتی پھرتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھے سعید بن زید کی بد دعا لگ گئی ہے، اور جس اثناء میں وہ گھر میں چل رہی تھی گھر کے کنوئیں کے پاس سے گذری اور اس کنوئیں میں گر گئی اور وہ گھر اس کی قبر بن گیا۔

۴۲۲ ۔ حَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ قَالَ نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ اَرْوٰى بِنْتَ اُوَيْسٍ ادَّعَتْ عَلٰى سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّهٗ اَخَذَ شَيْئًا مِّنْ اَرْضِهَا فَخَاصَمَتْهُ اِلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَالَ سَعِيْدٌ اَنَا كُنْتُ اٰخُذُ مِنْ اَرْضِهَا شَيْئًا بَعْدَ الَّذِيْ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَمَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ

ہشام اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اروی بنت اویس نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر یہ دعویٰ کیا کہ انھوں نے اس کی کچھ زمین لے لی ہے پھر اس نے مروان بن الحکم کے ہاں مقدمہ پیش کیا، تو سعید نے کہا کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سلسلہ میں حدیث سننے کے بعد اس کی زمین لے سکتا ہوں؟ مروان نے کہا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ حضرت سعید بن زید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی سات زمینوں تک وہ زمین اس کو طوق بنا کر ڈال دی جائے گی، مروان نے کہا اس کے بعد میں آپ سے اور کسی دلیل کا سوال نہیں کروں گا حضرت

أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا طُوِّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِيْنَ فَقَالَ لَهُ مَرْوَانُ لَا أَسْئَلُكَ بَيِّنَةً بَعْدَ هٰذَا فَقَالَ سَعِيْدٌ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَتْ كَاذِبَةً فَعَمِّ بَصَرَهَا وَاقْتُلْهَا فِيْ أَرْضِهَا قَالَ فَمَا مَاتَتْ حَتّٰى ذَهَبَ بَصَرُهَا ثُمَّ بَيْنَا هِيَ تَمْشِيْ فِيْ أَرْضِهَا إِذْ وَقَعَتْ فِيْ حُفْرَةٍ فَمَاتَتْ۔

سعید نے کہا: اے اللہ اگر یہ جھوٹی ہے تو اس کو اندھا کر دے اور اس کو اس کی زمین میں مار دے، راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت مرنے سے پہلے اندھی ہو گئی اور ایک دن اس زمین میں چل رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گری اور مر گئی۔

۴۰۲۳- **حَدَّثَنَا** أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی وہ قیامت کے دن سات زمینوں تک طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی۔

۴۰۲۴- **وَحَدَّثَنِيْ** زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا جَرِيْرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِلَى سَبْعِ أَرَضِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلماً نہیں لے گا مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں تک اس کو طوق بنا کر (اس کے گلے میں) ڈال دے گا۔

۴۰۲۵- **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالَ نَا عَبْدُ الصَّمَدِ يَعْنِيْ عَبْدَ الْوَارِثِ قَالَ نَا حَرْبٌ وَهُوَ ابْنُ شَدَّادٍ قَالَ نَا يَحْيٰى وَهُوَ ابْنُ كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ وَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمِهِ خُصُوْمَةٌ فِيْ أَرْضٍ وَأَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى

ابوسلمہ کہتے ہیں ان کے اور ان کی قوم کے درمیان زمین میں جھگڑا تھا وہ حضرت عائشہ کے پاس گئے اور ان سے یہ ماجرا بیان کیا، حضرت عائشہ نے فرمایا: اے ابوسلمہ! زمین سے اجتناب کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی اس کو سات زمینوں سے طوق پہنایا جائے گا۔

عَائِشَةَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا فَقَالَتْ يَا اَبَا سَلَمَةَ اجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ۔

۴۰۲۶۔ وَحَدَّثَنِيْ اِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ اَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ قَالَ نَا اَبَانُ قَالَ نَا يَحْيٰى اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَهٗ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ۔

ابو سلمہ کہتے کہ وہ حضرت عائشہ کے پاس گئے اس کے بعد مثل سابق ہے۔

گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالنے کی وضاحت

اس باب کی احادیث میں ہے جو شخص کسی کی زمین ظلماً غصب کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈال دے گا، اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات ہیں:

(۱) زمین غصب کرنے والے کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ جتنی زمین غصب کی ہے سات زمینوں تک اس کی مٹی کو اٹھا کر لائے، یہ مٹی طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی نہ کہ حقیقتہً زمین کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے حضرت یعلی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی کی زمین ناحق لی اس کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس کی مٹی اٹھا کر محشر تک لائے۔ [۱]

(۲) اس شخص کو غصب شدہ زمین کی مٹی اٹھا کر لانے کا مکلف کیا جائے گا پھر وہ مٹی طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی اور اس کی گردن بڑی اور وسیع کر دی جائے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جہنمی کی ڈاڑھ احد پہاڑ کے برابر ہو گی اس کی تائید اس حدیث سے ہے حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی شخص کی ایک بالشت زمین بھی لی اس کو سات زمینوں تک اس کی مٹی لانے کا مکلف کیا جائے گا پھر قیامت کے دن وہ طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی تاوقتیکہ لوگوں کا فیصلہ ہو جائے۔ [۲]

(۳) اس شخص کو سات زمینوں تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور وہ زمینیں اس کے لیے بمنزلہ طوق ہو جائیں گی۔

(۴) اس کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ اس زمین کو طوق بنا کر گلے میں ڈالے اور وہ ایسا نہیں کر سکے گا اس لیے اس کو عذاب ہوتا رہے گا۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ طوق کی طرح اس کو یہ عذاب لازم رہے گا۔

---

[۱] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[۲] ،، ،، ،، ،، ،، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۷۳

یہ توجیہات حافظ ابن حجر عسقلانی نے بیان کی ہیں۔ [1]

سات زمینوں کا ثبوت

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ زمینیں سات ہیں اور ان کے سات طبقات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن "سات آسمان ہیں اور ان کی مثل سات زمینیں ہیں" اور مثل کی تاویل ہیئت اور شکل سے کرنا خلاف ظاہر ہے، بعض علماء نے کہا: سات زمینوں سے مراد سات اقالیم ہیں نہ کہ سات طبقات' یہ قول بھی باطل ہے اور اس کا بطلان اس باب کی احادیث سے واضح ہے۔ ان احادیث سے ظلم اور غصب کا حرام ہونا بھی واضح ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ زمین کا غصب کرنا ممکن ہے، اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ زمین کا غصب کرنا متصور نہیں ہے۔ [2]

زمین کو غصب کرنے میں فقہاء احناف کے قول کی وضاحت

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے بغیر تحقیق کے احناف کا مذہب اٹکل پچو سے لکھ دیا ہے اس مسئلہ میں ائمہ حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک غصب صرف منقولات میں متحقق ہوتا ہے، کیونکہ غصب ایک چیز کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے ہوتا ہے اور زمین میں منتقل کرنا متصور نہیں ہے، پس اگر کسی شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی اور وہ اس کے قبضہ میں ضائع ہو گئی تو وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ ضامن ہو گا، اور یہی امام ابویوسف کا پہلا قول ہے اور امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ ان کے نزدیک زمین میں بھی غصب متحقق ہو جاتا ہے اور اختلاف غصب کرنے میں ہے تلف کرنے میں نہیں ہے۔ اور ہمارے بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک بھی زمین میں غصب متحقق ہوتا ہے لیکن اس پر ضمان لازم نہیں آتی، اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ زمین میں اصلاً غصب متحقق نہیں ہوتا، اور اس حدیث سے زمین میں غصب کے تحقق پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کے غصب کی سزا آخرت میں طوق ڈالنا بیان کی ہے اور اگر اس پر ضمان واجب ہوتا تو آپ اس کو بیان فرما دیتے، کیونکہ ضمان احکام دنیا میں سے ہے اور اس کے بیان کی زیادہ ضرورت ہے اور آپ نے اس فعل کی مکمل سزا یہی یعنی آخرت کا طوق بیان کی ہے اگر اس پر ضمان کو زائد کیا جائے گا تو یہ حدیث منسوخ ہو جائے گی اور قیاس سے نسخ جائز نہیں ہے، اور بعض روایات میں ظلماً زمین کو لینے پر غصب کا جو اطلاق آیا ہے اس سے اس غصب پر استدلال کرنا درست نہیں ہے جو ضمان کا موجب ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے: من باع حرًا "جس نے آزاد کی بیع کی" اس حدیث سے بیع شرعی کو ثابت کرنا غلط ہے جو ملکیت کی موجب ہے، نیز صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث میں غصب کی جگہ من اخذ شبرا من الارض ظلما "جس نے ایک بالشت زمین ظلماً لی" بھی ہے سو معلوم ہوا کہ غصب سے ظلماً لینا مراد ہے وہ غصب مراد نہیں ہے جو ضمان کا موجب ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۰۵، ۱۰۴ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔

[3] علامہ ابوالحسن مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۲۹۹ - ۲۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ نووی نے یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ زمین کا غصب کرنا متصور نہیں ہے اور ان احادیث سے زمین کے غصب کا امکان ثابت ہوتا ہے لیکن علامہ نووی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ زمین کے غصب کا مطلقاً انکار نہیں کرتے بلکہ اس غصب کا انکار کرتے ہیں جس پر حکم شرعی یعنی ضمان لازم آتا ہے اور وہ غصب ان احادیث سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے۔

مالک زمین کا زمین کے اوپر اور نیچے تصرف کا حکم

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی زمین کا مالک ہو وہ زمین کے نیچے سے لے کر اس کے منتہا تک اس کا مالک ہوتا ہے اور مالک زمین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زمین کے نیچے کسی کو سرنگ یا کنواں نہ کھودنے دے خواہ اس سے اس کی زمین کو ضرر ہو یا نہ ہو، علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ زمین کے نیچے کا حصہ اس کے اوپر کے حصہ کے تابع ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی زمین میں معدن یا اس کے مشابہ چیز نکل آئے تو اس میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے کہا ہے وہ اس کی ملکیت ہے اور بعض نے کہا بلکہ مسلمانوں کی ملکیت ہے، اسی طرح زمین کا مالک اپنی زمین میں جہاں تک چاہے کھود سکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کو ضرر نہ ہو، اسی طرح زمین کے اوپر جہاں تک چاہے تعمیر کرسکتا ہے بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ ہو۔ [۱]

زمین کے تیل یا گیس کا حکم

ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی شخص کی زمین میں کوئی معدن نکل آئے تو امام ابوحنیفہ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنا ہوگا اور ایک روایت میں ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے، پانچواں حصہ کی بنیاد یہ حدیث ہے فی الرکاز الخمس "دفینہ میں پانچواں حصہ ہے۔" [۲]

اگر کسی شخص کی زمین میں تیل یا گیس نکل آئے تو آج کل حکومت اس کو ایک معین رقم دے کر اس پر قبضہ کر لیتی ہے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے چاہیے یہ کہ حکومت اپنے اخراجات منہا کرنے کے بعد مالک زمین کو ۸۰٪ رائلٹی اس وقت تک دیتی رہے جب تک اس میں تیل یا گیس کا ذخیرہ باقی رہے۔

سات زمینوں کے بارے میں اثر ابن عباس

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیھقی فی الشعب وفی الاسماء والصفات عن ابی الضحی عن ابن عباس فی قولہ من الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وادم کادم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم

محدث ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اپنی اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے اور حاکم نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے شعب اور کتاب الاسماء والصفات میں ومن الارض مثلھن کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "سات زمینیں ہیں ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل

[۱] علامہ ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۹۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
[۲] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۱۸۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

وعیسی کعیسی قال البیہقی اسنادہ صحیح ولکنہ شاذ ولا اعلم لابی الضحی علیہ متابعا۔[۱]

نبی ہے اور آدم کی مثل آدم ہے اور نوح کی مثل نوح ہے اور ابراہیم کی مثل ابراہیم ہے اور عیسیٰ کی مثل عیسیٰ ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ لیکن یہ شاذ ہے اور ابو الضحیٰ کا اس پر کوئی متابع نہیں ہے۔

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس کے اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔[۲] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

علامہ ذہبی نے عن عطاء بن السائب عن ابی الضحی عن ابن عباس — اس سند کے ساتھ حدیث کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے۔[۳]

حضرت ابن عباس کا یہ قول ہر چند کہ سنداً صحیح ہے لیکن یہ درایۃً صحیح نہیں ہے۔

اثر ابن عباس پر اشکال

حضرت ابن عباس کے اس اثر پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر ہر زمین میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور خاتم النبیین ہوں اور اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہیں تو آپ خاتم النبیین نہ رہے کیوں کہ آپ کے بعد ان زمینوں میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور اگر ان زمینوں میں آپ سے پہلے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو پھر وہ خاتم النبیین نہ رہے کیونکہ ان کے بعد آپ کی نبوت ہے اور جب وہ خاتم النبیین نہیں ہیں تو پھر آپ کی مثل نہ ہوئے۔ حالانکہ اس اثر میں یہ ہے کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی مثل نبی ہے۔

اشکال مذکور کا جواب مولانا قصوری سے

مولانا غلام دستگیر قصوری نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے کہ ہر ایک کی خاتمیت اضافی ہے یعنی ان زمینوں میں جو نبی ہیں ان کی خاتمیت ان زمینوں کے اعتبار سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اس زمین میں مبعوث ہونے والے انبیاء کے اعتبار سے ہے۔

مولانا قصوری کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اضافی نہیں ہے بلکہ استغراقی ہے اور آپ کی خاتمیت قرآن مجید سے ثابت ہے اور قطعی اور یقینی ہے جبکہ اس اثر کی صحت ظنی ہے۔ اس ظنی اثر کی وجہ سے قرآن مجید میں النبیین کے عموم اور استغراق کو کم کرنا صحیح نہیں ہے۔

اشکال مذکور کا جواب شیخ نانوتوی سے

شیخ قاسم نانوتوی نے اس اشکال کے جواب میں لکھا ہے:

سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں

---

[۱] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، در منثور ج ۶ ص ۲۳۸ مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر، ۱۳۱۴ھ

[۲] امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۴۹۲ مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[۳] حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۴۹۳، " "

بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ [۱]
نیز لکھتے ہیں: غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ [۲]
نیز لکھتے ہیں: اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا مثبت خاتمیت ہے، معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ یعنی مخالف روایت ثقات ہے۔ [۳]
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایں معنی خاتم النبیین ہونا کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخر نبی ہیں، قطعی اور متواتر ہیں، لیکن شیخ نانوتوی نے اس عبارت میں اس معنی کو عوام کا خیال کہا ہے، نیز آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کو اپنے اختراعی معنی کے اعتبار سے جائز کہا ہے اور اس کو خاتم النبیین کے منافی نہیں قرار دیا، ان وجوہات کی بنا پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے شیخ نانوتوی کی تکفیر کر دی، اس کی تفصیل حسام الحرمین اور التبشیر برد التحذیر میں ملاحظہ کریں۔
تحذیر الناس کی اشاعت کے بعد یہ اعتراض کیا گیا کہ مولانا قاسم نانوتوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا انکار کر دیا ہے چنانچہ شیخ نانوتوی نے اپنے دفاع میں متعدد بار یہ لکھا کہ:

۱۔ خاتمیت زمانی اپنا دین و ایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۹)
۲۔ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳)
۳۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۶۹)
۴۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ۵۰)
۵۔ مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی۔ ہاں آپ گوشہ عنایت سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں (الی قولہ) اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر کی اور شروع تحذیر ہی میں اثبات خاتمیت مرتبی کی بہ نسبت خاتمیت زمانی کو ذکر کر دیا یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے جس طرح آیت انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔
میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص ۳۷)
اب بجا طور پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب شیخ نانوتوی نے اتنی صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی

۱۔ شیخ قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ، تحذیر الناس ص ۳ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ۱۳۹۵ھ
۲۔ 〃 〃 ، تحذیر الناس ص ۱۳ 〃 〃 ، 〃
۳۔ 〃 〃 ، تحذیر الناس ص ۲۴ 〃 〃 ، 〃

کو تسلیم کیا ہے پھر فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تحذیر الناس کی جن عبارات سے خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے (مثلاً یہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ ص ۳) چونکہ شیخ نانوتوی نے ان عبارات سے رجوع نہیں کیا اور ان کو بحالہا قائم رکھا اس وجہ سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ان کی تکفیر کر دی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

بَابُ ۵۲۲ قَدْرِ الطَّرِيْقِ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

اختلاف کی صورت میں راستے کی مقدار

۴۰۲۷ - حَدَّثَنِیْ اَبُوْ كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنِ الْجَحْدَرِیُّ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ قَالَ نَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِی الطَّرِيْقِ جُعِلَ عَرْضُهٗ سَبْعَ اَذْرُعٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب راستے میں تمہارا اختلاف ہو تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ رکھو۔

ف: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ باہمی رضامندی سے جتنا چاہیں راستہ رکھ لیں، لیکن اگر اختلاف ہو تو پھر سات ہاتھ راستہ کی چوڑائی رکھیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM